نام کتاب ... فتاویٰ حقانیہ (جلد ششم)

افادات ... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہٰذا

نگرانی واہتمام ... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ ہٰذا

ترتیب ... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ دارالافتاء

ضخامت ... ۵۶۰ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ...... ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

طابع ... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300 4572899

ناشر ... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد ششم

عنوانات	صفحہ

عنوانات	صفحہ

کتاب
البیوع

يا ايها الذين امنوا لا
تاكلوا اموالكم بينكم
بالباطل الا ان تكون
تجارة عن تراضٍ منكم

باب شرائط البیع و ارکانہ

(بیع کے شرائط و ارکان وغیرہ)

خرید و فروخت میں طرفین کی رضامندی کا اعتبار

سوال:- آجکل مروجہ (لوہے کے) ناپ تول میں تفاوت آ جاتا ہے استعمال ہوتے ہیں بکثرت سے دوکاندار جو ناپ پر کپڑا خرید کر بیچتے ہیں یا جو شے کم ہوتا ہے اسی طرح عام دوکاندار مختلف سے تول کم ہوتا ہے جو چیز خرید کر (کلوگرام وغیرہ جو کم وہ تول ہوتا ہے) سے فروخت کرتے ہیں، بائع اور مشتری دونوں اس طریقہ ناپ تول سے آگاہ ہونے کے باوجود باہمی رضامندی سے معاملہ طے کر لیتے ہیں، کیا ناپ تول کا یہ طریقہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مشتری سے ناپ تول کی حقیقت کو مخفی رکھنا دھوکہ دہی کے زمرے میں آتا ہے جو کہ ناجائز ہے لیکن جہاں کہیں بائع اور مشتری دونوں کی باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۹) لہ

مکرہ کی بیع صحیح نہیں ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کی دھمکی دے کر مجبور کیا اور اس سے ایک چیز خرید لی جبکہ بائع اس عقد پر بالکل راضی نہیں، تو کیا شرعاً یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت مطہرہ نے خرید و فروخت میں بائع اور مشتری کی رضامندی اور

لہ قال العلامۃ الکاسانیؒ: اذا وجدت الاجازۃ من المالک فی الانتہاء وجد الرضا فی التجارۃ عند العقد او بعدہ فیجب العمل بالاطلاق۔ بدائع الصنائع ج۵ ص۲۹ کتاب البیوع فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیہ۔ ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص کتاب البیوع۔

طیبِ نفس کو شرط قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کسی عقد میں بائع کی رضا مفقود ہو اور جبر و اکراہ سے بائع کو مجبور کر کے بیع کی گئی ہو تو یہ بیع صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها الرضا ... فلا يصح بيع المكره اذا باع مكرها وسلم مكرها لعدم الرضا۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۷۶ كتاب البيوع فصل واما شرائط الصحة فانواع) ؎۱

نابالغ کی خرید و فروخت میں اذنِ عرفی کا اعتبار

سوال:۔ دیہاتوں میں بعض اوقات چھوٹے بچے اور بچیاں دوکان میں بیٹھ کر کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرتے ہیں، آپ کو پتہ نہیں چلتا کہ بچوں کا والد یا سرپرست اس پر راضی ہے یا نہیں؟ جبکہ بچوں کا باپ ان کی خرید و فروخت پر انہیں منع نہیں کرتا، تو کیا اس طرح بچوں سے اشیاء کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بچے اور بچیاں نفع اور نقصان کی تمیز کر سکتے ہوں تو باپ کے اذن و اجازت سے ان کی بیع و شراء شرعاً نافذ ہوگی اور اذن بھی صراحتاً اور دلالۃً دونوں طرح درست ہے، پس بچوں کے والدین کی خاموشی اور خرید و فروخت سے انہیں منع نہ کرنا بھی اذن اور اجازت میں داخل ہے لہٰذا ان سے خرید و فروخت مرخص ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: ثم الاذن كما يثبت بالصريح يثبت بالدلالة كما اذا رأى عبده يبيع ويشتري فسكت يصير مأذونا عندنا۔ (الهداية ج ۴ ص ۳ كتاب المأذون) ؎۲

؎۱ قال النبي صلى الله عليه وسلم: الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ الا بطيب نفس منه۔ (مشكوٰة المصابيح ج ۱ ص ۲۵۵ كتاب البيوع باب الغصب والعارية)

ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۵ كتاب البيوع مطلب في بيع المكره والموقوف۔

؎۲ قال في الهندية: اذا اذن الصبي يعقل البيع والشراء يجوز تصرفه وهو ان يعقل معنى البيع والشراء بان عرف ان البيع سالب للملك والشراء جالب ويعرف الغبن اليسير من الفاحش لا نفس العبارة كما في الصغرى۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۱۷۱ الباب الثاني عشر في الصبي والمعتوه ... الخ)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۸۶ كتاب المأذون۔

مجنون کی خرید و فروخت

سوال: ایک آدمی کا دماغی توازن درست نہیں (دیوانہ اور مجنون) ہے، آیا ازروئے شریعت اس آدمی کا بیع و شراء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے بیع و شراء کی صحت اور انعقاد کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ عقل کی درستگی کو بھی ضروری اور اہم شرط قرار دیا ہے، چونکہ دیوانہ اور مجنون شخص اچھے برے اور نفع و نقصان کی تمیز پر قادر نہیں ہوتا اس لیے مجنون اور دیوانے کی بیع منعقد نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله: وأما شرائطها فمنها أن يكون حرًّا فلا تثبت ولاية العبد ومنها أن يكون عاقلاً فلا تثبت ولاية المجنون۔[1]
(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۵۵ کتاب البیوع، فصل واما شرائطها فانواع۔ ا ھ)

نرخ کے تعین سے قبل مبیع میں تصرف کرنا

سوال: ہمارے علاقے میں زمیندار کپاس کی فصل تیار ہونے پر کارخانے میں بھیج دیتے ہیں، کارخانہ والے مال قبول کر کے اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور زمیندار کسی بھی وقت جا کر نرخ طے کر لیتے ہیں، آیا تجارت کا یہ طریقہ کار درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کارخانہ والے مال وصول کر کے بطور امانت اپنے پاس رکھیں یا باقاعدہ طور پر نرخ طے کر کے اور رقم کی ادائیگی کی مدت مقرر کر کے اس کو استعمال میں لائیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن اگر نرخ طے کرنے سے قبل ہی کارخانہ والے اس کپاس کو اپنے استعمال میں لائیں اور استعمال کے بعد نرخ مقرر کیا جائے تو یہ معاملہ (بیع) فاسد ہے، کپاس کے استعمال سے قبل نرخ مقرر کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی: ومنها أن يكون المبيع معلومًا وثمنه معلومًا علمًا يمنع من المنازعة۔ (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۵۶ کتاب البیوع، فصل واما شرائط الصحة فانواع)۔[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدین: وشرائط الانعقاد أنواع ... العقل والعدد فلا ينعقد بيع مجنون وصبي لا يعقل۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۵ کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع أنواع أربعة)
ومثله في الهندية ج ۳ ص ۲ کتاب البیوع، الباب الاول في تعريف البيع ...الخ۔

[2] قال في الهندية: ومنها أن يكون المبيع معلومًا والثمن معلومًا علمًا يمنع من المنازعة (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۳ کتاب البیوع، الباب الاول في تعريف البيع) ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۵ کتاب البیوع مطلب شرائط البيع أنواع أربعة۔

مالِ مسروقہ کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- ایک شخص نے کسی سے کچھ مال خریدا، سودا کر لینے اور خرید لینے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مال چوری کا ہے، تو اب اس خریدے ہوئے مال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں اس بات کی تصریح فرما دی گئی ہے کہ چوری کا مال اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، جس چیز کے متعلق قرائن سے غالب گمان ہو کہ یہ چوری کا ہے تو اس کے خریدنے سے گریز کیا جائے۔ لیکن اگر غلط فہمی سے خرید لی جائے اور بعد میں حقیقت واضح ہو تو وہ چیز اس کے اصل مالک کو واپس کی جائے، اور مشتری کو بائع سے اپنی رقم کے مطالبے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لو ظهر بعد الشراء انها مسروقة او مغصوبة يرجع عليه المشتري۔ (رد المحتار ج[illegible] ص[illegible] كتاب البيوع)[1]

کوئی چیز خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا

سوال: جناب مفتی صاحب! میں ایک کارپٹ بنانے اور کارپٹوں کا کاروبار کرتا ہوں، پہلے گاہک سے رقم وصول کر لیتا ہوں بعد میں نئی کارپٹ لے کر گاہک کے حوالے کرتا ہوں، اگر گاہک کو پسند آ جائے تو خرید لیتا ہے ورنہ اپنی رقم واپس لے لیتا ہے، اور بیع ختم ہو جاتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: متاخرین فقہاء نے صورتِ مذکورہ کے جواز کی تصریح کی ہے کیونکہ بیع کی نیت سے پیشگی رقم دینا بیع نہیں بلکہ بیع کا وعدہ ہے جبکہ حقیقی بیع مبیع وصول کرنے کے بعد متحقق ہوتی ہے، لہٰذا بیع تعاطی کی وجہ سے بیع منعقد ہو کر صحیح ہو جاتی ہے اور مشتری کو خیارِ رؤیت کا حق حاصل رہے گا، اس لیے کسی چیز کے خریدنے کے لیے پیشگی رقم دینا

---

[1] قال ملك العلماء العلامة الكاساني رحمه الله: ولو باع السارق المسروق من انسان وملكه منه بوجه من الوجوه فان كان قائماً فلصاحبه ان ياخذه لانه عين ملكه والمأخوذ منه يرجع بالضمان على السارق۔

(بدائع الصنائع ج[illegible] ص[illegible] كتاب البيوع)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۶۸ كتاب البيوع، باب خيار العيب۔

ٹیلیفون کے ذریعے عقدِ بیع کا حکم

سوال:۔ عصرِ حاضر میں عام طور پر تاجر حضرات دور دراز کے شہروں اور بیرونِ ممالک سے ٹیلیفون کے ذریعے مال منگواتے ہیں، تو کیا خرید و فروخت کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے خرید و فروخت کے دوران ایجاب و قبول کے لیے اتحادِ مجلس کو ضروری قرار دیا ہے لیکن اتحاد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی، حقیقی تو ظاہر ہے اور حکمی کی صورت یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایجاب ہو جائے اور مشتری کو کسی مناسب طریقے سے مثلاً بذریعہ خط یا پیغام رساں کی معرفت، اطلاع دی جائے۔ موجودہ دور میں فقہاء نے انسانی ضروریات اور حوائج (ٹیلیفون) کے ذریعے کیے گئے بیع و شراء اور طلاق وغیرہ کو بھی اسی زمرہ میں شمار کیا ہے، لہٰذا ٹیلیفون کے ذریعے اگر کسی چیز کے بارے میں باقاعدہ ایجاب و قبول ہو جائے تو یہ بیع شرعاً نافذ العمل ہوگی۔

لما قال الشیخ محمد کامل ابن مصطفی الطرابلسیؒ: سئل بعد صلوٰۃ الجمعۃ حضر خبر الشام فی التلغراف لبعض الثغور بانه ثبت فی الشام رؤیۃ هلال ...... فاجاب ان السلاطین المسلمین وضعوا التلغرافات لتبلیغ الاخبار من البلاد القریبة والبعیدۃ فی مدۃ یسیرۃ جداً او اقاموا لاعماله اشخاصاً مسلمین وانفقوا علی ذلک اموالاً جسیمة واستغنوا به عن السعاۃ و رسائل المکاتیب غالباً نصارت تاتی فی ذلک یخاطب به السلاطین بعضهم لبعضهم فی مهمات الامور وتبعهم الناس علی ذلک۔ (الفتاوی الکاملیة ص۲۸۵ مطلب هل یثبت رمضان بالتلغراف) لے

بالغ بیٹے کی غیر موجودگی میں اس کی جائیداد فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص کا بالغ بیٹا ہے اور وہ کسی دور جگہ میں رہتا ہے، اس کی غیر موجودگی میں اور اجازت کے بغیر والد اس کی جائیداد فروخت کر دے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

لے قال الدکتور الوهبة الزحیلی: البیع بالمراسلة او بواسطة رسول یعتبر تعاقداً ویکون مجلس التعاقد هو مجلس بلوغ الرسالة [illegible] الاول الی العاقد الثانی۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۵۰۲ ثانیا البیوع بسبب الصیغة)

الجواب: شریعت مقدسہ نے ہر انسان کو اپنی ملکیت میں خود مختار قرار دیا ہے جبکہ کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ لہٰذا جب بالغ بیٹا حاضر ہو تو والد کی طرف سے اس کی فروخت کردہ جائیداد بیع فضولی کے زمرہ میں آکر بیٹے کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: یبیع الاب عرض ابنہ الکبیر الغائب لا الحاضر ولا عقارہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۴ ص۳۴۱ مطلب فی النفقۃ قرابۃ غیر الولاد من الرحم المحرم) [1]

جائیداد کی خرید و فروخت پر کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

سوال: ایک آدمی نے جائیداد کی خرید و فروخت کا با اعتماد ادارہ" کے نام سے ایک دفتر کھول رکھا ہے جہاں وہ زمین کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور اس پر وہ جانبین (یعنی خریدنے اور فروخت کرنے والے) سے دو فیصد کمیشن لیتا ہے، تو کیا اس طرح پر جانبین سے کمیشن لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے ایک ہی شخص کو بائع اور مشتری دونوں کی جانب سے وکالت کی ذمہ داری اپنانے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن جانبین کی طرف سے دلال بن سکتا ہے۔ وکیل اور دلال میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وکیل کو مبیع میں جائز تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے جبکہ دلال کی ذمہ داری مال خریدنے کی طرف ترغیب دلانا ہوتی ہے، اور مبیع میں کسی قسم کے تصرف کا اس کو حق حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ شخص چونکہ دلال کی حیثیت سے کام کرتا ہے اس لیے اس کو جانبین سے مناسب کمیشن لینا شرعاً ممنوع نہیں ہے، تاہم ایسے ادارے کو پہلے سے مناسب کمیشن کی وضاحت کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں جھگڑے اور کبیدہ خاطری کا سبب نہ بنے۔

---

[1] قال العلامۃ عبد العلی البرجندیؒ: یجوز للاب ان یبیع عروض ولدہ الغائب بالغاً کان او بنتاً ویصرف فی نفقتہ اذا کان من جنس نفقتہ ولا یجوز ان یبیع عقارہ لذلک۔ (البرجندی ج ۳ ص۲۰ کتاب البیوع)

ومثلہ فی آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین ج ۲ ص۳۲ فصل فی بیوع الکتابۃ ومتعلقاتہا الخ

یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: منتقلہ مہر میں دی ہوئی زمین کے تمام تر مالکانہ حقوق بیوی کو حاصل ہوجاتے ہیں، بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر کو تصرف کا حق نہیں ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ اس زمین میں شوہر کو ملکیت یا ولایت کا حق حاصل نہیں لہٰذا بلا اجازت زوجہ (بیوی) کے بیع نافذ العمل نہ ہوگی۔

وفی الهندیة: و(اما) شرائط النفاذ فنوعان الملك او الولایة والثانی ان لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۳ کتاب البیوع الباب الاول فی تعریف البیع.....الخ) [1]

درخت عقد بیع میں زمین کے تابع ہیں

سوال: ایک شخص نے کسی سے ایک قطعہ اراضی خریدا لیکن زمین کے کنارے پر واقع درختوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا بعد میں دونوں کے درمیان ان درختوں پر اختلاف پیدا ہوگیا تو کیا یہ درخت از روئے شریعت بائع کا حق ہے یا مشتری کا؟

الجواب: زمین کے فروخت کرتے وقت اس میں مذکورہ اشیاء مثلاً درخت یا آبادی وغیرہ خود بخود عقد بیع میں شامل ہوں گے پس اس بناء پر صورت مسئولہ میں درخت بھی مشتری کا حق ہیں، البتہ اگر ان مذکورہ اشیاء کو عقد بیع کے وقت مستثنیٰ کرکے عقد کیا جائے تو اس وقت یہ اشیاء عقد میں شامل نہیں ہوں گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ویدخل البناء والشجر فی بیع الارض بلا ذکر لکونه متصلًا بها اتصال قرار فیدخل تبعًا۔ (البحر الرائق ج۵ ص۳۰۳ کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار) [2]

---

[1] قال العلامة الکاسانی رحمه الله: ومنها وهو شرط انعقاد البیع للبائع ان یکون مملوکًا للبائع عند البیع فان لم یکن لا ینعقد۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۶ کتاب البیوع، فصل واما الذی یرجع الی المعقود علیه...الخ)

ومثله فی فتح القدیر ج۵ ص۳۰۹ کتاب البیوع

[2] قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمه الله: ومن باع ارضًا دخل ما فیها من النخل والشجر وان لم یسمه لانه متصل بها للقرار فاشبه البناء۔ (الهدایة ج۳ ص۲۲ کتاب البیوع)

ومثله فی فتح القدیر ج۵ ص۳۱۹ کتاب البیوع۔

مسجد کی آمدنی سے تجارت کرنا

سوال:- ایک مسجد کی آمدنی اور فنڈ فی الحال مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہے، اس سے تجارت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مسجد کی آمدنی اور فنڈ دراصل مسجد کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن اگر فنڈ مسجد کی ضروریات اور استعمال سے زائد ہو تو اس رقم کو کسی قابل نفع تجارت میں لگا کر اس سے حاصل ہونے والے منافع کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرنا ہوگا، اس طریقہ سے مسجد کی رقم سے تجارت کرنا جائز ہے بشرطیکہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی تجارت کی اجازت ہو۔

لما قال فی الهندیة: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتا او دارا ثم باعها جاز اذا كانت له ولاية الشراء - (الفتاوى الهندية ج۲ ص[illegible] الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم) [1]

رشوت کی رقم سے مقبرہ (قبرستان) کے لیے جگہ خریدنا

سوال:- رشوت کے ذریعہ حاصل شدہ مال سے مقبرہ کے لیے جگہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حصول مال کے لیے جائز طریقہ اور مالک کی رضا کو شریعت مقدسہ نے ضروری قرار دیا ہے، رشوت چونکہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے لہٰذا اس کو اصل مالک یا ورثاء کو واپس کرنا ضروری ہے، رشوت کا مال چونکہ اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا اس بناء پر رشوت کی رقم سے مقبرہ و قبرستان کے لیے جگہ خریدنا اور اس میں مسلمان میتوں کو دفنانا جائز نہیں، لہٰذا ایسے مال کے ورثاء یا اصل مالکوں کی موجودگی میں بغیر ان کی رضامندی کے اس رقم کو رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے سے ذمہ داری فارغ

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتا او دارا ثم باعها جاز اذا كانت له ولاية الشراء وفي المجتبى في الفتاوى قال الامام حسام الدين هذا هو المختار وفي الخانية هو الصحيح۔

(التاتارخانية ج۵ ص۸۹۲ كتاب الوقف، مسائل وقف المسجد وقيم المسجد)

ومثله في السراجية على هامش الخانية ج۳ ص[illegible] كتاب الوقف۔

نہیں ہوگی۔

لہ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لو مات رجل وکسبه من ثمن الباذق والظلم وأخذ الرشوة تعود الورثة ولا یأخذون منه شیئاً وهو أولی لهم ویردونه علی أربابه إن عرفوهم وإلا تصدقوا به لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۱ فصل فی البیع)

کرایہ کی دوکان یا مکان پر پیشگی رقم (پگڑی) لینے کی شرعی حیثیت

سوال۔ بعض علاقوں میں دوکان یا مکان کرایہ پر دیتے وقت پیشگی رقم دینا ضروری ہوتا ہے اور یہ رقم کرایہ کے علاوہ ہوتی ہے جو کہ عرف میں پگڑی کہلاتی ہے، کیا یہ رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ بسا اوقات ایک آدمی اپنا مکان یا دوکان ایک طویل مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے اور کرایہ دار سے کرایہ کے علاوہ کچھ رقم یکمشت بھی وصول کرتا ہے جو پگڑی کہلاتی ہے۔ کرایہ دار یکمشت رقم دے کر اس بات کا حقدار ہو جاتا ہے کہ ایک طویل مدت یا تاحیات کرایہ داری کو جاری رکھے، بعض حالات میں وہ اپنا یہ حق کسی دوسرے کرایہ دار کو منتقل کر کے اس سے یہ رقم لے سکتا ہے، اور اگر اصل مالک دوکان یا مکان واپس لینا چاہے تو اسے یہ رقم واپس کرنا ہوگی۔

اس مروجہ پگڑی کے بارے میں علماء کرام نے عدم جواز کا قول فرمایا ہے کیونکہ یہ نہ تو نزول عن الحق ہے اور نہ اجرت معجلہ ہے بلکہ یہ حق مجرد کی فروخت ہے جو کہ ناجائز ہے اور پیشگی کی یہ رقم رشوت ہے جو کہ نص قطعی کی رو سے حرام ہے، لہٰذا مروجہ پگڑی کی رسم شرع کے خلاف ہے۔

البتہ اس یکمشت رقم کو ایک متعینہ مدت کی پیشگی اجرت قرار دیا جائے اور متعینہ مدت تک

لہ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: فی البزازیة: أخذ مورثه رشوة أو ظلماً إن علم ذلك بعینه لا یحل له أخذه وإلا فله أخذه حکماً أما فی الدیانة فیتصدق به بنیة إرضاء الخصماء۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۹ مطلب فیمن ورث مالاً حراماً)

ومثله فی غمز عیون البصائر شرح الأشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب الکراهیة۔

کرایہ بھی ختم ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ میں شمار ہوگا اور اجارہ کے تمام احکام اس پر جاری ہوں گے، اس قسم کی رقم کا لینا جائز ہے اور مروجہ پگڑی ناجائز ہے۔

قال الدكتور وهبة الزحيلي: الحق المجرد ما لحق هو الذي لا يترك أثراً بالتنازل عنه صلحاً أو إبراءً فلا يجوز الاعتياض عنه كحق الولاية على النفس والمال وحق الشفعة. (الفقه الإسلامي وأدلته ج۴ ص۲ الحقوق المجردة وغير المجردة.) ؎۱

دوسرے کے سودے پر سودا کرنا

سوال:- ایک آدمی کی کسی سے گھر خریدنے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اسی دوران ایک تیسرے آدمی نے مداخلت کرکے زیادہ قیمت پر وہ مکان خرید لیا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بائع اور مشتری کی بات چیت کے دوران کسی اور کے لیے درمیان میں آکر قیمت بڑھانا مناسب نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تاہم باقاعدہ ایجاب و قبول کی صورت میں بیع تام اور صحیح ہے اگرچہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما ورد في الحديث: عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا يبيع الرجل على بيع أخيه ولا يخطب على خطبة أخيه إلا أن يأذن له وأيضاً عن أبي هريرة أن النبي عليه السلام نهى أن يستام على سوم أخيه. (الصحيح لمسلم ج۲ ص۲ باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه وسومه على سومه) ؎۲

حرام مال سے خرید و فروخت کرنا

سوال:- رشوت، سود، جوا اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل کی ہوئی رقم سے خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۴ ص۵۱۹ كتاب البيوع)

؎۲ قال العلامة علي بن أبي بكر المرغيناني: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النجش وعن السوم على سوم غيره. (الهداية ج۳ ص۶۹ فصل فيما يكره)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۰۹ فصل فيما يكره۔

الجواب:۔ رشوت، سود، جوا اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل شدہ رقم کا ذاتی ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اس سے فراغت ذمہ کے لیے ضروری ہے کہ اگر اصل مالک زندہ ہوں تو ان کو واپس کرکے ذمہ فارغ کرے ورنہ فقراء اور محتاجوں پر اصل مالکان کی طرف سے صدقہ کردے۔ اس بناء پر علم کے باوجود ان اشیاء کے عوض خرید و فروخت سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیہم والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالاً مختلطاً مجتمعاً من الحرام ولا یعلم اربابہ ولا شیئاً منہ بعینہ حل لہ حکماً والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ۔
(رد المحتار ج۵ ص۹۹ مطلب فیمن ورث مالاً حراماً) لہ

حکومت کی طرف سے روزمرہ استعمال کی اشیاء کے نرخ مقرر کرنا

سوال:۔ بسا اوقات کسی چیز کی قیمت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ حکومت ایک حد مقرر کرکے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا دیتی ہے، کیا حکومت کے لیے اس قسم کی پابندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت کی رو سے کسی چیز کی خرید و فروخت بائع اور مشتری کی آپس میں رضامندی پر موقوف ہے خواہ وہ قیمت زیادہ ہو یا کم، بعض اشیاء کی کوالٹی میں تفاوت کی وجہ سے ان کے نرخوں میں بھی تفاوت آجاتا ہے اسلئے حکومت کو شرعاً یہ حق نہیں کہ کسی چیز کے نرخ متعین کرکے پابندی لگائے کیونکہ اس قسم کی پابندیوں سے عوام پر تکلیف کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن بعض حالات میں یہی لوگ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں بے تحاشا اضافہ کرکے عوام کو پریشان کرتے ہیں اور لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لو مات رجل وکسبہ من ثمن الباذق او الظلم او اخذ الرشوۃ تعود الورثۃ ولا یاخذون منہ شیئاً وھو الاولیٰ لھم ویردونہ علی اربابہ ان عرفوھم والا یتصدقوا بہ لان سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد۔
(البحر الرائق ج۸ ص۲۰۱ فصل فی البیع کتاب الکراھیۃ)

ومثلہ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۳۳ کتاب الکراھیۃ۔

کم قیمت اشیاء مجبوراً مہنگے داموں خریدنا پڑتی ہیں جس سے ملک کی معیشت متاثر ہو سکتی ہے۔ تو اس صورتِ حال میں حکومت معاشیات اور اقتصادیات کے ماہرین سمجھدار لوگوں اور تاجروں کے مشورے سے اشیاءِ ضروریہ کی قیمتوں کا تعین کر کے زائد قیمت وصول کرنے پر پابندی لگا سکتی ہے تاکہ عوام الناس پریشان نہ ہوں اور ملک کا سرمایہ دار طبقہ غریب لوگوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولا یسعر حاکم الا اذا تعدی الارباب عن القیمة تعدیاً فاحشاً بمشورة اھل الرای۔ (تنویر الابصار علی صدر الدر المختار ج۶ کتاب الکراھیة فصل فی البیع)[1]

ڈالڈا گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا

سوال:- اگر ڈالڈا گھی میں اس طرح صفائی پیدا کر دی جائے کہ وہ بالکل دیسی گھی کی طرح نظر آتا ہو تو کیا اس کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اصل میں دیسی اور ڈالڈا گھی کی قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے؟

الجواب:- بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی سے ایسے گھی کو دیسی گھی کی قیمت پر فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر ڈالڈا گھی کو دھوکہ اور فریب سے دیسی گھی ظاہر کر کے فروخت کیا جائے تو یہ تدلیس اور تلبیس کے مترادف ہو کر ناجائز رہے گا۔

لما جاء فی الحدیث: عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر۔

(صحیح مسلم ج۲ ص۲ کتاب البیوع باب بطلان بیع الحصاة)[2]

---

[1] قال العلامة عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس لما بینا الا ان یتعدی ارباب الطعام تعدیا فاحشا فی القیمة فلا بأس بذلک بمشورة اھل الخبرة به لأن فیه صیانة حقوق المسلمین عن الضیاع۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۴ ص۱۶۱ کتاب الکراھیة، فصل فی الاحتکار)

[2] وفی الھندیة: رجل اراد ان یبیع السلعة المعیبة وھو یعلم یجب ان یبینھا۔ (الفتاوی الھندیة ج۳ ص۲۱۰ الباب العشرون فی البیاعات المکروھة والارباح الفاسدة)

ومثلہ فی رد المحتار ج۵ ص۱۰۱ مطلب احکام نقصان المبیع فاسداً۔

زیادہ منافع کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنا

سوال:۔ گندم یا شکر کی ضرورت کے باوجود ایک شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کر لیتا ہے تاکہ مناسب وقت پر فروخت کرکے زیادہ منافع حاصل کیا جا سکے، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تنگی اور عسرت کے دنوں میں غلہ خرید کر مصنوعی گرانی پیدا کرنے کے لیے ذخیرہ کرنا احتکار ہے جو شرعاً حرام ہے، تاہم اگر عوام الناس کی ضروریات کھلی منڈی میں آسانی سے پوری ہوتی ہوں تو پھر کسی چیز کو زیادہ منافع کی خاطر سٹور کرنا جائز ہے۔[1]

لما ورد فی الحدیث: عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ (ابن ماجہ باب الحکرۃ)

پنشن کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال:۔ آجکل ملازمت کے اختتام پر ریٹائرمنٹ پر سرکاری ملازمین کو حکومت کی طرف سے پنشن کے نام پر کچھ وظیفہ دیا جاتا ہے، اس وظیفے کا کچھ حصہ دوران ملازمت ملازم کی تنخواہ سے کاٹا جاتا ہے اور کچھ گورنمنٹ اپنی طرف سے ملاتی ہے، اس طرح یہ وظیفہ ریٹائر ہونے والے کو حکومت سے رفتہ رفتہ ملتا رہتا ہے، تو اگر اس وظیفہ کو فروخت کرکے یکمشت رقم لے لی جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ وظیفہ درحقیقت دوران ملازمت محنت اور خدمت کے صلہ میں بطور اعزاز و اکرام کے ملازمت سے ریٹائر ہونے والے کو حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے جس میں بعض حصہ عطیہ سلطانی اور بعض اپنی محنت کا حصہ ہوتا ہے، اس کی فروخت کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک تو گورنمنٹ کو فروخت کرنا ہے اور دوسری یہ کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا ہے، تو حکومت کے علاوہ کسی اور پر فروخت کرنا چند خرابیوں کی وجہ سے مشروع نہیں کیونکہ اس میں اس رقم کو فروخت کیا جاتا ہے جو کہ ابھی اس کے قبضے میں آئی ہی نہیں اس لئے

---

[1] قال العلامۃ برہان الدین مرغینانیؒ: ویکرہ الاحتکار فی اقوات الآدمیین والبہائم اذا کان ذلک فی بلد یضر الاحتکار باہلہ وکذلک التلقی فاما اذا کان لا یضر فلا بأس بہ۔ (الھدایۃ ج۴ ص[illegible] کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۹ کتاب الاستحسان۔

بغیر قیمت طے کی ہوئی بیع وشراء کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بغیر قیمت طے کئے مٹی کی کچھ گاڑیاں کسی پر فروخت کر دیں اور یہ کہا کہ ان کا سائز عام گاڑی سے زیادہ ہے، لیکن چار مہینے کے بعد خریدار نے لینے سے انکار کر دیا، شریعت کی رو سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بیع وشراء کرتے وقت قیمت مقرر کرنا ضروری ہے، قیمت کا تعین کئے بغیر معاملہ فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا مذکورہ معاملہ بھی اسی نوعیت کا ہے اس لیے یہ بیع فاسد ہے، دونوں کو چاہیئے کہ اس معاملے کو دوبارہ طے کریں۔

کما فی السنن الکبریٰ مع الجوهر النقی ج ۶ ص ۲۲ تحت لا یجوز السلف حتی یکون بثمن معلوم الاسلم[1]

قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا ضروری ہے

سوال:۔ ایک آدمی اپنے جملہ مال کو یکمشت فروخت کرنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا آدمی وہ مال ادھا لینے کا خواہشمند ہے اور مشتری بائع سے بات بھی کرجاتا ہے مگر بائع اس پر راضی نہیں تو کیا اس سے بیع تام ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ مشتری بائع کے ایجاب کے مطابق جواب دے یعنی بائع جتنا مال فروخت کرنا چاہتا ہو اتنے مال کے مطابق جواب دے، اگر مشتری بائع کے ایجاب سے زیادہ یا کم لینا چاہتا ہو تو وہ بائع کی رضامندی پر موقوف ہے، اگر وہ اجازت دے تو ٹھیک ورنہ بیع تام نہیں ہوگی۔

لما فی مجلۃ الاحکام: اذا اوجب احد العاقدین بیع شئ بشئ یلزم لصحۃ العقد قبول العاقد الآخر علی الوجہ المطابق للایجاب ولیس لہ تبعیض الثمن او المثمن وتفریقہا (شرح المجلۃ الاحکام لرستم باز ص ۳۴ المادۃ ۱۷۷ الفصل الثانی فی بیان لزوم موافقۃ القبول والایجاب)

---

[1] قال ابن الہمام رحمہ اللہ: لقولہ علیہ السلام فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۲۶۲ باب السلم)

وکذلک فی الہدایۃ ج ۳ ص ۵ کتاب البیوع۔

باب مایجوز بیعہ وما لا یجوز

(جائز اور ناجائز بیع کے مسائل و احکام)

شراب کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ اسلام میں شراب کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اسلام میں شراب قطعی ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ اس عمل کو شیطانی عمل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ۔ (سورۃ مائدہ آیت ۹۰) اس لیے شراب کی خرید و فروخت حرام بلکہ بیع باطل ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

وفی الھندیۃ: وانما یبطل ما لم یکن مجلہ مالاً متقوماً کما لو اشتری خمراً او خنزیراً وضدہ احرم۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۳ ص۳ کتاب البیوع، الباب الحادی عشر فی احکام البیع غیر الجائز)۔[1]

شراب کی آمدنی کے عوض اشیاء فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کپڑے کا کاروبار کرتا ہے اگر اس کو کسی گاہک کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ شراب کی آمدنی کے عوض کپڑا خریدنا چاہتا ہے تو کیا اس گاہک پر کپڑا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمان کے لیے شراب فروشی کو ذریعۂ معاش بنانا حرام اور ناجائز ہے اور یہی اس آمدنی کے عوض دیگر اشیاء فروخت کرنا جائز ہے کیونکہ شراب کی فروخت کے عوض آیا ہوا مال، مال غیر ہے مسلمان اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔

لما جاء فی الحدیث: ابو حنیفۃ عن محمد بن قیس الہمدانی عن ابی عامر الثقفی انہ

---

[1] قال العلامۃ طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: الباطل ما لا یعوض بحال وبیعہ صورتہا بیع المیتۃ والدم والخمر والخنزیر۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۳ ص۱۰۰ کتاب البیوع، الفصل الرابع فی البیع الفاسد واحکامہ) ومثلہ فی الھدایۃ ج۳ ص۵۳ کتاب البیوع باب البیع الفاسد۔

نہ ہو۔ اس بنا پر جن ادویات اور دیگر اشیاء میں یقینا یا ظن غالب سے معلوم ہو کہ ان میں شراب کی آمیزش ہے اور علاج کسی متبادل دوائی سے ممکن ہو تو ان کی خرید و فروخت اور استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما روی فی الحدیث : فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یا ابا عامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم الخمر فلا حاجۃ لنا فی خمرک قال خذھا فبعھا فاستعن بثمنہا علی حاجتک فقال یا ابا عامر ان اللہ تعالیٰ قد حرم شربہا وبیعہا واکل ثمنہا۔ (المسند للامام الاعظم ص۲۲۲ کتاب البیوع) [1]

الکحل ملی ادویات کی تجارت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ الکحل ملی ہوئی ادویات کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ادویات میں ملایا گیا الکحل انگور اور کھجور کے علاوہ دوسری اشیاء سے کشید کیا گیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس دوا کا استعمال ضرورتاً جائز ہے بشرطیکہ مسکر حد تک نہ پہنچا ہو اور علاج کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے شیخینؒ کے مسلک پر عمل کرنا مرخص ہوگا، تاہم اگر الکحل انگور یا کھجور سے حاصل کیا گیا ہو تو ان دواؤں کا استعمال شدید ضرورت اور اضطرار کے علاوہ جائز نہیں۔ البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ الکحل دواؤں میں ملانے کے بعد اس کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں اس کی حقیقت ختم ہو کر ان ادویات کا استعمال بالاتفاق جائز ہوگا لیکن یہ مسئلہ ماہرین فن طب کی مدد سے ہی حل ہو سکتا ہے۔

لما قال العلامۃ المفتی تقی عثمانی : وبہذا یتبین حکم الکحول المسکرۃ التی عمت بہا البلوی الیوم فانہا تستعمل فی کثیر من الادویۃ والعطور والمرکبات الاخری فانہا ان اتخذت من العنب او التمر فلا سبیل الی حلتہا او طہارتہا وان اتخذت من غیرہما فالامر فیہا سہل علی مذہب ابی حنیفۃؒ ولا یحرم استعمالہا للتداوی او لاغراض مباحۃ اخری ما لم تبلغ حد الاسکار لانہا انما تستعمل مرکبۃ مع المواد الاخری ولا یحکم بنجاستہا اخذا بقول ابی حنیفۃؒ۔ وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویۃ والعطور وغیرہا لا تتخذ من العنب او التمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیرہ۔ (تکملۃ فتح الملہم ج۳ ص۶۰۸ کتاب الاشربۃ) ۲۲۶

---

[1] قال محمد بن الحسن الشیبانیؒ : محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ قال الخمر حرام قلیلہا وکثیرہا۔ (الجامع الصغیر ص۴۹۸ کتاب الاشربۃ)

منشیات کی خرید و فروخت

سوال: افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ کی تجارت کا شریعت مقدسہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب: افیون، چرس، بھنگ اور ہیروئن نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ہیں لہٰذا حرام شے کی قیمت اور گناہ پر اعانت کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ان اشیاء سے انسان کی دینی اور دنیوی بربادی لازم آتی ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: وصح بيع غير الخمر مما مر ومفاده صحة بيع الحشيشة والافيون قلت وقد سئل عن بيع الحشيشة هل يجوز فكتب لا يجوز فيحمل على ان مراده بعدم الجواز عدم الحل قاله المصنف۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۵ ص۲۹۴ كتاب الاشربة)

تمباکو کی خرید و فروخت

سوال: جناب مفتی صاحب! تمباکو کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: تمباکو کا استعمال از روئے شرع ممنوع نہیں لہٰذا استعمال کے مباح ہونے کی بناء پر اس کی خرید و فروخت میں بھی کوئی قباحت نہیں جبکہ آجکل تمباکو فروشی ایک بہت بڑا ذریعہ معاش بن گیا ہے، غربت اور تنگی کے اس دور میں اس کا کاروبار کرنے میں کوئی شرعی جرم نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وبالجملة ان ثبت في هذا الدخان اضرار صرف خال من المنافع فيجوز الافتاء بتحريمه ان لم يثبت انتفاعه فالاصل حله مع ان في الافتاء بحله دفع الحرج عن المسلمين فان اكثرهم مبتلون بتناوله مع ان تحليله ايسر من تحريمه وما خيّر رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين الا اختار ايسرهما [illegible]

لما قال العلامة ابو بكر الحدادي: ولا يجوز اكل البنج والحشيشة والافيون وذلك كله حرام۔ (الجوهرة النيرة ج۲ ص۲۷۵ كتاب الاشربة)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۱۵ كتاب الاشربة۔

لما قال العلامة ابو الحسنات عبد الحي اللكنوي في رسالة ترويح الجنان في تشريح حكم شرب الدخان: واما بيعها وشراءها فيجوز لامكان الانتفاع بها۔ (مجموعة الفتاوى ج۲ ص۱۳۴ كتاب البيع)

ومثله في رد المحتار ج۵ ص۲۹۵ كتاب الاشربة۔

ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ وغیرہ کی خرید و فروخت

سوال: تلاوتِ قرآن مجید و تقریر، پروگرام اور خبریں وغیرہ سننے کی غرض سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا استعمال جائز امور میں ممکن ہے اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، تاہم یہ چیزیں کسی ایسے شخص کو دینا جس سے کسی خیر کی توقع نہ ہو بلکہ محض بے دینی کے امور میں استعمال کا یقین ہو تو تعاون علی المعصیت کے شبہ سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: قلت وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتنزيهاً (نهر) وعبارته وعرف بهذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح. (رد المحتار ج۴ ص۲۶۸ باب البغاة) الخ[1]

آلاتِ موسیقی کی خرید و فروخت

سوال: باجا، ستار اور دیگر آلاتِ موسیقی کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موسیقی چونکہ اسلام میں ناجائز اور حرام ہے اس لیے وہ آلات جو محض موسیقی کے لیے استعمال ہوتے ہوں اور بغیر کسی تغیر و تبدیلی کے ان سے موسیقی کا کام لیا جاتا ہو تو آلاتِ معاصی ہونے کی وجہ سے ان کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے جواز کی گنجائش نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ويكره تحريماً بيع السلاح من أهل الفتنة لأنه إعانة على المعصية ... قلت وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتنزيهاً ونظيره كراهة بيع المعازف لأن المعصية تقام بها. (رد المحتار ج۴ ص۲۶۸ كتاب السير)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيم: إن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه وما لا فلا ولذا قال الشارح إنه لا يكره بيع الجارية المغنية والكبش النطوح. (البحر الرائق ج۵ ص۱۴۲ باب البغاة)

ومثله في تنقيح الفتاوى الحامدية ج۲ ص۱۵۳ كتاب الإجارة۔

[2] قال العلامة ابن نجيم: ونظيره بيع المزامير يكره هنا لأن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه وإلا فلا. (البحر الرائق ج۵ ص۱۴۲ [illegible] باب البغاة)

ومثله في تنقيح الفتاوى الحامدية ج۲ ص۱۵۳ كتاب الإجارة۔

گمراہ کن کتابوں کی تجارت کرنا

السوال: آجکل بعض لوگ بے دینی، فحش گوئی، فرضی ناول، شرک وبدعات اور دیگر جرائم پیشہ لوگوں کے حالات اور سوانح پر مشتمل کتابوں کی تجارت کرتے ہیں، کیا یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو شرک وبدعت، فحش ناول اور فحاشی پھیلانے والی کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دین سے دوری اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں، لہٰذا ایسی کتابوں کے مطالعہ اور تجارت سے اجتناب ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہی تاجر لادینیت کا ذریعہ اور معاون بن جاویں، تاہم راسخ العلم علماء کے لیے جواب دہی کی نیت سے ایسی کتابوں کے مطالعہ کی گنجائش ہے تاکہ لوگوں کو ان کے مطالعہ سے منع کریں۔

لما قال العلامة محمود آلوسیؒ: واستدل بعضهم على القول بان لهو الحديث الكتب التي اشتراها النضر بن الحارث على حرمة مطالعة التواريخ الفرس القديمة وسماع ما فيها وقراءته وفيه بحث ولا يخفى ان فيها من تلك الكتب ما فيها فالاشتغال بها لغير غرض ديني خوض في الباطل۔ (روح المعانی ج۲۱ ص۶۹ سورة لقمان)[1]

تعویذات کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

السوال: بعض لوگ تعویذات کی خرید وفروخت کا دھندا اپنائے ہوئے ہیں اور لوگوں سے تعویذات کے پیسے وصول کرتے ہیں، کیا تعویذات کے عوض پیسے لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تعویذ چونکہ علاج ومعالجہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس بناء پر جائز معاملات میں مشروع تعویذ کے عوض پیسے لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ تاہم تعویذ فروشی کو اپنا ذریعہ معاش بنانا مناسب نہیں۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن ابی سعید الخدری ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتوا على حي من احياء العرب فلم يقروهم فبينما هم كذلك اذ لدغ

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الحنفیؒ: واذا اصاب المسلمون الغنائم وكان فيها اصناف المصحف فيه شيء من كتب اليهود والنصارى ..... فانه لا ينبغي للامام ان يقسم ذلك في غنائم المسلمين مخافة ان يقع في سهم رجل من المسلمين ..... وبيعه من المشركين مكروه۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۵ ص۳۱۳ كتاب السير مسائل قسمة الغنائم)

حیٍّ من أحیاء العرب فلم یقروهم فبینما هم کذلک إذ لُدغ سید أولئک فقالوا هل معکم من دواء أو راقٍ فقالوا إنکم لم تقرونا ولا نفعل حتی تجعلوا لنا جُعلاً فجعلوا لهم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بأم القرآن ویجمع بزاقه ویتفل فبرأ فأتوا بالشاء فقالوا لا نأخذه حتی نسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألوه فضحک وقال وما أدراک أنها رقیة خذوها واضربوا لی بسهم۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۴ باب الرقی بفاتحة الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) [1]

اخبارات کی خرید و فروخت

سوال:- اخبارات میں اکثر تصاویر ہوتی ہیں نیز ایسی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا، کیا ایسے اخبارات کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اخبارات کی خرید و فروخت کا بنیادی مقصد ملکی اور غیر ملکی حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کرنا ہوتا ہے، باقی رہا تصاویر کا مسئلہ تو اس کا گناہ بنانے والے پہ [illegible] میں رہے گا۔ البتہ اگر اخبارات و رسائل وغیرہ شائع کرنے کا مقصد صرف فحاشی اور عریانی کو فروغ دینا ہو اور اس سے متاثر ہو کر افراد کی عادات اور اخلاق متاثر ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کی خرید و فروخت سے اجتناب ضروری ہوگا۔

لما قال علی بن سلطان القاری رحمه اللہ: قال أصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم ...... وأما اتخاذ المصور بحیوان فإن کان معلقاً علی حائط سواء کان له ظل أم لا أو ثوباً ملبوساً أو عمامة أو نحو ذلک فهو حرام وأما الوسادة ونحوها مما

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه اللہ: ولا بأس بالمعاذات إذا کتب فیها القرآن ...... ثم فی الاستشفاء بالقرآن بأن یقرأ علی المریض والملدوغ الفاتحة أو یکتب فی ورق ویعلق علیه أو فی طست ویغسل ویسقی وعن النبی علیه السلام أنه کان یعوذ نفسه قال رضی اللہ عنه وعلی الجواز عمل الناس الیوم وبه وردت الآثار۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ فصل فی اللبس)

ومثله فی شرح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۲۲۴ باب جواز اخذ الاجرة علی الرقیة۔

جائز رہے گی۔

مندرجہ بالا دو صورتوں کے علاوہ قبل القبض مال فروخت کرنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: رجل اشترى عبداً و لم يقبضه فامره ان يهبه من فلان ففعل البائع ذلك ودفعه الى الموهوب له جازت الهبة و صار المشتري قابضاً و كذا لو امر البائع ان يؤاجره فلاناً معيناً او غير معين ففعل جاز وصار المستاجر قابضاً للمشتري اولاً ثم يصير قابضاً لنفسه والاجر الذي ياخذه البائع من المستاجر يحسبه من الثمن ان كان من جنسه (البحر الرائق ج۶ ص۱۱۲ باب المرابحة والتولية) ؎

سٹے کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال: سٹے کی خرید و فروخت از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جائز فائدے اور نفع کے لیے کتے کی خرید و فروخت کی اجازت دی ہے مثلاً شکار یا چوکیداری یا فصل وغیرہ کی حفاظت کی خاطر کتا خریدنا اور فروخت کرنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال النبي صلى الله عليه وسلم: ابو حنيفة عن الهيثم عن عكرمة عن ابن عباس قال رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثمن كلب الصيد۔

(مسند الامام الاعظم ص۱۱۲ باب الرخصة في ثمن كلب الصيد) ؎

؎ لما قال في الهندية: اذا قال المشتري للبائع ابعثه الى ابني واستاجر البائع رجلاً يحمله الى ابنه فهذا ليس بقبض والاجر على البائع الا ان يقول استاجر على من يحمله فيقبض الاجير يكون قبض المشتري ان صدقه انه استاجر ودفع اليه وان انكر استئجاره و لدفع اليه فالقول قوله كذا في التاتارخانية۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۹ باب الرابع في حبس المبيع بالثمن)

ومثله في رد المحتار ج۴ ص۱۶۹ مطلب في تصرف البائع في المبيع قبل القبض۔

؎ قال علي بن ابي بكر المرغيناني ويجوز بيع الكلب...... ولانه ينتفع به حراسة واصطياداً فكان مالاً فيجوز بيعه۔ (الهداية ج۳ ص۱۰۳ مسائل منثورة كتاب البيوع)

ومثله في رد المحتار ج۵ ص۲۲۶ باب المتفرقات كتاب البيوع۔

پرندوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: بعض لوگ پرندوں کو پکڑ کر فروخت کرتے ہیں، مثلاً چیل، باز، تیتر، بٹیر وغیرہ پرندوں کو پکڑ کر خوب نفع کماتے ہیں، تو کیا از روئے شریعت یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے پرندوں کے شکار اور پکڑنے کو جائز قرار دیا ہے اور ان کی خرید و فروخت کی بھی اجازت دی ہے، اس معاملہ میں فریقین کی رضامندی سے جو بھی قیمت متعین کی جائے شرعاً مرخص ہوگی، تاہم آپس میں لڑانے کے لیے خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وصح بيع الكلب...... وكذا الطيور الجوارح كالفهد والبازي يقبل التعليم فيجوز بيعها على كل حال۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۲۶ باب المتفرقات، کتاب البیوع)

خنزیر کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا اسلام میں خنزیر کی خرید و فروخت کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام نے چونکہ خنزیر کو نجس العین اور حرام قرار دیا ہے اور خنزیر سے ہر قسم کے انتفاع اور اس کی خرید و فروخت کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، اس لیے کسی مسلمان کیلئے سوائے اضطرار کے خنزیر کو کسی قسم کا استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ شرعاً خنزیر جب عقد میں خواہ مبیع ہو یا ثمن ہو تو عقد باطل ہے، لہٰذا خنزیر کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ تاہم جب اسلامی ملک میں کوئی ذمی رہائش پذیر ہو تو ان کو آپس میں اس کی خرید و فروخت کی گنجائش موجود ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: وإن كان أحد العوضين أو كلاهما محرماً فالبيع فاسد كالبيع بالميتة والدم والخمر والخنزير۔ (الهداية ج۳ ص۴۳ باب البيع الفاسد)

ثم قال في الهندية: ويجوز بيع السمور والسنجاب والوحش والطيور جائز معلماً كان أو لم يكن، كذا في فتاوى قاضيخان۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۱۴ الفصل الخامس في بيع الحيوانات)

ومثله في [illegible] ج۳ ص[illegible] كتاب البيوع۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد: ولو باع الخمر والخنزير كان باطلاً بائعهما مسلم ومسلم۔ (خلاصة الفتاوى ج۳ ص۳ كتاب البيوع الباب الرابع في البيع الفاسد وأحكامه)

ومثله في الهندية ج۳ ص۱۰۱ كتاب البيوع الباب العاشر في أحكام البيع الغير الجائز۔

مردار جانور کی کھال رنگنے کے بعد فروخت کرنا

سوال: مرے ہوئے غیر مذبوح جانور کی کھال نکال کر باقاعدہ طور پر رنگنے کے بعد فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے غیر مذبوح جانور سے انتفاع ممنوع قرار دیا ہے لیکن اس کی کھال کو باقاعدہ رنگنے یا خشک کرنے کے بعد فروخت کرنا جائز قرار دیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عبد اللہ بن عباسؓ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ فقال هلا استمتعتم باهابها قالوا انها میتة قال انما حرم اکلها۔

(رواہ البخاری ج۱ ص۲۹۶ باب جلود المیتة قبل ان تدبغ) ؎۱

مردار جانور کی ہڈیاں فروخت کرنا

سوال: مردار جانور جس کے کھانے سے شریعت نے منع فرمایا ہے تو کیا ان کی ہڈیوں کو جمع کر کے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں جبکہ اس جانور کو باقاعدہ طور پر ذبح نہیں کیا گیا ہو؟

الجواب: خنزیر کے علاوہ دیگر مردار جانوروں کی کھال رنگنے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں لیکن ہڈی، بال اور اون کی خرید و فروخت شرعاً مرخص ہے کیونکہ کسی جانور کی موت کی وجہ سے ان کی یہ اشیاء ناپاک نہیں ہوتیں۔ لہٰذا اگر جانور باقاعدہ مذبوح نہ بھی ہو تو اس کی ہڈی بال اور اون کی فروخت جائز اور مرخص ہے۔

لما قال المرغینانیؒ: ولا بأس ببیع عظام المیتة وعصبها وصوفها وقرنها وشعرها ووبرها والانتفاع بذلک کله لانها طاهرة لا یحلها الموت لعدم الحیاة۔ (الهدایة ج۳ ص۵۶ باب البیع الفاسد) ؎۲

؎۱ قال العلامة الزیلعیؒ: وجلد المیتة قبل ان تدبغ یعنی لا یجوز بیعه وبعده یباع وینتفع به ...... یعنی بعد الدباغ یجوز بیعه۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۴۹ باب البیع الفاسد)
ومثله فی الهندیة ج۳ ص۱۱۴ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد۔

؎۲ قال العلامة الزیلعیؒ: وجلد المیتة قبل الدباغ وبعده یباع وینتفع به وعظم المیتة وعصبها وصوفها وقرنها ووبرها یعنی بعد الدباغ یجوز بیعه کما یجوز بیع عظم المیتة۔
(تبیین الحقائق ج۴ ص۵۱ باب البیع الفاسد)
ومثله فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۲ ص۱۲۲ کتاب البیع فصل فی البیع الباطل۔

گندگی کھانے والے جانوروں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ بعض جانور مثلاً مرغی اور بکری وغیرہ گندگی اور بدبودار اشیاء کھانے کے عادی ہوتے ہیں۔ اگر ایسی اشیاء کھانے کی وجہ سے ان سے بدبو محسوس ہوتی ہو تو ایسی حالت میں ان کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مذکورہ جانور گندگی کھانے کی وجہ سے بدبودار ہو گئے ہوں تو ایسی صورت میں ان کا کھانا اور خرید وفروخت مکروہ ہے تاہم اگر ان کو گندگی کھانے سے روک لیا جائے اور بدبو زائل ہونے تک بند رکھا جائے تو پھر ان کے کھانے اور خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں۔

لہ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: الجلالة التي تأكل العذرة فكره لحمها وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها وفي المنتقى الجلالة المكروهة التي اذا قربت وجدت منها رائحة فلا تؤكل ولا يشرب لبنها ولا يعمل عليها وتلك حالها ويكره بيعها وهبتها وتلك حالها۔ (رد المحتار ج۶ ص[illegible] كتاب الحظر والاباحة بحثه)

ریچھ کو ذبح کرکے روغن نکال کر فروخت کرنا

سوال:۔ ریچھ کو شرعی طریقے سے ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے روغن اور تیل نکالا جاتا ہے تاکہ جانوروں کو کھلا کر ان کی قوت بڑھائی جا سکے، تو کیا اس طریقے سے روغن نکال کر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ باقاعدہ ذبح شرعی سے حرام جانور کا گوشت اور کھال وغیرہ پاک ہو جاتے ہیں اس بناء پر اس کے گوشت وغیرہ سے روغن یا تیل نکال کر انسانوں کی خوراک کے علاوہ مویشیوں اور دیگر ضروریات کے لیے استعمال کرنا جائز ہے لہٰذا اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے

لہ قال في الهندية: واما حكمها فطهارة المذبوح وحل اكله من المأكول

لہ قال ابن نجيم: ولا تؤكل الجلالة ولا يشرب لبنها لانه عليه السلام نهى عن اكلها وشرب لبنها والجلالة التي تعتاد اكل الجيف ولا تخلط فيكون لحمها منتنا ولو حبست حتى يزول النتن حلت۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۲ فصل في الاكل والشرب)

ومثله في الهندية ج۶ ص[illegible] الفصل الثاني عشر في الاجارات والمزارعات۔

وطهارة غير المأكول للانتفاع لا بجهة الاكل كذا في محيط السرخسي۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۰۳ كتاب الكراهية، الباب ۔۔ في التفرقة)

قبل الدباغ مردار جانور کی کھال کی فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں مردار جانوروں کی کھال اتار کر رنگنے سے قبل ہی فروخت کر دی جاتی ہے، کیا ایسی کھال کا استعمال و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مردار جانور کے اجزاء سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا شرعاً ممنوع ہے، البتہ اس کی کھال اتار کر دباغت (رنگنے) سے قبل فروخت کرنا ناجائز اور حرام ہے، تاہم کھال کو باقاعدہ دباغت کے بعد استعمال کرنے اور فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابو بكر المرغيناني: ولا بيع جلود الميتة قبل ان تدبغ لانه غير منتفع به ولا بأس ببيعها والانتفاع بها بعد الدباغ۔ (الهداية ج۳ ص۴۴ باب البيع الفاسد) [1]

جاندار اشیاء کے مجسموں کی خرید و فروخت

سوال:۔ اگر کھلونوں کو گڑیا، بچے، گھوڑا اور دیگر جانوروں اور پرندوں کی شکل پہ بنایا جائے تو کیا ایسے کھلونوں کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بلا ضرورت تصویر کشی از روئے شریعت ممنوع عمل ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جانوروں اور پرندوں کی شکل والے کھلونوں کی خرید و فروخت سے اجتناب کرے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک موقع پر اس سے منع کرتے ہوئے یوں فرمایا۔

لما ورد فی الحدیث: فقال ابن عباسؓ لا احدثك الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعيؒ: فيجوز بيعه والانتفاع وشعرها وجلودها بعد الذكاة، جلود الميتة بعد الدباغ حتى يجوز بيعها والانتفاع بها في غير الاكل لطهارتها بالدباغة۔

(تبيين الحقائق ج۴ ص۴۶ باب البيع الفاسد)

ومثله في الهداية ج۴ ص۴۴۲ كتاب الاضحية۔

[2] قال ابن نجيم رحمه الله: (وجلد الميتة قبل الدبغ) اي لم يجز بيعه لانه غير منتفع به۔ (البحر الرائق ج۶ ص۸۰ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)

ومثله في الهندية ج۳ ص۱۱۵ كتاب البيوع، الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد...

یقول سمعت محمدا یقول من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہا الروح ولیس بنافخ فیہا ابدا فربا الرجل ربوۃ شدیدۃ واصفر وجہہ فقال ویحک ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بہذا الشجر کل شیء لیس فیہ روح۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۶ باب بیع التصاویر التی لیس فیہا روح وما یکرہ من ذلک)[1]

مرغیوں کو وزن کرکے فروخت کرنا

سوال:۔ زندہ مرغیوں کو تول کر وزن کرکے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں!

الجواب:۔ جاندار اشیاء عددی متفاوت ہونے کی وجہ سے وزناً یا پیمانے کے ذریعے فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ سانس لینے کی وجہ سے ان کے وزن میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ مفضی الی المنازعہ ہے البتہ دور حاضر میں لوگ اس معمولی گھٹنے بڑھنے کو کوئی وقعت نہیں دیتے تو نزاع نہ ہونے کی صورت میں ایسی بیع جائز ہونی چاہیے کیونکہ احکام عادات پر مبنی ہیں جبکہ ایام ماضیہ میں عادت کی وجہ سے ایسی بیع کے عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

لما قال المرغینانیؒ: لان الحیوان لا یوزن عادۃً ولا یمکن معرفۃ ثقلہ بالوزن لانہ یخفف نفسہ مرۃ ویثقل اخری۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۶۶ کتاب البیوع۔ باب الربوا)[2]

آزاد عورت کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہن یا بیٹی کی شادی کے وقت والد یا سرپرست مہر کے نام سے بہت سی رقم وصول کرکے خود استعمال کرتے ہیں جبکہ اس میں سے تھوڑا بہت جہیز میں بھی لگاتے ہیں، کیا اس طریقہ سے لیے ہوئے مال کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مہر میں مبادلہ بہتر نہیں بلکہ

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: واذا ثبت کراہیۃ لبسہا للتختم ثبت کراہیۃ بیعہا وصنعہا لما فیہ من الاعانۃ علی ما لا یجوز وکل ما ادی الی ما لا یجوز لا یجوز۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۲ فصل فی اللبس)

ومثلہ فی عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۹ باب بیع التصاویر الخ

[2] قال ابن ہمامؒ: وانما قلنا ان الحیوان لیس بموزون لانہ لا یوزن عادۃ فلیس فیہ حد للمقدر الشرعی من الوزن والکیل۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۷ باب الربا۔ کتاب البیوع)

ومثلہ فی العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۷ باب الربا۔

متوسط درجہ کا ہونا چاہیئے اور جس کے حق میں رکھا جائے تو وہ اسی کا حق ہوگا اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو اس کے استعمال کا حق نہیں ۔ اور بعض علاقوں کا مذکورہ رواج آزاد عورت کی خرید و فروخت کے مترادف ہے جبکہ ظاہری طور پر اسے مہر کا نام دیا جاتا ہے لہٰذا ناجائز و حرام ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وبطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتة والحر
(تنویر الابصار مع الدر المختار ج ۵ ص ۵۸ باب البیع الفاسد)[1]

خون کے جل کر راکھ ہو جانے پر اسکی تجارت کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل اکثر بڑے شہروں بلکہ بعض دیہاتوں میں بھی جانوروں کے خون کی تجارت عام ہے کہ مذبح خانوں سے خون جمع کر کے جلا لیا جاتا ہے اور اس کی راکھ کو فارمی مرغیوں کی خوراک تیار کرنے والی فیکٹریوں پر فروخت کر دیا جاتا ہے کیا اس طرح جانوروں کے خون کی تجارت کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- کسی جانور کا خون اگرچہ مال متقوم نہیں کہ اس کو فروخت کیا جائے لیکن بسا اوقات عرف کی وجہ سے ضرورت کے تحت ایک غیر مال بھی مال بن جاتا ہے اور فقہاء اسلام نے اس کی بیع کو جائز قرار دیا ہے مثلاً گوبر وغیرہ۔ تو صورت مسئولہ کے مطابق آجکل جانوروں کے خون سے چونکہ فارمی مرغیوں کی خوراک بنتی ہے اور ضرورت کے تحت عموماً اس کا کاروبار ہوتا ہے اسلئے بناء بر عرف اس کو مال سمجھا جائے گا۔ اور مذکورہ صورت میں تو وہ خون خون ہی نہیں رہتا بلکہ جل کر راکھ بن جاتا ہے اس لیے جلے ہوئے خون کی تجارت بلاشک و شبہ جائز ہے۔

لما قال المفتی محمد تقی عثمانی: یہ جو بیان کیا گیا ہے ... ان اقوال کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں خون کی منفعت بھی عرفاً ہو جائے تو اسکی بیع و شراء صحیح ہے اور خون کی راکھ تو پاک ہے اس کی بیع صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (نوادر الاحکام جلد ص ۳۵۴، ۳۵۵ کتاب البیوع)

خون کی خرید و فروخت کے احکام

سوال :- خون کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- خون چونکہ مال متقوم نہیں اسلئے شرعاً اس کی

---

[1] قال علی بن ابی بکر المرغینانی: واذا کان احد العوضین او کلاهما محرماً فالبیع فاسد کالبیع بالمیتة والدم ... او کان غیر متقوم کالحر۔ (الهدایة ج ۳ ص ۴۲ کتاب البیوع باب البیع الفاسد)
ومثله فی مجلة الاحکام العدلیة ص ۲۱ الفصل الثانی فیما یجوز بیعه وما لا یجوز

خرید و فروخت جائز نہیں، تاہم اگر کسی مریض کے لیے شدید ضرورت کے وقت بلا قیمت خون نہ ملتا ہو تو قیمت دے کر اس کے لیے خون خریدنا تداوی بالمحرم کی وجہ سے مرخص ہوگا لیکن خون بیچنے والے کیلئے قیمت لینا جائز نہیں تاکہ خون متاعِ بازار نہ بن جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: بطل بیع ما لیس بمال ای لیس بمال فی سائر الادیان کالدم۔ (رد المحتار ج۴ ص۱۰۵ مطلب البیع الموقوف من قسم الصحیح) ؎۱

انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض حالات میں کسی مریض کو آنکھ، گردہ یا اور کسی انسانی عضو کی ضرورت ہوتی ہے، تو کیا ان اعضاء کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انسان کو مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ نے مکرم اور مشرف پیدا فرمایا ہے، اسی تکریم اور شرافت کے پیش نظر انسانی اعضاء کی خرید و فروخت جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں انسانی اعضاء متاعِ بازار بن کر ان کی عظمت متاثر ہو کر اہانت لازم آئے گی، تاہم بامرِ مجبوری [illegible]۔

لما قال العلامة کمال الدین ابن الهمامؒ: والانتفاع به لان الآدمی مکرم غیر مبتذل فلا یجوز ان یکون شیء من اجزائه مهانا ومبتذلا وفی بیعه اهانة له وکذا فی امتهانه بالانتفاع۔ (فتح القدیر ج۵ ص۲۰۲ باب البیع الفاسد) ؎۲

جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا

سوال: جنگل سے لکڑیوں کو کاٹ کر فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جنگل اگر کسی قوم، قبیلے یا حکومت کی باقاعدہ مملوک اور ملکیت نہ ہو تو اس سے لکڑیاں وغیرہ جمع کر کے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، لیکن اگر جنگل کسی کی ملکیت ہو تو چونکہ اس میں

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لم یجز بیع المیتة والدم لانعدام المالیة التی هی رکن البیع۔ (البحر الرائق ج۶ ص۷۵ باب البیع الفاسد)

وَمِثْلُهُ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۴۴ باب البیع الفاسد۔

؎۲ قال العلامة الکاسانیؒ: والآدمی بجمیع اجزائه محترم مکرم ولیس من الکرامة والاحترام ابتذاله بالبیع والشراء۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۵ کتاب البیوع، فصل واما الذی یرجع الی المعقود... الخ)

وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج۵ ص۲۳۵ فصل فی النظر والمس، کتاب الحظر والاباحة۔

لبناء الوقف والباب لا يجوز بيعه قبل الدفع - (التاتارخانية ج۵ ص۸۴۸ كتاب الوقف ، مسائل وقف الاشجار) ۱؎

خودرو گھاس کی خرید و فروخت کرنا

سوال:- اگر کسی کی مملوکہ زمین میں خودرو گھاس ہو تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- خودرو گھاس چاہے مملوکہ زمین میں کیوں نہ ہو کاٹنے سے قبل اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، تاہم اگر خودرو گھاس کے اُگانے اور حفاظت کرنے میں مالکِ زمین کی محنت بھی شامل ہو مثلاً اس کے اردگرد خندق یا کانٹے دار تار وغیرہ سے حفاظت کرے اور اس کو پانی وغیرہ دے تو اس محنت کی وجہ سے مالکِ زمین کے لیے اس خودرو گھاس کی خرید و فروخت جائز ہوگی۔ بہتر طریقہ یہی ہے کہ گھاس کو کاٹ کر فروخت کی جائے۔

لما قال النبي صلى الله عليه وسلم: عن رجل من المهاجرين من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال غزوت مع النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا اسمعه يقول المسلمون شركاء في ثلاث الماء والكلأ والنار. (ابوداؤد ج۲ ص۱۳۹) ۲؎

اپنے مملوکہ درخت سے شہد فروخت کرنا

سوال:- اگر کسی شخص کی اپنی مملوکہ زمین میں درخت ہو اور اس میں شہد کی

۱؎ قال العلامة ابن عابدينؒ: وفي البزازية وقال الفضلي في بيع الاشجار الموقوفة مع الارض لا يجوز قبل القطع كبيع الارض. وقال ايضاً اذا لم تكن مثمرة يجوز بيعها قبل القلع ايضاً لانه غلته والثمرة لا تباع قبل القطع كبيع البناء. موقف بعينه.

(تنقيح الفتاوى الحامدية ج۱ ص۱۱۵ في مطلب بيع الاشجار الوقف)

ومثله في الهندية ج۲ ص۱۲۳ الباب الخامس في ولاية الوقف وتصرف القيم۔

۲؎ في الهندية: ولا يجوز بيع الكلأ واجارته وان كان في ارض مملوكة فيحل لصاحب ان يمنع الدخول في ارضه .... هذا اذا نبت بنفسه فاما اذا كان سقى الارض واعدها للانبات فنبت ففي الذخيرة والمحيط والنوازل يجوز بيعه لانه ملكه وهو مختار الشهيد۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۰۹ الفصل الثاني في بيع الثمر والزرع والكروم والاوراق الخ)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۷۸ باب البيع الفاسد۔

مکھیاں شہد بنالیں تو اس شہد کی فروخت کا اختیار اس مالک زمین کو ہوگا یا ہر شخص اس کو کاٹ کر فروخت کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ اپنی مملوکہ زمین میں شہد کی فروخت اور دیگر مالکانہ تصرفات کا حق صرف زمین کے مالک کو حاصل ہے، کیونکہ شہد درخت کے تابع ہو کر درخت کے حکم میں ہے۔ اس بناء پر چونکہ درخت میں تصرف کا حق صرف مالک زمین کو حاصل ہے اس لیے شہد پر اختیار بھی اسی کو حاصل ہوگا لہٰذا کسی دوسرے شخص کو اس کی فروخت وغیرہ کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: بخلاف ما اذا عسل النحل فی ارضه لانه عد من انزاله فیملکه تبعا لارضه کالشجر النابت فیه والتراب المجتمع فی ارضه بجریان الماء۔

(الهدایة ج۳ ص۱۰۸ مسائل منثورة۔ کتاب البیوع)[1]

خرید کردہ درخت کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے چند درخت خریدے، کاٹتے وقت دونوں میں کچھ تیز گفتگو ہوئی کہ درختوں کو کہاں سے کاٹا جائے، مالک زمین اوپر سے کاٹنے پر مصر ہے جبکہ مشتری جڑ سے اکھاڑنا چاہتا ہے۔ کیا از روئے شریعت اس میں کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع و شراء کے وقت اگر درختوں کا سودا بلا کسی شرط کے ہوا ہو تو مشتری کیلئے درختوں کا جڑ سے اکھاڑنا جائز ہے، لیکن اگر سودا طے کرتے وقت سطح زمین سے کاٹنے کی شرط لگائی گئی ہو تو سطح زمین سے ہی کاٹنا ہوگا اور اگر جڑ سے اکھاڑنے کی صورت میں قریبی کنوئیں یا دیوار وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر جڑ سے اکھاڑنے کی بجائے سطح زمین سے کاٹنا ہوگا۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وفیها اذا اشتری شجرة للقلع فانه یؤمر بقلعها بعروقها ولیس له حفر الارض الی انتهاء العروق بل یقلعها علی العادة الا بشرط

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله: بخلاف عسل النحل فی ارضه حیث یملکه وان لم تکن ارضه معدة لذلک من انزال الارض حتی یملکه تبعا لها کالاشجار النابتة۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۴۸ باب المتفرقات۔ کتاب البیوع) ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۲۳۵ کتاب البیوع۔

بجاری حصہ مقرر کرکے بائع کو مثلاً ہزارواں حصہ دینے کے حیلہ کا سہارا لے کر معاملہ جائز ہوسکتا ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزءا من ألف جزء، وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم فيها الإدراك بباقي الثمن، وفي الأشجار الموجود ويحل له البائع ما يوجد فإن خاف أن يرجع يقول على أني متى رجعت في الإذن تكون مأذونا في الترك. شمني ملخصًا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص۵۵۵ كتاب البيوع) ـــه

پکنے تک کی شرط لگاکر کچی فصل خریدنا

سوال: گندم یا جو کی کچی فصل پکنے تک چھوڑنے کی شرط سے خریدی جائے اور پکنے پر کاٹی جائے تو کیا یہ بیع شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟ اور جواز کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: گندم، جو یا دیگر فصلوں کو اس شرط سے خریدنا کہ پکنے پر کاٹیں گے تو یہ بیع ناجائز ہے، البتہ فقہاء نے جواز کی ایک صورت ذکر کی ہے کہ فصل کو مستقل طور پر قیمتاً خرید کر ایک خاص مدت کے لیے زمین اجارہ پر لی جائے اور معینہ مدت کے اندر فصل کو کاٹ لیا جائے تو اس صورت میں مذکورہ بیع اور پکنے تک فصل کا باقی رکھنا صحیح ہوگا۔

لما قال طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: وإن كان البيع بشرط الترك لا يجوز. (خلاصة الفتاوى ج۳ ص۲۹ كتاب البيوع، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه... الخ) ـــه

ـــه قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: وفي ثمار الأشجار يشتري الموجود ويحل له البائع ما يوجد فإن خاف أن يرجع يفعل في الإذن ويترك الثمر على الشجر وحوات بإذن المشتري على أنه متى رجع عن الإذن كان مأذونا في الترك بإذن جديد فيجعله على مثل هذا الشرط۔

(فتح القدير ج۵ ص۴۹۳ كتاب البيوع)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۳ ص۳۵ كتاب البيوع، الفصل الثالث فيما يجوز بيعه... الخ۔

ـــه قال طاهر بن عبد الرشيد البخاري: والحيلة في ذلك أن يترك في الأرض ويكون له الانتفاع الشرعي والحيلة أن يشتري الأغصان والأشجار بيعا ببعض الثمن ويستأجر الأرض ببعض الثمن من صاحب الأرض إلى مدة معلومة. (خلاصة الفتاوى ج۳ ص۲۹ كتاب البيوع، الفصل الثاني فيما يجوز بيعه وما لا يجوز)

ومثله في الهداية ج۳ ص۳۳ كتاب البيوع، فصل الثاني فيما يدخل في بيع الأراضي... الخ۔

قرعہ اندازی کے ذریعے خرید و فروخت کرنا

سوال: ایک چیز کی قیمت ایک ہزار روپے ہے ۲۰ بیس آدمیوں نے آپس میں ۵۰/۵۰ روپے جمع کر کے یہ فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کر کے جس کے نام پر یہ چیز نکل آئے تو یہ اس کو دی جائے گی اور باقیماندہ افراد محروم رہ جائیں گے، کیا یہ طریقہ تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں خرید و فروخت کے جو اصول وضع کیے گئے ہیں ان کے فقدان کی وجہ سے ایسی بیع جائز نہیں، صورت مذکورہ میں ایک ممنوع امر یہ ہے کہ اگر نام نکل آئے تو اس کو مبیع دیا جائے گا ورنہ نہیں جو کہ شرط فاسد ہے، اور دوسرا یہ کہ ہر ایک ممبر اپنا نام نکلنے کا متمنی ہوتا ہے لیکن پتہ نہیں کہ نکلے یا نہیں تو گویا بیع علی خطر الوجود ہونے کی وجہ سے قمار لازم آتا ہے جو کہ بنص قرآنی ممنوع ہے اس بناء پر مذکورہ معاملہ شرط فاسد اور قمار کی وجہ سے جائز نہیں۔

لما قال اللہ تعالیٰ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ المائدۃ آیت ۹۰)[1]

تجارتی لائسنس (پرمٹ) کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال: ایک شخص کے پاس حکومت کی طرف سے جاری کردہ تحریری سرٹیفکیٹ کی صورت میں ایک تجارتی لائسنس (پرمٹ) ہے تاکہ درآمد برآمد کے وقت کوئی اعتراض نہ کرے اب وہ شخص اس اجازت نامہ کو فروخت کرنا چاہتا ہے یہ لائسنس چونکہ کاغذ کی شکل میں ہوتا ہے تو کیا اس کی فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عصر حاضر میں اکثر ممالک نے تاجروں پر لائسنس کے بغیر درآمد برآمد کی پابندی لگائی ہوئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ لائسنس ایک مادی چیز نہیں بلکہ دوسرے ممالک کو مال دینے یا لینے کا دوسرا نام ہے اور اس لائسنس کے حصول کیلئے چونکہ وقت، کوشش اور

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ما کان مبادلۃ مال بمال یفسد بالشرط الفاسد ویبطل تعلیقہ۔ ایضاً لدخولہ فی التملیکات لانہا اعم۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۲ ما یبطل بالشرط الفاسد ولا یصح تعلیقہ بہ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۹۴ باب المتفرقات۔ کتاب البیوع۔

مال صرف کرنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر حامل لائسنس کو تحریری سرٹیفکیٹ کے ذریعے قانونی پوزیشن حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ مختلف قسم کی سہولیات کا حقدار ہو جاتا ہے۔ لوں بغیر لائسنس کے مال درآمد برآمد کرنا قانوناً جرم ہوتا ہے اور اس کے مرتکب شخص کو سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، اس لیے یہ لائسنس بڑا قیمتی ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے کروڑوں روپے کی تجارت ملکی ہوتی ہے۔ تو اس طرح تجارتی لائسنس کے ساتھ اموال والا معاملہ کیا جا سکتا ہے چونکہ حامل لائسنس کو یہ حق اصالتاً ثابت ہے تو اگر وہ عوض لے کر اپنے حق سے دستبردار ہو کر کسی دوسرے کے نام منتقل کر دے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مال کے بدلے اپنے وظائف اور حقوق سے دستبرداری شرعاً مرخص ہے۔ البتہ اگر لائسنس کسی مخصوص فرد یا مخصوص کمپنی کا ہو جس کی کسی دوسرے فرد یا کمپنی کو انتقال کی بالکل قانوناً اجازت نہ ہو تو چونکہ ایسے لائسنس کو کسی دوسرے کے نام منتقل کرنے کی صورت میں جھوٹ، دھوکہ اور فریب لازم آتا ہے لہٰذا یہ بیع ناجائز ہو گی۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: ولا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالاوقاف وفيها في آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن افتى كثير باعتباره وعليه فيفتي بجواز النزول عن الوظائف بمال. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع) [1]

انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- آجکل حکومت نے انعامی بانڈز کے نام سے ایک کاروبار شروع کیا ہوا ہے جو کہ مختلف مالیت کے بانڈز کی شکل میں ہے طریقہ کار اس کا یہ ہوتا ہے کہ بانڈز حاصل کرنے کے ہر ماہ بعد قرعہ اندازی کی جاتی ہے قرعہ اندازی میں جو نمبر نکلتے ہیں ان کے حاملین کو زیادہ رقم دی جاتی

---

[1] قال العلامة محمد خالد الاتاسی: اقول وعلی ما ذکرہ من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ بمال ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال... کما جاز النزول عن الوظائف و نحوها لا سیما اذا کان صاحب حق التعلی فقیراً قد عجز عن اعادۃ علوہ فلو لم یجز ذلک لتعطل حقہ الذی قد یکون یتضرر فلیتامل و لیحرر. (شرح المجلۃ الاحکام للعلامۃ الاتاسی ج۲ ص۱۲۳ الفصل الثانی فی بیع ما یجوز بیعہ وما لا یجوز)

ومثلہ فی فقہی مقالات ج۱ ص۱۹۸ بیع حقوق المجردۃ۔

ہے اور باقی تمام ممبران زیادہ رقم سے محروم ہو کر اپنی جمع شدہ رقم چھوڑنے یا واپس لینے کے مجاز ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح انعامی بانڈز کی خرید و فروخت اور اس کے ذریعے حاصل شدہ رقم کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ کاروبار دو وجوہات کی بناء پر مشروع نہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس میں ربوا پائی جاتی ہے اور اعانت علی الربوا بھی ہے کیونکہ حکومت ان ممبروں سے حاصل ہونے والی رقم کو اندرون ملک اور بیرون ملک مختلف قسم کے سودی معاملات میں استعمال کرتی ہے جو کہ حکومت کے ساتھ سودی معاملات میں تعاون ہے اور مختلف افراد سے جمع ہونے والی رقم کا فائدہ صرف مخصوص افراد حاصل کرتے اور باقیماندہ ممبران محروم ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ کہ تمام ممبران اپنی اپنی رقم کے عوض میں زیادہ رقم کے مستحق ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا حق علی خطر الوجود ہوتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انعام حاصل ہوتا ہے یا نہیں، لہٰذا یہ قمار کی صورت ہے۔

اس لیے ان وجوہات کی بناء پر مذکورہ کاروبار سود اور قمار کی وجہ سے ناجائز ہے اور چونکہ یہ دونوں نص قرآنی کی رو سے ناجائز اور حرام ہیں، لہٰذا یہ کاروبار اور اس کے ذریعے ملنے والی رقم کسی بھی مسلمان کا شایانِ شان نہیں۔

لما قال الله تبارك وتعالى: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (سورة المائدة آیت ۹۰) ـــه

غیر ملکی ویزا کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کو اس کے بھائی نے سعودی عرب کا ویزا بھیجا ہے، بعض وجوہات کی بناء پر وہ خود سعودی عرب نہیں جا سکتا، وہ ویزہ کسی دوسرے شخص پر پچاس ہزار روپے کے عوض فروخت کرنا چاہتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس شخص کے لیے ویزا فروخت کر کے رقم حاصل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ دور میں بیشتر ممالک اپنے ملک میں کسی غیر ملکی کو بغیر ویزے کے داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ایک قانونی جرم قرار دیا ہے، جبکہ ویزا بذات خود کوئی مادی چیز نہیں ہے کہ

ـــه لما ورد في الحديث: عن جابر قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔ (مشكوٰة ج ۱ ص ۲۴۴ كتاب الربوا)

بلکہ کسی دوسرے ملک میں داخل ہونے اور وہاں ایک متعین وقت تک رہنے کا تحریری اجازت نامہ ہے جس کی رُو سے حامل ویزا کو مناسب سہولیات بھی حاصل ہوتی ہیں جبکہ بغیر ویزہ کے داخلہ ممنوع ہوتا ہے، چونکہ کسی ملک کے ویزا کے حصول کے لیے کافی وقت اور مال لگایا جاتا ہے اور حامل ویزہ کو بذاتِ خود وہاں داخلے اور رہنے کا حق اصالتًا حاصل ہوجاتا ہے لہٰذا اگر وہ اپنے حق اور وظیفہ سے دستبردار ہوکر ویزہ کسی دوسرے کے نام فروخت کرے تو شرعًا اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ مناسب عوض لے کر کسی کو اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا فقہاء نے مرخص قرار دیا ہے لہٰذا ویزہ فروخت کرکے رقم حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق شفعة وعلی هذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالأوقاف وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لکن أفتی کثیر باعتباره وعلیه فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع) لہ

انتخابات کے دوران ووٹ کی خرید و فروخت کا مسئلہ

سوال:۔ بعض علاقوں میں انتخابات کے وقت لوگ اُمیدواروں سے بھاری رقم لے کر اپنا ووٹ اس کے حق میں استعمال کرتے ہیں، تو کیا ووٹ کے عوض رقم لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ووٹ جس کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے وہ اس کے حق میں ملک و ملت کی خیرخواہی کی شہادت ہے اور ووٹ ایک قسم کی سفارش ہے کہ امیدوار کے لیے متعلقہ عہدے کی سفارش کر رہا ہے، ووٹ ایک قسم کا مشورہ ہے کہ یہی امیدوار اس عہدے کا مستحق ہے لہٰذا ووٹ کی مذکورہ بالا حیثیتوں سے یہ بات عیاں ہے کہ ووٹ مال متقوم نہیں، اور کسی بھی چیز کی

لہ قال العلامة ابن عابدین الشامی: أقول وعلی ما ذکره من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بمال ینبغی أن یجوز الاعتیاض عن التعزیر ومن حق القسم للضرة ومن حق المسیل بمال۔ لما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لأنه إنما کان لصاحب حق أعلی فیمتنع إلا فیما یعجز عنه عوضًا فلو لم یجز ذلك لتعطل الذی ذکرنا یتضمن فساد ذلك ... (رد المحتار ج ۴ ص۵۱۹ مطلب فی بیع ما یجوز ...)

ومثله فی فقهی مقالات ج۱ ص۱۹ بیع حقوق المجردة۔

خرید و فروخت کے لیے اسی چیز کا مال متقوم ہونا ضروری ہے لہٰذا ووٹ کے بدلے رقم حاصل کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ۔

لما قال الدکتور وھبۃ الزحیلی: اتفق الفقہاء علی صحۃ البیع اذا کان المعقود علیہ مالاً متقوماً محرزاً موجوداً مقدوراً علی تسلیمہ معلوماً للعاقدین لم یتعلق بہ حق الغیر۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۴ ص۱۴۳ کتاب البیوع۔ ثالثاً البیوع من حیث المعقود علیہ)[1]

ٹریڈ مارک کی خرید و فروخت

سوال: بعض کمپنیوں اور اداروں کی اپنی تجارتی علامت ہوتی ہے جو کہ حکومت کی طرف سے رجسٹرڈ ہوتی ہے اور اسے گاہک کو رغبت اور تیزی دلانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیا اس کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی کمپنی کی مصنوعات پر تجارتی علامت یا ٹریڈ مارک رغبت یا بے رغبتی کا سبب ہوتی ہے اس لیے تاجروں کی نظر میں اس کی وقعت بڑھ گئی ہے چونکہ موجودہ دور میں لوٹ کھسوٹ اور دھوکہ بازی عام ہونے کی وجہ سے حکومتوں کی جانب سے ان ٹریڈ مارکوں کا رجسٹریشن ہونے لگی اور ایک تاجر کے لیے دوسرے تاجر کا ٹریڈ مارک کا استعمال قانونی طور پر جرم قرار دیا گیا اس لیے تاجروں کی نظر میں اس کی قیمت کو مادی بنا دیا گیا ہے اور تاجر لوگ مہنگے داموں بیچنے اور خریدنے لگے ہیں اور ٹریڈ مارک کو تحریری سرٹیفیکیٹ کی شکل دی گئی ہے۔ یہ تو ایک حق مجرد ہے لیکن اس کے حصول کے لیے چونکہ بے تحاشا مال صرف کیا جاتا ہے تو یہ اس تاجر کے لیے ایک ثابت حق بن جاتی ہے جو کہ اس کے لیے اصالتاً ثابت ہے تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق عوض لے کر اپنا حق اور وظیفہ چھوڑنا مرخص ہے لہٰذا ٹریڈ مارک کی فروخت میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ٹریڈ مارک رجسٹرڈ ہو کیونکہ رجسٹریشن کے بغیر یہ علامت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اور دوسرا یہ کہ عوام پر دھوکہ اور التباس نہ ہو کیونکہ

---

[1] قال العلامۃ الشیخ عبدالرحمن الجزیریؒ: ومنھا ان یکون المبیع مملوکاً للبائع حال البیع ..... وان یکون مقدوراً علی تسلیمہ فلا ینعقد بیع المغصوب..... ومنھا ان یکون المبیع معلوماً والثمن معلوماً علماً یمنع من المنازعۃ فبیع المجہول جہالۃ تفضی الی المنازعۃ غیر صحیح۔ (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ج۲ ص۱۶۳ کتاب البیع برکن الثالث المعقود علیہ)۔

سرکاری کاغذات میں جعلسازی سے خود کو مالک ظاہر کر کے کسی کی زمین فروخت کرنا

سوال:- ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے شخص کے پاس بطور رہن رکھی تھی لیکن اس نے سرکاری کاغذات میں دھوکہ اور جعلسازی سے اس زمین کا انتقال اپنے نام پر کرالیا سرکاری کاغذات میں ردوبدل کی وجہ سے اب یہ شخص اس زمین کو فروخت کرے تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہوگی؟

الجواب:- بشرط صدق و ثبوت اگر یہ زمین کسی کے لیے تسلیم شدہ یا بذریعہ گواہ ثابت شدہ ہو تو کسی کے غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ سے اس زمین میں شرعاً اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس زمین کے تمام تر حقوق بیع حق فروخت اصل مالک کو حاصل ہیں البتہ اس زمین کی فروخت موقوف علی شرط التسلیم ہوگی یعنی جب تک زمین مشتری کے حوالے نہیں کی گئی ہو تو بیع موقوف ہوگی۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله: ومنها ان یکون مقدور التسلیم عند العقد فان کان معجوز التسلیم عنده لا ینعقد۔ (البدائع والصنائع ج۵ ص۱۴۷ کتاب البیوع فصل و اما الذی یرجع الی المعقود علیه)[1]

حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکی اشیاء کی تجارت کرنا

سوال:- وہ غیر ملکی اشیاء جن کی خرید و فروخت پر حکومت کی طرف سے پابندی ہو اس کے کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:- جو اشیاء بیرونی ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں ان پر حکومت تاجروں سے ٹیکس کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کے نام سے کچھ رقم وصول کرتی ہے بسا اوقات ان ٹیکسوں میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ کر دیا جاتا ہے اگر یہ ٹیکس مناسب اور جائز انداز میں لیا جاتا ہو اور قومی خزانہ میں

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: واما بیع المغصوب فقد ذکر محمد انه موقوف ان اقر به الغاصب تم البیع وان جحد وللمغصوب منه بینة فکذلك وان لم یکن ولم یسلمه حتی هلك ینتقض البیع۔

(خلاصة الفتاوی ج۳ ص۴۶ باب الرابع فی بیع الفاسد واحکامه)

ومثله فی جامع الفصولین ج۲ ص۶۹ الفصل الثالث والثلاثون فی بیع الغصب۔

جمع ہوکر قومی مفاد میں استعمال کیا جاتا ہو تو پھر سامانِ تجارت چوری چھپے لانا مناسب نہیں کیونکہ حکومتِ وقت درآمد کردہ اشیاء پر ضروری ٹیکس لگانے کی مجاز ہے، البتہ اگر حکومت ان ٹیکسوں میں ناقابلِ برداشت اضافہ کرکے تاجروں کو تنگ کرتی ہو اور ٹیکس کے نام سے وصول کی گئی رقم قومی خزانہ کی بجائے ذاتی خواہشات اور ضروریات میں صرف کی جاتی ہو تو ایسی صورت میں مال لانے والا ٹیکس سے بچنے کی مناسب تدابیر اختیار کرے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ دروغ گوئی، خیانت اور دھوکہ بازی سے بہرحال اجتناب ضروری ہے۔

قال القاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراءؒ: ان کانوا لبلد تعرفنا علم دار الحرب وکانت اموالہم اذا دخلت دار الاسلام معشورة من صلح استقر معہم اثبت فی الدیوان عقد صلحہم وقدر الماخوذ منہم من عشر او خمس او زیادة او نقصان منہ وان کان یختلف باختلاف الامتعة والاموال فصلت فیہ وکان الدیوان موضوعا لاخراج رسومہ واستیفاء ما یرفع الیہ من مقادیر الامتعة المحمولة الیہ۔ (الاحکام السلطانیة ص۲۴۴) ؎

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری درختوں کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: سرکاری ملازمین کے ذریعے سرکاری زمین پر اُگے ہوئے درختوں کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حکومت کی طرف سے اگر ان ملازمین کو سرکاری درختوں کی فروخت کی اجازت ہو اور رقم حاصل کرکے قومی خزانہ میں پہنچتی ہو تو ملازمین کے لیے درختوں کو فروخت کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، البتہ اگر ملازم خیانت، بددیانتی اور سازباز سے فروخت کرتے ہوں تو علم ہونے کے باوجود ان سے خریدنا ناجائز ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ قومی ملکیت ہونے کی وجہ سے ان درختوں میں پوری قوم کا حق ہے۔

؎ قال فخر الدین الزیلعیؒ: والاصل ان حتی عرفنا ما یاخذون منا اخذنا منہم مثلہ بذلک امر عمر رضی اللہ عنہ وان لم نعرف اخذنا منہم العشر لقول عمر فان اعیاکم فالعشر وان کانوا یاخذون الکل لا ناخذ منہم الجمیع الا قدر ما یوصلہ الی مامنہ فی الصحیح۔

(تبیین الحقائق ج۱ ص۲۸۵ باب العاشر)

ومثلہ فی الجامع الصغیر ص۱۱ باب فیمن یمر علی العاشر بمال۔

كما في مجلة الاحكام: ليس للوكيل ان يبيع بانقص مما عينه الموكل يعني اذا كان الموكل قد عين ثمنا فليس للوكيل ان يبيع بانقص من ذلك واذا باع ينعقد البيع موقوفا على اجازة موكله. وقال العلامة خالد الاتاسي: فلو خالف الوكيل بان باع وسلم المبيع للمشتري ثم هلك في يد المشتري يكون الوكيل ضامنا لقيمته لانه باعه بدون اذن صاحبه اهـ. (شرح المجلة لخالد الاتاسي ج ۴ ص [illegible] مادة ۱۴۹۵)

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا

سوال: بعض لوگ اندرون ملک مخصوص علاقوں سے دیگر علاقوں تک کپڑا، برتن اور دیگر سامان خفیہ طریقے سے لے جاتے ہیں جبکہ بعض اوقات حکومت کے کارندے ان لوگوں کو پکڑ کر ان کا سامان ضبط کر کے نیلام کر دیتے ہیں، کیا ان ضبط شدہ اشیاء کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ سامان اصل مالک کی ملک سے نہیں نکلتا ہے کیونکہ حکومت کیلئے رعایا کے اموال ضبط کرنا مناسب نہیں لہٰذا ایسا سامان اصل مالک کے ملک سے خارج نہ ہونے کی وجہ سے واجب الرد ہے، اس بنا پر ضبط شدہ مال کی خرید و فروخت جائز نہیں اور حکومت کی اندرون ملک انتقال اشیاء پر پابندی لگانا جائز نہیں۔[1]

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الا بحق ثابت معروف۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۹۱ مطلب لیس للامام ... ان الارض ملکه وان کانت خراجیة) [2]

---

[1] قال القاضي ابو يعلى الحنبلي رحمه الله: فاما اعشار الاموال المتنقلة في دار الاسلام من بلد الى بلد فمحرمة لا يبيحها شرع ولا يسوغها اجتهاد ولا هي من سياسات العدل وقضايا النصفة ولا تكون الا في البلاد الجائرة ولذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدخل الجنة صاحب مكس۔
(الاحكام السلطانية ص ۲۲۳ فصل [illegible])
ومثله محمد حامد الفقي على هامش الاحكام السلطانية ص ۲۲۹

غیر محفوظ سرکاری کاغذات کے ذریعے جائیداد وغیرہ کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ ملکی قانون کے تحت ایک شخص سرکاری کاغذات رجسٹری و انتقال کے ذریعے اپنی جائیداد وغیرہ فروخت کرسکتا ہے ان کاغذات کے اعتبار اور عدم اعتبار کے متعلق شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع جو سرکاری کاغذات تغیر و تبدل سے محفوظ ہوں تو ان کا بھی اعتبار قرار دے کر ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ موجودہ حالات میں چونکہ رشوت، جھوٹ، دھوکہ اور فریب ہر جگہ غالب ہو چکا ہے اس بناء پر دور حاضر میں صرف کاغذات کے ذریعے خرید و فروخت مناسب نہیں۔

لما فی مجلۃ الاحکام :۔ لا یعمل بالخط والختم وحدھما الا اذا کان سالما من شبھۃ التزویر والتصنیع فیعمل بہ یعنی انہ یکون مدارا للحکم ولا یحتاج الی الثبوت بوجہ آخر۔ (المجلۃ المادۃ ۱۷۳۶ الباب الثانی۔ الفصل الاول فی المحجج الخطیۃ) [1]

وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی مملوکہ زمین کو صحیح قبرستان کے لیے وقف کیا، وقف کے بعد اس زمین کو وہ فروخت کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس واقف کو موقوفہ زمین کی فروخت کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زمین کو وقف کر دینے کے بعد شرعاً زمین واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے بشرطیکہ وقف کی شرائط کا لحاظ کرکے وقف تام ہو۔ وقف کر دینے کے بعد زمین میں واقف کو کسی قسم کے ذاتی یا مالکانہ تصرفات کا حق حاصل نہیں رہتا لہٰذا اس زمین کو بیچنے

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: فاذا صار ان الحرس الوعی انتفاء شبھۃ تلعن وعلیہ فما یوجد فی دفتر التجار فی زماننا اذا مات احدھم وقد حرر بخطہ ما علیہ فی دفترہ الذی یقرب من الیقین انہ لا یکتب فیہ سبیل التجرید والھزل یعمل بہ۔
(تنقیح الحامدیۃ ج ۲ ص ۲۱ مطلب فی دفاتر التجار الکاجزیہ وتفاتر)

خرید و فروخت یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس زمین میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۶۱۶ کتاب الوقف) لہ

مسجد کا ضرورت سے زائد سامان فروخت کرنا

سوال:۔ اگر کسی قصبے کے لوگ اپنے قصبے سے مکمل طور پر کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور اس قصبے میں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو کیا ایسی حالت میں مسجد کا سامان فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر حقیقتاً قصبے والے مکمل طور پر اپنے قصبے سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہوں اور وہاں مسجد کی ضرورت باقی نہ رہے تو اس صورت میں چونکہ مسجد کو ایسے ہی چھوڑنے پر اسکے سامان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے لہٰذا ایسی کسی بھی مسجد کی اشیاء فروخت کرنا جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو کسی دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے گا، البتہ مسجد کی زمین کسی بھی دوسرے مقصد کے لیے استعمال نہیں ہو سکتی۔

ما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: قلت لکن الفرق غیر ظاہر فلیتأمل والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی بہ الامام ابو شجاع والامام الحلوانی وکفی بہما قدوۃ ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من رباط او حوض اذا لم ینقل یأخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ہو مشاہد وکذلک اوقافہ یأکلہا النظار او غیرہم وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اہل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدہا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ و ینقلونہ الی دورہم ہل لواحد لاہل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک

لہ قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ: فاذا تم ای الوقف فلا یملک ولا یملک ولا یعار ولا یرہن۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۵۱ کتاب الوقف)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۲۰ ... الصدقۃ فصل واما حکم الوقف اذا جاز ... الخ۔

الثمن ليصرفه الى بعض المساجد او الى هٰذا المسجد قال تصرف۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۴۱ مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه)[1]

غیر موقوف قبرستان کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک قطعہ زمین خریدا جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے لیکن تقریباً ساٹھ سال سے اس میں کسی بھی میت کو دفن نہیں کیا گیا ہے اور اس قطعہ زمین کو مالک نے قبرستان کے لیے وقف بھی نہیں کیا تھا کیا اب مالک زمین کو اس کی فروخت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ غیر موقوف قبرستان میں اگر یہ یقین ہو کہ اموات کی لاشیں ختم ہو کر خاک بن گئی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا مالک اس زمین میں ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا مجاز ہوگا، البتہ اگر وقف کا شبہ بھی موجود ہو تو موقوفہ قبرستان کی خرید و فروخت یا دیگر مالکانہ تصرفات کا حق اس کو حاصل نہیں۔

لما قال الشیخ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ۔ ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه۔ (التبیین الحقائق ج۱ ص۲۴۶ باب الجنائز)[2]

وصولِ حق کے لیے غاصب کی جائیداد فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ میرے ایک رشتہ دار نے میری ملکیتی زمین سرکاری کاغذات رجسٹری وانتقال وغیرہ میں جعلسازی سے ردوبدل کرکے فروخت

---

[1] وقال العلامة عالم بن العلاء الاندرپتی رحمه الله۔ حشیش المسجد اذا کان له قیمة فلاهل المسجد ان یبیعوها وان رفعوا الی الحاکم فهو احب وکذا الباب واللخشب اذا افسد فلاهل المسجد ان یبیعوها وان رفعوا الی الحاکم فهو احب۔

(الفتاوٰی التاتارخانیة ج۵ ص۸۵۴ کتاب الوقف مسائل وقف المساجد)

ومثله فی الهندیة ج۲ ص۴۵۸ الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۳۳ مطلب فی دفن المیت)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۶۷ الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان الی اٰخر۔

کرتا ہے، میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ اس زمین کو مجھے واپس کردے لیکن وہ کسی طرح بھی زمین واپس کرنے کو تیار نہیں ہے، اب میرے اس رشتہ دار کو چند وجوہات کی بنا پر ملک چھوڑنا پڑ گیا ہے جبکہ اس کا دو کنال رقبہ میرے قبضے میں ہے، تو کیا میرے لیے اس دو کنال رقبہ کو فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ہے؟

الجواب:۔ بشرط صحت سوال کسی کے غاصبانہ قبضہ کرنے سے آپ کی زمین اصل ملکیت نہیں بن سکتی اور نہ ہی ناجائز طور پر سرکاری کاغذات میں تبدیلی کے فروخت کر دینے سے شرعاً ملکیت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ زمین میں مالک کو باقاعدہ طور پر ہر قسم کے تصرفات کا حق حاصل ہے اپنے حق کے حصول کے لیے غاصب کی منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کی فروخت کرکے اپنا حق وصول کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: قال ونقل جد والدي لأمه الجمال الأشقر في شرحه للقدوري أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لا سيما في ديارنا لمداومتهم للعقوق. (رد المحتار ج۴ ص۹۵ مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة)۔ ـه

بت فروشی کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ بتوں کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں ازروئے شرع یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بت چونکہ آلۂ معاصی اور شرک پرستی میں معین ہیں لہٰذا اعانت علی المعصیت کی بنا پر ان کی خرید وفروخت جائز نہیں، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت فروشی سے منع فرمایا ہے۔

ـه قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وفيه أن ابن أبي ليلى والشافعي يطلقان الأخذ خلاف جنس حقه للمجانسة في المالية وهو أوسع فيجوز الأخذ به وإن لم يكن مذهبنا فإن الإنسان يعذر في العمل به عند الضرورة۔

(البحر الرائق ج۵ ص۶۲ كتاب السرقة)

ومثله في رد المحتار ج۴ ص۹۵ مطلب يعذر بالعمل بمذهب الغير عند الضرورة۔

اخرج الامام البخاری رحمہ اللہ: عن جابر بن عبداللہ: انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عام الفتح وھو بمکۃ ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۲۹۸ باب بیع المیتۃ والاصنام) ۱

غصب شدہ املاک کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت

سوال:۔ بعض اوقات علاقائی جھگڑوں میں ایک قوم دوسری قوم کو مغلوب کرکے اس کی تمام جائیداد مال مویشی وغیرہ پر غاصبانہ اور ظالمانہ قبضہ کرکے ضبط کرلیتی ہے، تو کیا اس غاصب قوم سے مغلوب قوم کی غصب شدہ جائیداد خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے مال وجان پر غاصبانہ قبضہ کرنا جائز نہیں، ورنہ ہی اس طرح قبضہ شدہ جائیداد وغیرہ کسی فریق کی ملکیت بن سکتی ہے بلکہ ان غصب شدہ املاک کی واپسی شریعت مقدسہ نے واجب قرار دی ہے، اس بنا پر مغصوب شدہ چیز کو اصل مالکوں یا ورثاء کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر اصل مالک یا ورثاء معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے فقراء ومساکین پر صدقہ کرکے اپنا ذمہ فارغ کریں، لہٰذا مشتری کو اگر یہ علم ہو کہ جو جائیداد وہ خرید رہا ہے وہ غصب کردہ اور ظلم وجبر سے چھینی گئی ہے تو پھر اس کے لیے وہ جائیداد اور مال مویشی وغیرہ خریدنا جائز نہیں اور اگر بیع ہوجائے وہ بیع فضولی کے حکم میں ہوکر موقوف رہے گی۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الا لاتظلموا الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۲۵۵ کتاب الغصب) ۲

---

۱ قال العلامۃ علی بن سلطان محمد القاریؒ: حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام وان کانت من ذھب وفضۃ۔ (المرقاۃ ج۶ ص۲۹ باب کسب وطلب الحلال۔ الفصل الاول)

ومثلہ فی عمدۃ القاری ج۱۲ ص۵۳ باب بیع المیتۃ والاصنام۔

۲ قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: الغصب فی الشریعۃ اخذ مال متقوم محترم بغیر اذن المالک علی وجہ یزیل یدہ۔۔۔ وعلی الغاصب رد العین المغصوبۃ۔ (الھدایۃ ج۴ ص۳۶۳ کتاب الغصب)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۲۲ کتاب الغصب۔

بلا اجازت کسی کی زمین فروخت کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ترکہ میں سے ان کے حصہ سے محروم کر دیتے ہیں، تو کیا ان لوگوں سے ایسی اراضی یا دیگر جائیداد خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہنوں اور بیٹیوں کو جائیداد میں ان کے مقررہ حصے سے محروم کرنا اسلامی تعلیمات کو پامال کرنے کے مترادف ہے اور ان کے حصہ پر ان کی رضامندی کے بغیر قبضہ کر کے فروخت کرنا مغصوبہ زمین کی فروخت کے حکم میں ہے، لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر فروخت کردہ زمین بیع فضولی کے حکم میں شمار ہو کر حصہ دار بہنوں اور بیٹیوں کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اجازت دیں تو بیع نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

قال العلامة سليم رستم باز: كل واحد من الشركاء في شركة الملك أجنبي في حصة سائرهم فليس أحدهم وكيلا عن الآخر فلا يجوز لأحدهم أن يتصرف في حصة شريكه بدون إذنه۔ (شرح المجلة للأحكام، المادة ۱۰۷۵ ص ۵۹۸ الفصل الثاني في بيان كيفية التصرف في الأعيان المشتركة)؎

حقِ تعلّی کی فروخت کا حکم

سوال:۔ موجودہ دور میں بعض مقامات میں لوگوں کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے زمین فروخت کرتے وقت یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ آپ کو دس فٹ کے اندر اندر ایک چھت بنانے کی اجازت ہو گی، اگر دس فٹ سے مکان اونچا کرنا ہو تو اس کی بھی قیمت ادا کرنا ہوگی، البتہ اس کی قیمت نیچے والے حصے سے کم ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین فروخت کرتے وقت اس قسم کی شرط عائد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فضا مال نہیں کیونکہ اس کا احراز ممکن نہیں، اور حقوقِ مجردہ کی فروخت شرعاً ممنوع ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ نیچے والی منزل

؎ قال في الهندية: ولا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلا بأمره وكل واحد منهما كالأجنبي في نصيب صاحبه۔ (الفتاوى الهندية ج۲ ص۳۰۱ الفصل الأول في بيان أنواع الشركة)

ومثله في البرجندي ج۳ ص۱۲۲ كتاب الشركة۔

ایک آدمی کی نچلی منزل اور اوپر والی منزل کسی دوسرے کی تھی اور بقضائے الٰہی دونوں گرجائیں تو اوپر والا اپنا حق نیچے والے پر فروخت کردے تو یہ بیع ناجائز ہوگی کیونکہ یہ حق تعلی ہے اور حق تعلی کی فروخت سے فقہاء نے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة الکاسانی رحمه اللہ: سفل وعلو بین رجلین انہدما فباع صاحب العلو علوہ لم یجز لان الہواء لیس بمال۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۴۵ کتاب البیوع فصل وما الذی یرجع الی المعقود علیه فانواع) ؎۱

شرط لگاکر کوئی چیز فروخت کرنا

سوال: ایک آدمی نے کسی پر اپنا گھر فروخت کرتے وقت یہ شرط لگادی کہ میں آٹھ مہینے تک اس گھر میں رہوں گا، کیا اس شرط کے ساتھ یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر گھر کی بیع کو اس شرط پر موقوف رکھا گیا کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول نہ کرتا تو بائع اس پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ شریعت مقدسہ نے بیع و شراء کے دوران جو اس شرط کو ممنوع قرار دیا ہے جس میں کسی ایک جانب یا مبیع کو فائدہ ہو لہٰذا صورت مذکورہ میں بیع فاسد تصور ہوگی۔ تاہم اگر بیع کو اس شرط پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ مشورے کی حیثیت سے رکھا گیا تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں جس کے نتیجے میں اس کی رعایت ضروری نہیں بلکہ شرط کی رعایت احسان کے مترادف ہوگی۔

لما قال العلامة التمرتاشی: ولا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدھما او لمبیع۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۸۵ باب البیع الفاسد) ؎۲

کسی چیز پر قبضہ کرلینے کے بعد زائد قیمت پر فروخت کرنا

سوال: ایک شخص نے ایک گاڑی ایک لاکھ روپے میں

؎۱ قال العلامة المرغینانی: لان حق التعلی لیس بمال لان المال ما یمکن احرازہ۔ (الہدایة علی صدر فتح القدیر ج۶ ص۵۲ کتاب البیوع)

؎۲ قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمه اللہ: نوع آخر فی الشرط منفعة لاحد المتعاقدین بان شرط البائع ان یقرض للمشتری او علی القلب یفسد العقد۔ (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۳ کتاب البیوع الفصل الخامس فی البیع) ومثله فی الہندیة ج۳ ص۳ کتاب البیوع الباب الاول فی تعریف البیع الخ۔

خریدی اور قبضہ کرکے دوسرے شخص پر دو لاکھ روپے میں فروخت کر دی، دوسرے شخص نے خرید کر تیسرے آدمی پر دو لاکھ دس ہزار روپے میں فروخت کر دی، تو کیا یہ معاملہ سود در سود ہے یا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: شریعت نے قبل القبض کسی چیز میں تصرف کی اجازت نہیں دی ہے لیکن باقاعدہ طور پر کسی چیز کو قبضہ کرکے فروخت کرنے کو مشروع رکھا ہے لہٰذا بائع اور مشتری کے درمیان جو بھی قیمت مقرر ہو جائے وہ صحیح اور مشروع ہے۔

قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: هو مبادلة المال بالمال بالتراضي۔
(فتح القدير ج ۵ ص ۴۵۵ كتاب البيوع)[1]

بغیر زمین کے پانی فروخت کرنا

سوال: اگر کسی زمین کا حق شرب بغیر زمین کے فروخت کیا جائے تو کیا یہ بیع شرعاً درست ہو گی یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے ما محرز یعنی وہ پانی جو کسی برتن میں محفوظ ہو، کے علاوہ عام پانی کو مباح الاصل قرار دیا ہے اور زمین کا حق شرب زمین کے توابع میں شمار کیا ہے۔ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر بلا تذکرہ شرب زمین فروخت کی جائے تو زمین کے ساتھ حق شرب بھی خود بخود شامل ہو گا۔ لہٰذا مفتی بہ اور ظاہر الروایۃ قول کے مطابق مستقل طور پر حق شرب کی خرید و فروخت، ہبہ یا تصدق وغیرہ جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين: ولا يباع الشرب ولا يوهب ولا يؤجر ولا يتصدق به لانه ليس بمال متقوم في ظاهر الرواية وعليه الفتوى۔ (رد المحتار ج ۵ مطلب البيع الفاسد)[2]

---

[1] قال العلامة جلال الدين رحمه الله: البيع مبادلة المال بالمال بالتراضي۔
(الكفاية شرح الهداية في ذيل فتح القدير ج ۵ ص ۴۵۵ كتاب البيوع)
ومثله في العناية على هامش فتح القدير ج ۵ ص ۴۵۵ كتاب البيوع۔

[2] قال العلامة الزيلعي: ولا يجوز بيع مسيل الماء وهبته ولا بيع الطريق بدون الارض وكذلك بيع الشرب
(تبيين الحقائق على متن كنز الدقائق ج ۴ ص ۴۴ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)
ومثله في شرح المجلة تحت المادة ۲۱۶ ص ۱۰۸ الفصل الثاني فيما يجوز بيعه وما لا يجوز۔

لہ قال الله تبارك وتعالى: وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل ۳۴)

بیع میں اجنبی کے فعل کی شرط لگانا

سوال:- ایک شخص نے کسی پر اس شرط سے زمین فروخت کی کہ فلاں شخص مجھ پر یہ قطعہ اراضی فروخت کریگا اور اگر اس نے فروخت نہ کی تو میں بیع واپس کرنے کا مجاز ہوں گا، باقاعدہ بیع کے بعد اس شخص نے اس پر یہ قطعہ اراضی فروخت کرنے سے انکار کر دیا، تو اب بائع کہتا ہے کہ چونکہ میں نے اپنی زمین کی واپسی کی شرط لگائی تھی لہٰذا میں اپنی بیع کو منسوخ کرتا ہوں، تو کیا اس کو اپنی زمین واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بیع میں وہ شروط پیوست کرنے ہوتے ہیں جو کہ بیع کے مقتضیات یا لوازمات عقد میں سے ہوں تو شرط مذکورہ چونکہ لوازمات اور مقتضیات میں سے نہیں اور نہ ہی مفسد للعقد ہے کیونکہ اسے اجنبی کے فعل سے معلق کیا گیا ہے، اس بناء پر یہ عقد صحیح ہوکر شرط فاسد شمار ہوگی، اس لیے بائع کو زمین واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: وفي المنتقى قال محمد كل شيء يشترطه المشتري على البائع يفسد به البيع فاذا شرطه على اجنبي فهو باطل واذا الشرط باطل منه الخ كما اذا اشترى دابة على ان يهبه فلان الاجنبي كذا فهو باطل۔

(البحر الرائق ج۶ ص۸۶ باب البيع الفاسد) ؎

ایجاب و قبول کے وقت مبیعہ کو مشتری کے حوالہ کرنے کے لیے چند دن کی مہلت کی شرط لگانا

سوال:- عقد بیع کے دوران یہ شرط لگانا کہ مبیعہ ابھی نہیں بلکہ چند دن بعد حوالہ کریں گا تو کیا بائع کے لیے یہ شرط لگانا شرعاً

لہ قال العلامة التمرتاشيؒ: ولا يسعر حاكم الا اذا تعدى الارباب عن القيمة تعديا فاحشا فيسعر بمشورة اهل الرأي۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۶ ص۴۰۰ كتاب الكراهية فصل في البيع)

؎ قال العلامة ابن عابدينؒ: المراد بالنفع ما شرط من احد العاقدين على الآخر فلو على اجنبي لا يفسد ويبطل الشرط كما في الفتح عن الولوالجية بعتك الدار بالف على ان يقرضني فلان الاجنبي عشرة دراهم فقبل المشتري لا يفسد البيع لانه لا يلزم الاجنبي ولا خيار للبائع۔

(رد المحتار ج۵ ص۸۵ مطلب في الشرط الفاسد اذا ذكر بعد العقد او قبله)

ومثله في شرح المجلة لسليم رستم باز تحت المادة ۱۸۹ ص۸۹

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرط مذکورہ نہ تو بیع کے مقتضیات میں سے ہے اور نہ ملائمات میں سے ہے بلکہ بائع کے فائدہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیع کیا گیا ہے اور مبیعہ حوالہ کرنے میں مہلت کی شرط لگانا فقہاء نے شرط فاسد قرار دیا ہے اسی بناء پر مذکورہ شرط بھی ناجائز ہے، البتہ اگر سودا تم ہے کہ بطور وعدہ چند دن بعد مبیعہ حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو بیع استجرار کی رو سے پیشگی رقم وعدہ بیع شمار ہو کر مبیعہ حوالہ کرتے وقت بیع منعقد ہو جائے گی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی: ومن باع عیناً علی ان لا یسلمه الی راس الشهر فالبیع فاسد لان الاجل فی المبیع العین باطل فیکون شرطاً فاسداً وهذا لان الاجل شرع ترفیهاً فیلیق بالدیون دون الاعیان. (الهدایة ج ۳ ص ۶۳ باب البیع الفاسد)[1]

نفع کی خاطر گاہک کو دوسری دوکان سے سودا لینے کیلئے قرض پر رقم دینا

سوال: ایک شخص کسی دوکاندار سے کوئی چیز قرض پر خریدنا چاہتا ہے لیکن وہ چیز دوکاندار کے پاس نہیں ہے اور دوکاندار اس شرط پر گاہک کو قرض رقم دیتا ہے کہ مجھے اتنا منافع دو گے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں چونکہ دوکاندار گاہک کو قرض رقم دے کر منافع کا مطالبہ کرتا ہے قرض لینے کی صورت میں کسی قسم کا منافع حاصل کرنا شرعاً ممنوع ہے اسلئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شرط لگا کر قرض دینے سے شرط پر عمل لازم نہیں ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں قرض لینے کے بعد نہ تو گاہک کو منافع دینا ضروری ہے اور نہ دوکاندار کو لینا جائز ہے۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کل قرض جر نفعاً فهو ربا. (نصب الرایة ج ۴ ص ۶۰ کتاب الحوالة)[2]

---

[1] وفی الهندیة: اذا شرط الاجل فی البیع العین فسد العقد وان شرط الاجل فی الثمن والثمن دین فان کان الاجل معلوماً جاز البیع وان کان مجهولاً فسد البیع۔
(الفتاوی الهندیة ج ۳ ص ۱۴۲ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع الخ)
ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۸۵ باب البیع الفاسد۔

[2] قال الحصکفی: القرض بالشرط حرام والشرط لغو. (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج ۵ ص ۱۶۶ فصل فی القرض)
ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۸۵ کتاب البیوع، باب المتفرقات۔

عیب دار اشیاء کی خرید و فروخت کرنا

سوال:۔ ایک دوکاندار کے پاس مختلف اقسام کی گندم ہے جسے وہ مختلف نرخوں میں فروخت کرتا ہے، اگر دوکاندار ان مختلف اقسام کی گندم کو ملا کر ایک علیحدہ قسم نکالے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ ہر قسم کی گندم شامل ہو تو کیا یہ طریقہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر دوکاندار گندم کی حقیقت چھپا کر خریدار پر اعلیٰ قیمت پر فروخت کرے تو یہ ناجائز ہے لیکن اگر گاہک کو بتا کر فروخت کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ بائع کی نشاندہی کے بعد عیب دار چیز کی فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں، کسی چیز کے عیب کو چھپا کر فروخت کرنا گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: لایحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن لان الغش حرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۷۲ کتاب البیوع باب خیار العیب) [1]

نقد رقم قرض دینے کی بجائے کوئی چیز مہنگی دینا

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی سے تین ہزار روپے قرض لینا چاہا، بجائے قرض رقم کے اس نے ایک کپڑا ساڑھے تین ہزار روپے میں اس کے ہاتھ فروخت کیا جبکہ بازار میں اس کپڑے کی قیمت تین ہزار روپے ہے، ضرورت مند نے کپڑا لے کر بازار میں اسکو تین ہزار روپے میں فروخت کر دیا، اس صورت میں قرض دینے والے کو پانچ سو روپے منافع ملا اور ضرورتمند کو تین ہزار روپے ملے جبکہ بعد میں کپڑا لینے والا شخص کپڑا دینے والے کو تین ہزار روپے کی بجائے تین ہزار پانچ سو روپے ادا کرے گا، تو کیا ازروئے شرع یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ اس صورت میں قرض دے کر ضرورتمند کی خیرخواہی کی بجائے مفاد پرستی نمایاں نظر آتی ہے لیکن بیع کی جملہ شرائط کی رعایت کی وجہ سے یہ عقد جائز ہے اس صورت میں مشتری کا مقصد اور ضروریات پوری ہو جاتی ہیں جبکہ بائع کو بوجہ نسیئہ مروجہ قیمت سے زیادہ

---

[1] قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: واذا اطلع المشتری علی عیب بالمبیع فهو بالخیار ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء رده ۔ (الهدایة ج۳ ص۳۷ باب خیار العیب کتاب البیوع)
ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص۳۸ باب خیار العیب کتاب البیوع۔

رقم ملتی ہے جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نقد کی نسبت اُدھار میں زیادہ قیمت لگانا جائز ہے۔

(۱) قال العلامة کمال الدین ابن الہمام رحمہ اللہ: فکان یحتاج المدیون فیأبی المسئول ان یقرض بل ان یبیع ما یساوی عشرة بخمسة عشر الی اجل فیشتریہ المدیون ویبیعہ فی السوق بعشرة حالّة ولا بأس فی ہذا فان الاجل قابلہ قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیہ دائماً بل ہو مندوب فان ترکہ بمجرد رغبة عنہ الی زیادة الدنیا فمکروہ او لعارض یعذر بہ فلا ...... وما لم ترجع الیہ العین التی خرجت منہ لا یسمّٰی بیع العینة لانہ من العین المسترجعة لا العین مطلقاً والا فکل بیع بیع العینة۔ (فتح القدیر ج۶ ص ۳۲۴ کتاب الکفالة) [1]

آٹا پیسنے کے عوض اناج جمع کرکے فروخت کرنا

سوال:- آجکل بعض علاقوں میں مشین سے آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ لی جاتی ہے، تو کیا آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا اور اسے جمع کرکے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- آٹا پیسنے کے عوض مکئی لینا جائز ہے لہٰذا آٹا پیسنے کے عوض مکئی وغیرہ جمع کرکے اپنے لیے استعمال کرنا یا فروخت کرنا دونوں طرح جائز ہے البتہ پیسے ہوئے آٹا سے مخصوص طور پر مزدوری مقرر کرکے لینا قفیز الطحان کے حکم میں ہوکر ناجائز و فاسد رہے گا۔

(۱) قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ومن حیلة لیعمل طعاماً ببعضہ او ثوباً ببعض غزلہ

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: فان لم یعد کان بیع العینة المذموم فی السوق فلا کراہة فیہ بل خلاف الاولیٰ فان الاجل قابلہ قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیہ دائماً بل ہو مندوب وما لم ترجع الیہ العین التی خرجت منہ لا یسمّٰی بیع العینة لانہ من العین المسترجعة لا العین مطلقاً والا فکل بیع بیع العینة واقرہ فی البحر والنہر والشرنبلالیة وہو ظاہر وجعلہ السید ابو السعود محمل قول ابی یوسف وحمل قول محمد والحدیث علی صورة العود (رد المحتار ج۵ ص ۳۲۶ کتاب البیوع باب التصرف فی المبیع والثمن) ومثلہ فی البحر الرائق ج۶ ص ۲۳۵ کتاب الکفالة۔

مشترکہ طور پر خریدی ہوئی چیز سے اپنا حصہ نکالنے کا طریقہ

سوال:۔ چند ساتھیوں نے آپس میں رقم جمع کر کے ایک چیز خریدی کچھ عرصہ کے استعمال کے بعد ان میں سے ایک نے اپنا حصہ واپس لینا چاہا تو کیا اس ساتھی کو اس چیز کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے رقم واپس کی جائے گی یا قیمت خرید کے حساب سے؟ جبکہ استعمال کی وجہ سے اس چیز کی قیمت کافی کم ہوگئی ہو؟

الجواب:۔ کوئی چیز مشترکہ طور پر خرید کر استعمال کرنے کے بعد جب کوئی حصہ دار اپنا حصہ واپس لینا چاہے تو اس کو موجودہ وقت کی قیمت کے اعتبار سے رقم واپس کی جائے گی نہ کہ قیمت خرید کے مطابق کیونکہ کسی چیز کے استعمال کرنے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قیمت میں بھی ضرور اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے۔

لہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولو تراضیا بنقض الکتب و ... بعضھا بقیمۃ ... جاز ... (الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ...)

زیادہ منافع کی امید پر کسی چیز کی فروخت میں تاخیر کرنا

سوال:۔ کاروبار کے سلسلے میں اگر کوئی شخص کسی دوسرے شہر سے حیوانات کی خوراک یا گندم وغیرہ لائے اور اس وقت مارکیٹ میں مندی ہو اب یہ شخص اس امید پر اس کی فروخت چند ماہ کے لیے مؤخر کرے تاکہ بعد میں منافع زیادہ ملے، کیا اس شخص کا یہ اقدام ذخیرہ اندوزی کے دائرہ میں آکر حرام ہے یا جواز کی گنجائش ہے؟

الجواب:۔ ذخیرہ اندوزی میں بنیادی طور پر مقامی لوگوں کی حق تلفی کر کے اپنے منافع و فوائد پیش نظر ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے شہر سے اجناس وغیرہ اپنے شہر یا گاؤں کو منتقل کرنے سے اس گاؤں والوں کا حق نہیں رہتا اس لیے صورت مسئولہ میں اس شخص کا یہ اقدام جائز ہے کیونکہ اس میں مقامی لوگوں کی حق تلفی نہیں ہوتی، تاہم مسلمانوں کو تکلیف میں دیکھتے ہوئے

لہ قال فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی رحمہ اللہ: ولو کان الواحد واحدا ... والقسمۃ لانہ لا یحتمل القسمۃ وکذلک کل ما یکون فی تبعیضہ ضرر۔

(الخانیۃ علی ھامش الہندیۃ ج ۳ ص ۱۵۰ کتاب القسمۃ)

وکذا فی شرح المجلۃ سلیم رستم باز تحت المادۃ ۱۳۲ ص ۹۲۵

ذاتی مفادات کو ترجیح دینا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ:- ومن احتکر غلۃ ضیعتہ او ما جلبہ من بلد آخر فلیس بمحتکر۔ (الھدایۃ ج۴ ص[illegible] کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع) ؎۱

بیع قطعی سے انحراف درست نہیں

سوال:- ایک شخص نے کسی پر خوشی و رضا اپنی دوکان پچاس ہزار روپے کے عوض فروخت کی اور مشتری نے کچھ رقم ادا کرکے باقی کا وعدہ کیا، چند دنوں کے بعد بھی بائع کسی اور آدمی کے ساتھ دوکان کا سودا کرنا چاہتا ہے کیا بائع کے لیے اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- باضابطہ طور پر ایجاب وقبول کے بعد بائع بیع فسخ کرکے مبیعہ کو کسی دوسرے پر فروخت کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، البتہ اگر بائع اور مشتری نے آپس میں باہمی رضامندی سے بیع فسخ کرلی تو بائع کے لیے مبیعہ کسی دوسرے کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ:- واذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منہما الا من عیب او عدم رؤیۃ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۲۵ کتاب البیوع) ؎۲

بائع اور مشتری کا ایک بار تولنے پر اکتفا کرنا

سوال:- جب موزونی یا مکیلی اشیاء ناپ تول کے حساب سے خریدی جائیں، اگر مشتری کے سامنے ایک دفعہ جب چیز تولی جائے تو کیا مشتری کے لیے دوبارہ تولنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی چیز کو ناپ تول کے حساب سے خرید کر جب طرفین کی موجودگی میں اس

؎۱ قال فی الہندیۃ: ومن اشتری طعاماً فی مصر او جلبہ الی مصر آخر واحتکرہ فیہ فانہ لا یکرہ ھکذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۳ ص۲۱۳ فصل فی الاحتکار کتاب البیوع)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۹ کتاب الاستحسان۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: البیع یلزم بایجاب وقبول ای حکم البیع یلزم بہما لانہ جعلہما غیرہ وانہ یلزم بہما مع ان البیع لیس الا ھما لا انہما رکناہ۔

(البحر الرائق ج۵ ص۲۶۲ کتاب البیوع)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۳ کتاب البیوع۔

معلوم چیز کو ناپ تول لیا جائے تو مشتری کو دوبارہ ناپ تول کی ضرورت نہیں بلکہ خریدنے کے بعد دونوں کی موجودگی میں ہی تولنا کافی ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وقال فی الخانیۃ لو اشتری کیلیاً مکایلۃ او موزوناً موازنۃً فکال البائع بحضرۃ المشتری، قال الامام ابن الفضل یکفیہ کیل البائع ویجوز لہ ان یتصرف فیہ قبل ان یکیلہ۔ (رد المحتار ج۵ ص۱۵۲ مطلب فی تصرف البائع فی المبیع قبل القبض) [1]

شرکاء کا اپنے حصص کو کسی ایک شریک کے ہاتھ فروخت کرنا

سوال:۔ چند شرکاء آپس میں مشترکہ طور پر کوئی چیز خریدتے ہیں خریدنے کے بعد آپس میں پھر بولی کرکے جو زیادہ قیمت پر آمادہ ہو تو وہ مبیع لیکر ہر ایک شریک کو اپنی رقم مع منافع واپس کرتا ہے تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ تمام شرکاء مشترکہ طور پر کوئی چیز خرید کر آپس میں نیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ رقم دینے والا ہو تو مبیع اس کے حوالے کیا جاتا ہے پس اس میں اگر نیلام سے طے شدہ رقم اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکاء کے حصص کا عوض ہو تو یہ جائز ہے گا ورنہ مجموعہ کو خریدنا جس میں اپنا حصہ بھی شامل ہو جائز نہیں۔

لما قال فی مجلۃ الاحکام: الشریک مخیر ان شاء باع حصتہ من شریکہ وان شاء باعھا عن اجنبی بدون اذن شریکہ۔ لکن فی صور خلط الاموال واختلاطھا التی بیناھا فی الفصل الاول۔ (مجلۃ الاحکام المادۃ ۱۰۸۸ ص۲۰۱) [2]

---

[1] قال ابن نجیم: بما اذا کالہ فی حضرتہ فانہ یکتفی من کیلہ وھو الصحیح لان المبیع صار معلوماً بکیل واحد۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۲۸ فصل فی بیان التصرف فی المبیع والثمن قبل قبضہ)
ومثلہ فی الھدایۃ ج۳ ص۵۹ کتاب البیوع۔

[2] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی: وکل من شرکاء الملک اجنبی فی مال صاحبہ ... وصح لہ بیع حصتہ ولو من غیر شریکہ بلا اذن الا فی صورۃ الخلط۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۴ ص۳۰۰ کتاب الشرکۃ مطلب الحق ان الدین یملک)
ومثلہ فی شرح المجلۃ لسلیم رستم باز تحت المادۃ ۱۰۸۸ ص۶۰۸۔

قرض کو فروخت کرنا

سوال: میں سعودی عرب میں کاروبار کرتا تھا وہاں میرا کسی شخص کے ذمہ دس ہزار روپے قرضہ ہے لیکن اب وہاں جانا اور اپنا قرض وصول کرنا بہت ہی مشکل ہے اس لیے میں یہ قرض کسی پر نو (۹) ہزار روپے پر فروخت کرنا چاہتا ہوں کیا قرض کی رقم اس طرح فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقروض کے علاوہ کسی اور پر قرض فروخت کرنا فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے[1]، صورت مذکورہ میں چونکہ نقد نو ہزار روپے کے بدلے قرض کے دس ہزار روپے لیے جاتے ہیں جو کہ ربوٰ النسیئہ کی وجہ سے اس کا خریدنا حرام ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وبیع الدین لا یجوز ولو باعه من المدیون او وهبه جاز۔ (الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۱۲۸ الفائدة ص ۱۲ کتاب البیوع)

غیرمسلموں کی متروکہ اشیاء فروخت کرنا

سوال: کسی ملک میں غیرمسلم کچھ عرصہ تک آباد رہنے کے بعد وہاں سے چلے جائیں تو ان کی باقیماندہ اشیاء کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کو فروخت کر کے حاصل ہونے والی قیمت کو ذاتی استعمال میں لانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی مسلم ملک سے غیرمسلم اقوام کے چلے جانے کے بعد ان کی رہ جانے والی جائیداد اور دیگر اشیاء ذاتی مفاد کے لیے فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے بلکہ ان اشیاء کو یا ان کی قیمت کو بیت المال کے حوالہ کرنا ہوگا، اور اگر بیت المال کا کوئی قابل اعتماد انتظام نہ ہو بلکہ اس میں ان اشیاء کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کسی ایسی جگہ میں خرچ کرنا مناسب ہے جہاں سے عمومی مفادات وابستہ ہوں، ایسے اموال کے لیے دینی مدارس اور درسگاہیں بہترین مقامات مصرف ہیں۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانی رحمه الله: وما اوجف المسلمون علیهم من اموال

---

[1] قال ملک العلماء علامه کاسانی رحمه الله: بیع الدین من غیر من علیه ... والشراء بها من غیر من علیه فیتطرق الفساد الی البیع والشراء ... الی التین لم یجز۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۴۸ فصل واما شرائط الصحة)

ومثله فی فتاوی تنقیح حامدیه ج ۲ ص ۲۴۸ کتاب المداینات۔

أهل الحرب بغير قتال يصرف عليه في مصالح المسلمين كما يصرف الخراج قالوا هو مثل الأراضي التي أجلوا أهلها عنها۔ (الهداية ج۲ ص۵۶۲ كتاب السير، فصل وإذا دخل الحربي إلينا۔ الخ)[1]

ہم جنس موزونی اشیاء کو بلا وزن فروخت کرنا

سوال: بعض علاقوں میں کچھ اشیاء بغیر تول کے فروخت کی جاتی ہیں۔ اگر بعض موزونی اشیاء مثلاً پیاز، لہسن وغیرہ اندازے سے بغیر تول کے اپنی ہم جنس پر فروخت کی جائیں تو ازروئے شرع یہ بیع درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: موزونی اشیاء بغیر تول کے اپنی جنس پر فروخت کرنا اور تبادلہ میں لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں ربا (سود) کا شبہ پایا جاتا ہے، پس یہی شبہ حقیقی ربوا کے قائم مقام ہو کر بیع جائز نہ ہوگی۔

لما قال علي بن أبي بكر المرغيناني رحمه الله: ويجوز بيع الطعام والحبوب مكايلة ومجازفة وهذا إذا باعه بخلاف جنسه لقوله عليه السلام إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم بعد أن يكون يداً بيد بخلاف ما إذا باعه بجنسه مجازفة لما فيه من احتمال الربوا۔ (الهداية ج۳ ص۲۲ كتاب البيوع)[2]

گڑ کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کرنا

سوال: بعض علاقوں میں گڑ صاف کرنے کے لیے

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وما أخذ منهم بلا حرب ولا قهر كالهدية والصلح فهو لا غنيمة ولا فيء وحكمه حكم الفيء لا يخمس ويوضع في بيت المال۔
(رد المحتار ج۴ ص۱۳۸ باب المغنم وقسمته، مطلب في بيان معنى الغنيمة والفيء)
ومثله في فتح القدير ج۵ ص۲۴۳ كتاب السير۔

[2] قال ابن نجيم: ويباع الطعام كيلاً وجزافاً فالحديث البخاري فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم ولا يرد عليه بيع بجنس بالجنس من الربويات مجازفة لما يأتي في الربوا من أنه غير جائز إلا إذا كان قليلاً۔ (البحر الرائق ج۵ ص۲۸۲ كتاب البيوع)
ومثله في فتح القدير ج۵ ص۲۴۹ كتاب البيوع۔

رنگ کاٹ دغاش قسم کا کیمیکل استعمال کیا جاتا ہے تاکہ سفید ہو کر قیمت بڑھ جائے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بیع پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ اگر زیور کی صفائی اور اس کا معیار بہتر بنانے کے لیے رنگ کاٹ استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر رنگ کاٹ کے استعمال کا مقصد ادنیٰ قسم کو اعلیٰ ظاہر کرنا ہو یا خریدار کو تلبیس اور دھوکہ دینا مقصود ہو تو یہ ملاوٹ کے مترادف ہو کر ناجائز اور حرام ہوگا۔

اخرج الامام ابوداؤدؒ: عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم مر برجل يبيع طعاما فسأله كيف تبيعه فاخبره فاوحی اليه ان ادخل يدك فيه فادخل يده فيه فاذا هو مبلول فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم ليس منا من غش۔

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب النهی عن الغش كتاب البيوع)۔ له

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت و کاروبار کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جمعہ کے دن جب وقت داخل ہونے پر اذان دی جائے تو اس وقت جمعہ کے متعلقہ امور کے علاوہ دیگر امور میں مصروف ہونا مناسب نہیں، اس بنا پر جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جمعہ کی سعی اور نماز میں متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کو موقوف کر دینا چاہیئے۔

له قال الله تبارك وتعالى: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورة الجمعة آيت ۹)۔ له

له قال فی الهندية: ويكره ان يلبس الجيد بالردی وان يصبغ للعصر بالزعفران

(الفتاوی الهندية ج ۳ ص ۲۱۰ فصل فی الاحتكار)

ومثله فی رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۵ باب البيع الفاسد بعد مطلب احكام نقصان البيع الفاسد

له قال العلامة علی بن ابی بكر المرغينانیؒ: والبيع عند اذان الجمعة قال الله تعالیٰ وذروا البيع ثم فيه اخلال بالواجب السعی على بعض الوجوه وقد ذكرنا الاذان المعتبر فيه فی كتاب الصلوة كل ذلك يكره ولا يفسد به البيع۔ (الهداية ج ۳ ص ۵۳ فصل فيما يكره كتاب البيوع)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۹۹ فصل فی البيع الفاسد۔

ضرورت سے زائد روٹیاں جمع کرکے فروخت کرنا

سوال: بعض لوگ ضرورت سے زائد روٹیاں (ٹکڑے وغیرہ) جمع کرکے فروخت کرتے ہیں تو کیا ان روٹیوں کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خرید و فروخت کے لیے بنیادی طور پر کسی چیز کا مال متقوم ہونا لازمی ہے، اس بنا پر روٹی اور آٹا چونکہ مال متقوم میں سے ہے لہٰذا اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔

لما قال فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي: وشرطه أن يكون في العقد عوضان كل واحد منهما مال ليتحقق ركن البيع وهو مبادلة المال بالمال. (تبيين الحقائق ج۴ ص۴۴ فصل في قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع) ؎۱

کاریز کا پانی فروخت کرنا

سوال: بعض علاقوں میں پانی کی کمی دور کرنے کے لیے کاریز استعمال کئے جاتے ہیں، تو کیا ان کاریزوں سے حاصل ہونے والا پانی فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے کاریز کو نہر جاری کے حکم میں شمار کیا ہے، نہر کے پانی کی طرح کاریز کا پانی بھی مملوک اور محرز نہیں اسلئے کاریز کا پانی فروخت کرنا جائز نہیں، تاہم اگر اس کو باقاعدہ طور پر محرز کرکے فروخت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال علي بن أبي بكر المرغيناني: والثالث إذا دخل الماء في المقاسم فحق الشفعة ثابت ... ولأن البئر ونحوها ما وضع للإحراز ولا يملك المباح بدونه كالظبي إذا تكنس في أرضه.

(الهداية ج۴ ص۴۸۰ فصل في مسائل الشرب) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وقيد بقوله وكل من عوضيه مال ليخرج البيع بالميتة وكل بيع باطل. (البحر الرائق ج۶ ص۷۴ فصل في البيع الفاسد)

ومثله في حاشية الشلبي على هامش تبيين الحقائق ج۴ ص۲ كتاب البيوع۔

؎۲ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والقناة مجرى الماء تحت الأرض ... لأنه نهر في الحقيقة فتعتبر بالنهر ولأن الأنهار والآبار والحياض لم توضع للإحراز والمباح لا يملك إلا بالإحراز. (البحر الرائق ج۸ ص۲۱۲ كتاب إحياء الموات)

ومثله في رد المحتار ج۶ ص۴۳۲ كتاب إحياء الموات۔

بیع فضولی کا حکم

سوال:- ایک آدمی کی مملوکہ زمین اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کے بھائی نے فروخت کردی، اب وہ اپنی زمین واپس لینا چاہتا ہے، اس کے اصرار کے باوجود بھی مشتری واپس کرنے پر رضامند نہیں، تو اب مذکورہ زمین کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:- کسی کی مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر شرعاً کسی کو بھی تصرف کا حق حاصل نہیں، لہٰذا جو زمین کسی کی بذریعہ شہادت ثابت شدہ و مسلمہ شدہ ملکیت ہو تو اس میں کسی اور کا تصرف درست نہیں اور وہ شرعاً اپنی مملوکہ زمین واپس لینے کا مجاز ہے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ومن باع ملک غیرہ بغیر امرہ فالمالک بالخیار ان شاء اجاز البیع وان شاء فسخ۔ (الھدایۃ ج ۳ ص۹۰ کتاب البیوع۔ فصل فی بیع الفضولی)[1]

جانوروں کے خون کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- جانوروں کا خون بیچنا کیسا ہے؟ اور اس سے استفادہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- خون بذات خود ایک نجس شے ہے اور اسلام نے اس کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے، اس سے بلا ضرورت شرعی انتفاع لینا بھی صحیح نہیں، لہٰذا جانوروں کے خون کی خرید و فروخت اور اس سے انتفاع دونوں صحیح نہیں ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتۃ۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج ۴ ص۱۱ کتاب البیوع)

کما قال اللہ تعالیٰ: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳)

کما قال الرسول ﷺ: ان اللہ اذا حرم علی قوم اکل شئ حرم علیھم ثمنہ۔

(اعلاء السنن ج ۱۴ ص۸۷ ابواب البیوع الفاسدۃ۔ باب حرمۃ بیع الخمر والدم)

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: شرائط النفاذ نوعان: الملک او الولایۃ وان لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع فلم ینعقد بیع الفضولی۔ (رد المحتار ج ۴ ص۵ کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع انواع اربعۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۳ ص۳ کتاب البیوع الباب الاول فی تعریف البیع ... الخ۔

[2] قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: بیع المیتۃ والدم والخنزیر باطل لانھا لیست اموالاً فلا تکون محلا للبیع۔ (الھدایۃ ج ۳ ص۳۴ باب البیع الفاسد کتاب البیوع)

مشترکہ جائیداد اور اراضی کی بیع و شراء کا حکم

سوال:- مشترکہ جائیداد اور اراضی کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب:- مشترکہ جائیداد کی خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس میں تمام شرکاء کی رضامندی شامل ہو کیونکہ ہر ایک اپنے حصہ کا مالک ہے اور مالک اپنے حصے میں تصرف کرسکتا ہے، لہٰذا یہ بیع صحیح ہے فاسد نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: اذا باع احد الشریکین نصفها فان ثم یجوز البیع فی نصف الدار لان بیع المالک انصرف الی نصیبه باع احدهما نصیبه فالبیع جائز بلا توقف الموانع۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۲۲۲ کتاب البیوع)[1]

مشتری کا بائع کو دھوکا دینا

سوال:- ایک شخص نے کسی سے بغبن فاحش زمین خریدی، اب وہ تیرہ چودہ سال کے بعد یہ زمین بائع کو واپس کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب:- ایسی خرید و فروخت جس میں ایک دوسرے کو دھوکا دیا گیا ہو تو فریق کو اسے رد کرنے کا اختیار ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وان غر المشتری البائع او بالعکس او غره الدلال فله الرد۔ (رد المحتار ج۴ ص۱۶۸ باب المرابحة والتولیة)

لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اس غبن کے معلوم ہونے سے پہلے مشتری نے مبیع میں تصرف نہ کیا ہو ورنہ بائع نے ثمن میں تصرف کیا ہو جس سے ان کی رضا معلوم ہوتی ہے۔

کما قوله علیه السلام: نهی عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۹۹)[2]

---

[1] قال العلامة الزیلعیؒ: هذا لانه بالبیع صار شرکة ملک حتی لا یجوز لکل واحد منهما ان یتصرف فی نصیب الآخر رغم بالقسمة بعد ذلک صار شرکة عقد فیجوز لکل واحد منهما ان یتصرف فی نصیبه صحیحه۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۳۲۲ کتاب البیوع)

[2] قال العلامة [illegible]: اذا غر احد المتبایعین الآخر وتحقق ان فی البیع غبنا فاحشا فللمغبون ان یفسخ البیع حینئذ۔ (شرح المجلة ج۱ ص۱۹۹ [illegible])

قربانی کے لیے خریدے گئے حاملہ جانور کی واپسی کا حکم

سوال: ایک آدمی نے کسی سے قربانی کے لیے جانور خریدا، بیع ہو جانے کے بعد مشتری کو علم ہوا کہ وہ تو حاملہ ہے، کیا صرف اس وجہ سے اس کو واپس کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیع تام ہو جانے کے بعد جب کسی جانور میں عیب کا پتہ چلے اور وہ بائع کے ہاں سے ہی اس جانور میں موجود ہو اور بائع نے بتایا بھی نہ ہو تو اس وجہ سے مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، کسی جانور کا حاملہ ہونا کوئی عیب نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں، تاہم اقالہ کی صورت میں مبیعہ واپس کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: نعم له ردها بعیب الحبل و الحبل عیب فی الجاریة لا فی البهائم۔ (تنقیح الحامدیة ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب البیوع، باب الخیارات)[1]

بیع فسخ کرنے کی صورت میں بائع پر جرمانہ لگانا

سوال: دو آدمیوں نے کچھ مشترکہ زمین فروخت کی اور مشتری سے کچھ رقم نقد لے لی اور بقیہ رقم رجسٹری کی تکمیل تک مؤخر کر دی تھی اور اس کے ساتھ مشتری نے یہ شرط لگائی کہ اگر بائع نے زمین واپس لی تو اسے پچیس ہزار روپے جرمانہ ادا کرنا ہو گا، کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: مذکورہ صورت میں اگر یہ شرط اور رقم کی وصولی وغیرہ بیع کے ایجاب و قبول کے وقت لگائی گئی ہو تو یہ بیع فاسد ہے اور دونوں سے ہر ایک بلا رضا کے بھی فسخ کر سکتا ہے، نیز فسخ کی صورت میں وصول کردہ رقم واپس کرنا ضروری ہے، تاہم فسخ کرنے والے سے جرمانہ لینا جائز نہیں اور اگر ایجاب و قبول کے بعد ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: طلب فی الشرط نفاسد اذ ذکر

---

[1] وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل اشتری جاریة واحبلها لا یردها بالعیب۔ (خلاصة الفتاوی ج ۳ ص ۹۸ باب خیار العیب، کتاب البیوع)

و مثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۴۲ باب خیار العیب۔

بشرطیکہ اس میں کوئی دھوکا نہ ہو۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: یجوز بیع الطعام والحبوب مکایلۃ ومجازفۃ ...... قوله ویجوز بإناء بعینه لا یعرف مقداره وبوزن حجر بعینه لا یعرف مقداره لأن الجهالة لا تفضي إلى المنازعة. (الهدایۃ ج۳ ص۲۲ کتاب البیوع)[1]

نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کیا کسی نابالغ کی جائیداد جبراً فروخت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) دو نابالغ بھائیوں میں سے ایک اپنے دوسرے بھائی کی جائیداد فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ان کو اس کا علم بھی نہ ہو؟

(۳) شفعہ کا حق نسبت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے یا جوار (قرب) کی وجہ سے؟

الجواب:- (۱) کسی اجنبی کا نابالغ کی جائیداد بدون اس کی رضا کے فروخت کرنا درست نہیں، تاہم باپ کو منفعت کے پیش نظر تصرف کا حق ہے۔

(۲) اگر یہ فروخت کنندہ بذات خود قیم ہو اور اس کے ساتھ نابالغ اور غیر عاقل بھی ہو تو اس کی خرید و فروخت کالعدم و نامنظور ہے

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط أهلیۃ المتعاقدین بکونهما عاقلین لا بشرط البلوغ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۔۔ کتاب البیوع)

(۳) اور شفعہ کا حق نسبت نسب کی بجائے شرکت اور جوار (قرب) کی وجہ سے زیادہ حاصل ہے۔

قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: وإذا أکره الرجل علی بیع ماله أو علی شراء سلعۃ أو علی أن یقر لرجل بألف أو یؤاجر داره وأکره علی ذلك

---

[1] قال العلامۃ بدر الدین العینی رحمہ اللہ: یباع الطعام کیلاً أي من حیث الکیل ویباع أیضاً وجزافاً لأن بکل منهما یصیر معلوماً، أما الکیل فظاهر وأما الجزاف فلأنه بالإشارۃ تنتفی الجهالۃ. (عینی شرح کنز ج۲ ص۔۔ تحت فی بیان احکام البیوع)
ومثله فی البحر الرائق ج۵ ص۲۸۲ تحت احکام البیوع۔

بالقتل او بالقهر او بالضرب او بالحبس فباع او اشترى فهو بالخيار ان شاء مضى البيع وان شاء فسخه ما لبيع ـ (الهداية ج ۳ ص ۳۳ كتاب البيوع) [۱]

بائع کا منفعت کی شرط لگانا باطل ہے

سوال :- ایک شخص نے کسی پر ایک مکان بطور رہن یہ شرط لگا کر فروخت کر دیا کہ جب رقم واپس کی جائے گی تو مکان بھی واپس مل جائے گا، تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- جس بیع میں بائع کی منفعت کے لیے ایسی شرط لگائی گئی ہو تو وہ بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں اس سے ممانعت کی گئی ہے ۔

قال العلامة المرغيناني: وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده الا انه قال۔

(الهداية ج ۳ ص ۶۲ كتاب البيوع باب البيع الفاسد) [۲]

رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے بیع وشراء کا حکم

سوال :- ایک گاؤں کے مکینوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہم اپنے گاؤں کی چیزیں مثلاً انڈے، مرغیاں وغیرہ فلاں خاص شخص ہی کو فروخت کریں گے، نیز وہ اس معین شخص پر یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ وہ ہم کو بیس روپے ماہانہ چندہ دے گا جسے ہم رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کریں گے، تو کیا خرید وفروخت کیلئے ایسی شرط

---

[۱] قال العلامة ابن عابدين: (قوله بالجور) القضاء بخلاف الحق اما عن خطأ او عمد وكل على وجهين اما في حقه تعالى او حق العبد فالخطأ في حق العبد اما ان يمكن فيه تدارك والرد اولا فان امكن بان قضى بمال وصدقة او طلاق او عتاق ... يبطل القضاء ... (رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۱ ...)

وايضاً (وتوقف بيع مال الغير) لو غيبا بالغاً عاقلاً فلو صغيراً او مجنوناً لم ينعقد اصلاً كما في الزواهر معزيا للثانية. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۱۴۵ كتاب البيوع)

[۲] قال العلامة المرغيناني: كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين الى آخره. (الهداية ج ۳ ص ۶۲ باب البيع الفاسد)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۵۲ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد.

لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درج بالا صورت میں منصوبہ بندی سے ایک معین شخص سے خرید و فروخت جائز ہے بشرطیکہ اس سے ذخیرہ اندوزی اور روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتیں بڑھانا مقصود نہ ہو، البتہ چندہ دینے کی شرط لگانا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے چندہ دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وفی مجلۃ الاحکام: البیع بشرط لیس فیہ نفع لاحد العاقدین یصح والشرط لغو۔ (مجلۃ الاحکام ص۸۳ المادۃ ۱۸۹ کتاب البیوع الفصل الرابع فی الشرط بالبیع)[1]

موہوبہ زمین کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ موہوبہ زمین کی خرید و فروخت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ موہوبہ زمین کو باقاعدہ ہبہ کے بعد فروخت کیا جا سکتا ہے بلکہ اس سے واہب کو رجوع کا حق بھی ختم ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ سلیم رستم باز: اذا باع الموہوب لہ الموہوب او اخرجہ عن ملکہ بالہبۃ والتسلیم لا یبقی للواہب حق الرجوع۔
(شرح المجلۃ المادۃ ۸۶۶ تحت احکام الہبۃ)[2]

الکحل کی تجارت کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض ادویات میں الکحل استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کاروبار رواج پکڑ چکا ہے، تو کیا الکحل کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ سلیم رستم باز اللبنانی: لو شرط فی البیع نفعاً علی اجنبی کما لو باعہ شیئاً بشرط ان یقرضہ فلان عشرۃ دراہم فالبیع صحیح والشرط لغو۔ (شرح مجلۃ الاحکام ص۹۹ المادۃ ۱۸۹ کتاب البیوع۔ الفصل الرابع فی الشرط بالبیع)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم: خروج الہبۃ من ملک الموہوب لہ بالکلیۃ بان باع الہبۃ او وہبہا (البحر الرائق ج۷ ص۲۹۳ تحت باب الرجوع فی الہبۃ)

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ جب شراب دیگر اناج واشیاء سے بنائی گئی ہو تو بصورت شرعی مجبوری استعمال کرنا جائز ہے تو اس کی تجارت کی بھی گنجائش موجود ہے۔ موجودہ الکحل (جو کہ شراب ہی کی ایک قسم ہے) چونکہ پٹرولیم گنّے وغیرہ اشیاء سے بنائی جاتی ہے اور فروٹ بہت ساری ادویات، رنگوں کے علاوہ دیگر کیمیکلز میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے اس لیے بناء بر قول امام ابوحنیفہؒ اس کی خرید وفروخت جائز ہے، موجودہ دور میں عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: الشراب لغة كل مائع يشرب واصطلاحاً ما يسكر والمحرم منها اربعة ...... وصح بيع غير الخمر۔ قال ابن عابدينؒ: تحت قوله (صح بيع غير الخمر) اي عنده خلافاً لهما في البيع والضمان لكن الفتوى على قوله في البيع۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۵۴ كتاب الاشربة) له

حیوانات کی ادھار بیع کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے دوسرے شخص سے کہا کہ آپ اس سال مجھے اپنا بیل دے دیں میں اس کے عوض میں آئندہ سال دوسرا بیل دے دوں گا، تو کیا شرعاً یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسئولہ صورت میں حیوان کی بیع حیوان کے بدلے میں بصورت قرض ہے چونکہ شرعاً حرام ہے، اس لیے دونوں عاقدین کی یہ عقد بیع جائز نہیں۔

عن ابن عمرؓ ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة۔ (معاني الآثار ج۲ ص۲۲۹ باب النهي عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة) ۲ه

له قال العلامة مرغينانيؒ: الاشربة المحرمة اربعة...... وقد بينا المعنى من قبل الا ان حرمة هذه الاشربة دون حرمة الخمر حتى لا يكفر مستحلها ويكفر مستحل الخمر..... ويجوز بيعها ويضمن متلفها عند ابي حنيفة خلافاً لهما فيهما الخ (الهداية ج۴ ص۴۹۲ كتاب الاشربة)

۲ه قال الشيخ ظفر احمد العثمانيؒ: لا يجوز بيع شيء من الحيوان من رقيق ولا غيره بشيء من الحيوان لا رقيق ولا غيره نسيئة لان الحيوان لا يجوز فيه السلم اي الاجل وقال عن عبد الله بن مسعودؓ انه نهى السلم في الحيوان. (اعلاء السنن ج۱۴ ص۳۴۵ باب النهي عن بيع الحيوان بالحيوان نسيئة)

ومثله في كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۲ ص۳۰۰ كتاب البيع - اركان السلم۔

خشک و تر کھجور میں تفاضل

سوال:- تیار کھجور جو کہ عام طور پر بازار میں ملتی ہے اگر اس کو تر یعنی کچی کھجور سے (جو کہ ابھی تک درخت پر ہے) دوگنا زیادہ وزن سے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بازار میں دونوں کی قیمت میں بہت فرق ہے، مثلاً تر کھجور فی کلو دس روپے اور تیار کھجور تیس روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کی جاتی ہے۔

الجواب:- احناف کے نزدیک رطب اور تمر دونوں ایک جنس ہیں اس لیے ان کی بیع برابر سرابر کی جائے گی زیادتی ربوٰ (سود) میں داخل ہے لہٰذا تر کھجور کو عام کھجور کے مقابلہ میں دوگنا وزن یا قیمت پر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلاً بمثل عند ابی حنیفۃؒ وقالا لا یجوز لقولہ علیہ السلام حین سئل عنہ او ینقص اذا جف فقیل نعم فقال علیہ السلام لا اذا، ولہ ان الرطب تمر لقولہ علیہ السلام حین اھدی الیہ رطباً أوکل تمر خیبر ھکذا سماہ تمراً وبیع التمر بالتمر بمثلہ جائز۔ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۶ ص۱۴۸ باب الربو)[1]

مختلف ممالک کی کرنسی کی تجارت کا حکم

سوال:- آج کل صراف بازار میں ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے زیادہ داموں بیچنے کا رواج عام ہے، مثلاً ایک آدمی نے امریکی ڈالر ایک دن قبل پچاس روپے کا لیا ہے اب وہ اس کو پچپن روپے میں فروخت کرتا ہے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- دو ملکوں کی کرنسی چونکہ مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اور اسی وجہ سے ان کے نام کی اکائیاں وغیرہ مختلف ہوتی ہیں اور مختلف الاجناس اشیاء

---

[1] قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: (قال ویجوز بیع الرطب بالتمر مثلاً بمثل) بیع الرطب بالتمر متفاضلاً لا یجوز بالاجماع ومثلاً بمثل جوزہ ابو حنیفۃؒ خاصۃ وقالا لا یجوز۔

(العنایۃ علی ھامش فتح القدیر ج۶ ص۱۴۸ باب الربو)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۱۸۰ باب الربوٰ۔

کو تفاضل کے ساتھ بیچنا جائز ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کو دوسرے ملک کی کرنسی سے تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وان عدما ...... حل کھروی بمرو یین لعدم العلۃ فبقی علی اصل الاباحۃ وان وجد احدھما ای القدر وحدہ او الجنس حل الفضل وحرم النساء ولو مع التساوی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۱۷۲ باب الربٰو مطلب فی الابراء عن الربا) [1]

قبل القبض کسی چیز کی فروخت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میں جائیداد کی خرید و فروخت (ریل اسٹیٹ) کا کاروبار کرتا ہوں، اس تجارت میں بعض اوقات زمین اور مکانات وغیرہ کو اس کے مالک سے قبضہ سے پہلے لیا جاتا ہے، اگر اس کو کسی اور شخص پر فروخت کر دیا جائے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ قبل القبض کسی چیز کا فروخت کرنا شرعاً ممنوع ہے، البتہ احناف کے نزدیک زمین اس حکم سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا زمین پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری: اما بیع الاعیان غیر المنقولۃ قبل قبضھا کبیع الارض والضیاع والنخیل والدور ونحو ذلک من الاشیاء الثابتۃ التی لا یخشی ھلاکھا فانہ یصح۔ (کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب البیع مبحث تصرف فی المبیع) [2]

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی: واذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المضموم الیہ حل التفاضل والنساء لعدم العلۃ المحرمۃ والاصل فیہ الاباحۃ واذا وجدا حرم التفاضل والنساء لوجود العلۃ واذا وجد احدھما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء۔
(الہدایۃ علی فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۳ باب الربٰو)
ومثلہ فی فتح القدیر ج ۶ ص ۱۵۳ باب الربٰو۔

[2] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: والثالث لا یجوز بیع مبیع قبل قبضہ الا الدور والارض قالہ ابو حنیفۃ وابو یوسف رحمھما اللہ۔
(اعلاء السنن ج ۱۴ ص ۲۲۶ باب النہی عن بیع المشتری قبل القبض)
وکذٰلک فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۸۱ فصل شرائط صحۃ البیع۔

قسطوں کے اختتام سے قبل گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال:- اگر ایک گاڑی قسطوں پر خریدی جائے اور قسطوں کی مکمل ادائیگی سے قبل اگر گاڑی کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو یہ نقصان بائع کا متصور ہوگا یا مشتری کا؟ قرآن وسنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- بیع چاہے نقد رقم سے ہو یا اُدھار سے، ایجاب قبول ہونے اور قبضہ ہو جانے پر بیع تام ہو جاتی اور مبیع مشتری کی ملکیت بن جاتی ہے، اس کے بعد مبیع کو جو نقصان پہنچے گا وہ مشتری کا ہوگا، بائع پر رجوع صحیح نہیں، تاہم اگر مبیع بائع کی ملکیت میں ہلاک ہو جائے تو نقصان بائع پر ہوگا۔

قال العلامة سليم رستم باز: المبيع اذا هلك في يد البائع قبل ان يقبضه المشتري يهلك من مال البائع ولاشئ على المشتري...... اذا هلك المبيع بعد القبض هلك من مال المشتري ولا شئ على البائع۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۲۹۳، ۲۹۴ ص۱۶۶ الفصل الرابع ....)[1]

قسط لیٹ ہونے کی وجہ سے مبیع واپس نہیں ہو سکتا

سوال:- گاڑیوں کی تجارت کرنے والے بعض لوگ قسطوں میں گاڑی فروخت کرتے وقت یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر مشتری نے اتنی مدت میں تمام قسطیں ادا نہ کیں تو ادا کی گئی اقساط ضبط متصور ہوں گی اور مبیع میری ملکیت ہوگی، اور دونوں (بائع اور مشتری) ان شرائط پر دستخط کرتے ہیں۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اقساط لیٹ ہو جانے یعنی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع مبیع کو واپس لینے کا

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولو قبضه المشتري وهلك في يده ففيه مثله او قيمته بالقيمة...... ولو هلك في يد البائع انفسخ البيع ولاشئ على المشتري اعتبارًا بالبيع الصحيح المطلق۔ (الهداية على هامش فتح القدير ج۵ ص۲۰۵ كتاب البيوع)

ومثله في فتح القدير ج۵ ص۲۰۵ كتاب البيوع۔

شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خرید و فروخت میں ایجاب و قبول کے لینے سے بیع تام ہو جاتی ہے اس کے بعد فریقین میں سے کسی کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فریق ثانی کی رضامندی کے بغیر مبیعہ پر ہاتھ ڈالے۔ اسی بناء پر صورت مسئولہ میں اس قسم کی شرائط طے کرنا لغو ہے، رقم بدستور مشتری کے ذمے واجب الاداء ہے۔ اور اگر وہ ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو قانون کا سہارا لے کر رقم وصول کی جا سکتی ہے، اس طرح بیت و لعل کرنے سے اس کے ذمہ باقی اقساط ختم نہیں ہو جاتیں اور نہ بائع بغیر اس کی رضامندی کے مبیعہ واپس لے سکتا ہے۔

قال العلامة سليم رستم باز: اذا كان البيع لازماً فليس لاحد المتبايعين الرجوع عنه۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ۳۷۵ ص۱۷۳ الفصل الثاني في حكم انواع البيوع) ؎

گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر سودا بیچنے کا شرعی حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دوکاندار حضرات ایک گاہک کو ایک دام سے کوئی چیز دیتا ہے جبکہ دوسرے گاہک کو وہی چیز کسی اور دام سے دیتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا کہ دونوں گاہکوں میں برابری کرنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ بیع نام ہے ایک مال کو دوسرے مال سے باہمی رضامندی سے تبدیل کرنا، شریعت نے اس معاملے میں کسی کو پابند نہیں کیا ہے، اس لیے دوکاندار کا ایسا کرنا جائز ہے تاہم ناجائز منافع سے پرہیز کیا جائے۔

قال العلامة علي حيدر: وجاء تعريف البيع في كثير من الكتب الفقهية بانه مبادلة المال بالمال بالرضا۔ (درر الحكام شرح مجلة الاحكام ج۱ ص۱۰۰ مقدمة في بيان الاصطلاحات الفقهية) ؎

؎ قال العلامة علي حيدر: ليس لاحد المتبايعين وبعد تمام البيع النافذ اللازم ان يرجع عنه بدون رضاء الآخر (الرجوع من الوجوه)۔ درر الحكام شرح مجلة الاحكام ج۱ ص۳۴۴ الفصل الثاني في بيان احكام انواع البيع)

؎ قال العلامة ابن الهمام: فقال فخر الاسلام البيع لغة مبادلة المال بالمال، وكذا في الشرع لكن زيد فيه قيد التراضي۔ (فتح القدير ج۵ ص۲۵۵ كتاب البيوع)

ومثله في كنز الدقائق ص۲۲۷ كتاب البيوع۔

بجلی کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بجلی کی بیع و شراء جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بجلی کوئی عین نہیں؟

الجواب: چونکہ مبیع کا عین ہونا ضروری نہیں اس لیے اگر کوئی چیز عین نہ ہو مگر عرفی وہ مال بھی جاتی ہو تو اس کی بیع جائز ہے، لہذا بجلی اگرچہ عین نہیں لیکن اس کی بیع و شراء جائز ہے۔ کیونکہ اسی قسم کی اشیاء مالیت میں داخل ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: المالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳ کتاب البیع، مطلب فی تعریف المال والملک) [1]

ڈرافٹ کی رسید کی بیع کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرا بھائی سعودی عرب میں محنت مزدوری کرتا ہے، اگر وہ ڈرافٹ کے ذریعے کچھ پیسے پاکستان اپنے اہل وعیال کے لیے بھیجے اور کسی وجہ سے وہ ڈرافٹ لیٹ ہو جائے اور اس کے اہل خانہ کو رقم کی اشد ضرورت ہو تو کیا میں ان کے اہل خانہ سے اس ڈرافٹ کی مالیت کے عوض وہ ڈرافٹ خرید سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: ڈرافٹ اگرچہ فی ذاتہ ایک کاغذ ہے جس کی کوئی ذاتی قدر و قیمت نہیں مگر اس وقت وہ ایک معین رقم کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے اس وقت بنا برعرف وہ بھی قیمتی مال بن چکا ہے اس لیے اس کو اتنی قیمت کے بدلے خریدنا جائز ہے جتنی کہ اس کی مالیت ہے۔ اسی طرح ٹریول چیک اور پرائز بانڈ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والمالية تثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳ کتاب البیع، مطلب فی تعریف المال والملک) [2]

---

[1] قال الشیخ وھبة الزحیلی: المال ھو کل عین ذات قیمة مادیة بین الناس۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۴۲ الفصل الاول عقد البیع)
ومثله فی الدر المنتقی علی ھامش مجمع الانھر ج۲ ص۲ کتاب البیوع۔

[2] قال الشیخ وھبة الزحیلی: المال ھو کل عین ذات قیمة مادیة بین الناس۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۴۲ کتاب البیوع)
ومثله فی الدر المنتقی علی ھامش مجمع الانھر ج۲ ص۲ کتاب البیوع۔

زندہ مرغی کو تول کر فروخت کرنا

سوال:۔ آجکل بازار میں زندہ مرغیاں تول کر فروخت کی جاتی ہیں جبکہ ان کا گوشت حساب شدہ وزن سے کم ہوتا ہے، تو کیا ایسا معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ زندہ مرغیوں کے مروجہ طریقۂ بیع میں پولٹری فارم والا مشتری پر صرف گوشت فروخت نہیں کرتا بلکہ وہ زندہ مرغی فروخت کرتا ہے اس لیے اصل مبیع معلوم ہونے کی وجہ سے ایسا معاملہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: البيع شرعاً مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله ...... على وجه مفيد مخصوص أي بإيجاب أو تعاط اھ۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۴ ص[illegible] كتاب البيوع)[1]

مرغیوں کی بیٹ کو بطور کھاد فروخت کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل مالکان پولٹری فارم مرغیوں کی بیٹ کو بصورت کھاد زمینداروں پر فروخت کر دیتے ہیں، کیا شرعاً ایسی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس بیع سے وصول شدہ رقم کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ پولٹری فارم کی کھاد صرف مرغیوں کی بیٹ پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں چاول کا چھلکا، مٹی اور لکڑی وغیرہ کا برادہ اور دیگر کئی اشیاء خلط ملط ہوتی ہیں اس لیے اس کو فروخت کرنا درست اور اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی جائز اور حلال ہے، فقہی ذخائر میں اس کے نظائر موجود ہیں۔

قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: ورجيع الآدمي لم يغلب عليه التراب فلو مغلوباً به جاز كسرقين وبعر واكتفى في البحر بمجرد خلط

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: البيع: واصطلاحاً عند الحنفية مبادلة مال بمال على وجه مخصوص، أو هو مبادلة شيء مرغوب فيه بمثله على وجه مخصوص أي بإيجاب أو تعاط اھ۔

(الفقه الإسلامي وأدلته ج۴ ص[illegible] الفصل الأول عقد البيع)

ومثله في [illegible] ج[illegible] ص[illegible] كتاب البيوع۔

بحوالہ ۔ قال ابن عابدینؒ تحتہ ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع بہ والوقود بہ ۔ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۱۳ فصل بیع الفاسد قبیل مطلب الآدمی مکرم شرعاً ولو کافراً) ۔ لہ

تصنیف یا طباعت کے حقوق فروخت کرنا

سوال :۔ آج کل تصنیف و تالیف اور طباعت کے حقوق کی تجارت عام ہے ، مصنف حضرات اپنی تصانیف کے مسودے تاجران کتب پر مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ حق تصنیف اگرچہ حقوق مجردہ سے متعلق ہے مگر حقوق مجردہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت وابستہ ہو جیسے حق وظیفہ وغیرہ ۔ (۲) دوسرے وہ حقوق جن کے ساتھ مالی منفعت متعلق نہیں جیسے حق شفعہ وغیرہ ۔ شریعت اسلامی میں مالی منفعت والے حقوق سے دستبرداری کے عوض مال لینا جائز ہے ۔ حق تصنیف کے ساتھ بھی دورِ حاضر میں چونکہ مالی منفعت وابستہ ہے اس لیے اس کی بیع و شراء جائز ہے ، فقہی اصطلاح میں اس کو حق اسبقیت کہا جاتا ہے ۔

قال الحصکفیؒ : ولا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة وعلی هذا لا یجوز الاعتیاض عن الوظائف بالاوقاف وفیها فی آخر بحث تعارض العرف مع اللغة المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتباره وعلیه فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۴ ص ۱۴ کتاب البیوع) لـہ

لہ قال الشیخ وهبة الزحیلی : ولا بأس ببیع السرقین (او السرجین) وهو الزبل وبیع البعر لانه منتفع به لانه یلقی فی الارض لاستکثار الریع فکان مالاً والمال محل للبیع ۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج ۴ ص ۴۲۴ بیع النجس والمتنجس)

۲ قال العلامة خالد الاتاسیؒ تعلیقاً علی ما ذکره من جواز الاعتیاض عن الحقوق المجردة بما ینبغی ان یجوز الاعتیاض عن حق التعلی وعن حق الشرب وعن حق المسیل بمال ... کما جاز النزول عن الوظائف ونحوها لاسیما اذا کان صاحب حق التعلی فقیراً قد عجز عن اعادة علوه فلو لم یجز ذلک له علی الوجه الذی ذکرناه یتضرر فلیتأمل ولیحرر ۔ (شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص ۱۴۱ الفصل الثانی فی بیع ما یجوز بیعه وما لا یجوز)
ومثله فی نظام الفتاوی ج ۱ ص ۱۳ کتاب المعاملات ۔

فارمی مرغیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:- آجکل جو فارمی مرغیاں فروخت ہو رہی ہیں ان کو جو خوراک دی جاتی ہے اس میں دیگر چیزوں کے علاوہ خشک خون بھی ہوتا ہے جو کہ نجس ہے، تو کیا اس طرح خون کھانے والی مرغیوں کی خرید وفروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر ان مرغیوں میں نجاست اور خون ملی ہوئی خوراک کھانے کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہو تو پھر ان کا کھانا ناجائز اور خرید وفروخت مکروہ ہے، اور اگر ان مرغیوں کو نجاست اور خون وغیرہ کھانا بند کرکے پاک غذا کھلائی جائے یہاں تک کہ ان کی بدبو بالکل ختم ہو جائے تو پھر ان کا کھانا، بیع وشراء اور ہبہ وغیرہ سب درست ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی المنتقی المکروہة الجلالة التی اذا قربت وجدت منها رائحة فلا تؤکل ولا یشرب لبنها ولا یعمل علیها ولا یکرہ بیعها وهبتها وذلک حالها۔ (رد المحتار حاشیة علی الدر المختار جلد ۵ ص[illegible] کتاب الذبائح) اھ

چونکہ اس بارے میں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مرغیوں کی غذا میں خون یا دوسرے نجس اجزاء نہایت کم مقدار میں ہوتے ہیں، دوم یہ کہ اس غذا کی تیاری میں کیمیکلز استعمال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خون اور دیگر نجس اجزاء کی ماہیت بدل جاتی ہے لہٰذا قلب ماہیت اور اجزاء نجسہ کے مغلوب ہو جانے کی وجہ سے فارمی مرغیوں کا کھانا، ان کی خرید وفروخت اور ہبہ وغیرہ سب درست اور جائز ہے۔

لـه وفی الهندیة: انما تکون جلالة اذا نتن وتغیر ووجد منه ریح منتنة فهی الجلالة حینئذ لا یشرب لبنها ولا یؤکل لحمها وبیعها وهبتها جائز هذا اذا کانت لا تخلط ولا تأکل الا العذرة غالبا الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۲۸۹ الباب الثانی فی بیان ما یؤکل من الحیوان وما لا) ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۲۲ کتاب الکراهیة۔

کتیا کا دودھ پینے والے گائے کے بچے کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گائے کا بچہ اگر کتیا کا دودھ پی لے اور مالک کو پتہ لگ جائے کہ اس بچھڑے نے کتیا کا دودھ پیا ہے اب اگر مالک اس کو فروخت کرنا چاہے تو کیا اس کی خرید و فروخت اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر گائے کے اس بچے سے چند دن بعد پاک خوراک کھائی ہو تو پھر اس کی خرید و فروخت کرنا اور کھانا لا بأس بہ ہے ورنہ کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الهندية: الجدی اذا كان يربی بلبن الاتان ولبن الخنزير ان اعتلف ايامًا فلا بأس بمنزلة الجلالة والجلالة اذا حبست اياماً فعلفت لا بأس بها فكذا هذا۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۰ الباب الحادی عشر فی بیان ما یؤکل من الحیوان وما لا یؤکل) [1]

بائع اول کا مشتری ثانی سے واپس خریدنا جائز ہے

سوال: زید نے عمرو پر ایک گاڑی نقد رقم پر فروخت کی بعد میں عمرو نے وہ گاڑی بکر کو تین چار مہینے کے قرض پر دے دی، اب اگر زید اس گاڑی کو بکر سے فروخت کردہ قیمت سے کچھ کم یا زیادہ قیمت پر خرید لے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اسے سود کا معاملہ قرار دیتے ہیں تو کیا واقعی یہ سودی معاملہ ہے؟

الجواب: بصورت مسئولہ میں بائع اول کے لیے یہ مبیع مشتری ثانی سے اُس قیمت سے کم یا زیادہ پر خریدنا جائز ہے جس قیمت پر اس نے مشتری اول کو بیچا تھا اس میں سود کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔

لما فی الهندية: ولو باع المشتري من رجل ثم ان البائع الاول اشتراه

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: وكره لحمهما ای الجلالة ...... كما حل اكل جدی غذی بلبن خنزير لان لحمه لا يتغير وما غذی به يصير مستهلكاً۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۲۴۳ كتاب الحظر والاباحة)
ومثله فی البحر الرائق ج۸ ص۱۸۲ کتاب الكراهية۔

من نفسه ای الذی اشتری منه باع جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۲۲ الفصل الثالث فی بیع شیئین احدهما لا یجوز البیع فیه ......) ؎

نابالغ یتیموں کی جائیداد کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ چار یتیم بھائی ہیں جن میں سے ایک بالغ اور تین نابالغ ہیں، جن کا کابل شہر واقعہ ... میں ایک مکان ہے، اب وہاں کے حالات کی خرابی اور کمیونسٹ انقلاب کے پیش نظر بالغ بھائی اس مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہے کیونکہ خطرہ ہے کہ مکان غصب نہ ہوجائے، تو کیا ان تین نابالغ اور ایک بالغ بھائی کے مشورے سے اس مکان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر مکان نہ بیچنے سے ان یتیموں کا نقصان ہو رہا ہو تو اس کو بیچ دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے ان کے لیے کوئی دوسرا محفوظ پلاٹ، مکان یا زمین خرید لی جائے یا وہ صورت اختیار کی جائے جس میں ان یتیموں کو فائدہ ہو رہا ہو اور نقصان نہ ہو۔

قال العلامة الحصکفی: وجاز شراء مال الابن الصغیر منه وبیعه ای بیع مال الابن الصغیر منه لاخ وعم وام. (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۶ ص۲۲۹ فصل فی البیع، کتاب الحظر والاباحة) ؎

؎ قال العلامة الحصکفی: المشتری اذا باع المبیع من غیر بائعه ثم اشتراه منه بالاقل ... (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۴ ص۱۲۲ باب الاقالة)

ومثله فی البحر الرائق ج۶ ص۱۰۳ باب الاقالة۔

؎ قال العلامة ابن نجیم: وشراء مال الابن الصغیر منه وبیعه للعم والام والملتقط...... یعنی یجوز لهؤلاء الثلاثة ان یشتروا للصغیر ویبیعوا مالا بد منه وذلك مثل نفقته وكسوته لانه لو لم یكن لهم ذلك لتضرر الصغیر وهو ممنوع۔ (البحر الرائق ج۸ ص۲۸ فصل فی البیع، كتاب الكراهیة)

ژالہ باری سے متاثر ہونے والی مچھلیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: بعض اوقات بارش اور ژالہ باری کی وجہ سے مچھلیاں پانی کے اوپر تیرنے لگتی ہیں جو کہ بظاہر مری ہوئی نظر آتی ہیں لیکن ان میں کسی قسم کی بدبو اور تعفن نہیں ہوتی، تو بعض لوگ ان مچھلیوں کو اکٹھا کرکے فروخت کرتے ہیں، تو کیا اس طرح کی مچھلیوں کا کھانا اور فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مچھلی طبعی موت سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید وفروخت برائے خوراک جائز نہیں ہے اور جو مچھلی کسی عارضی سبب مثلاً بارش یا اولے وغیرہ پڑنے کی وجہ سے مری ہو تو اس کا کھانا اور خرید وفروخت جائز ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کی بیع بھی درست ہے۔

لما فی الهندية: والاصل ان السمك متى مات بسبب حادث حل اكله وان مات حتف انفه لا لسبب ظاهر لا يحل اكله۔[1]

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۸ الباب السادس في بيان السمك)

بیعہ میں زیادتی بائع کا حق ہے

سوال: ایک شخص نے دو جریب زمین فروخت کی اور اس کا حدود اربعہ بھی لکھ دیا اور فی جریب کی قیمت بھی متعین کرلی، بیع کے بعد زمین مذکورہ کی پیمائش کی گئی تو وہ متعین مقدار سے زیادہ نکلی، اب یہ زائد زمین مشتری کا حق ہے یا بائع کا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقدارِ متعینہ سے زائد زمین بائع کا حق ہے البتہ مشتری کو یہ اختیار حاصل ہے کہ یا تو وہ اس بیعہ کو چھوڑ دے یا پھر اضافی رقم بائع کو ادا کرکے کل بیعہ لے لے۔

---

[1] وقال العلامة الحصكفي: ولا يحل حيوان مائي الا السمك الذي مات بآفة ولو متولداً في ماء نجس ولو طافية مجروحة وهبانية غير طاف على وجه الماء الذي مات حتف انفه۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۶ كتاب الذبائح)

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۴۳ فصل فيما يحل وما لا يحل۔

لما فی الهندية: ولو قال بعت منك هذا الثوب او هذه الارض على انها عشرة اذرع كل ذراع بدرهم فوجدها عشرة لزمته بعشرة دراهم ولا خيار له وان وجدها خمسة عشر ذراعاً فهو بالخيار ان شاء اخذ الجميع كل ذراع بدرهم وان شاء تركها۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۲۴ الفصل الثامن فی جهالة المبيع والثمن) ؎۱

تصاویر کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں تصاویر کا کاروبار کرتا ہوں، کیا یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں اور اس کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی بھی ذی روح کی فوٹو اور تصاویر بنانا اور ان کی خرید و فروخت ناجائز اور حرام ہے، ظاہر ہے کہ ناجائز اور حرام کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہی ہوتی ہے۔

لما اخرج الامام محمد بن اسماعيل البخاریؒ: عن عون بن ابی جحيفة عن ابيه ان النبی صلی الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغی ولعن آكل الربوٰ وموكله والواشمة والمستوشمة والمصور۔

(صحيح البخاری ج۲ ص۸۸۱ باب من لعن المصور، كتاب اللباس) ؎۲

زقوم کا پھل کھانے اور اس کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ زقوم (تھوہر) کا پھل

؎۱ قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: وان زاد شئ عليه فهو للبائع لان البيع وقع على مقدار معين والقدر ليس بوصف۔

(البحر الرائق ج۵ ص۲۸۸ كتاب البيع)

؎۲ قال العلامة ابن نجيم المصریؒ: ولا يجوز على الغناء والنوح والملاهی لان المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الاجر من غير ان يستحق عليه لان المبادلة لا تكون الا عند الاستحقاق۔

(البحر الرائق ج۸ ص۲۰ باب الاجارة الفاسدة)

بڑے شوق سے کھاتے ہیں اور آجکل بازاروں میں اس کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زقوم جہنم کا درخت ہے اس لیے اس کا پھل کھانا اور خرید و فروخت جائز نہیں ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ دنیا کے زقوم اور جہنم کے زقوم میں زمین آسمان کا فرق ہے اور زقوم کے پھل میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے لہٰذا اس کا کھانا اور خرید و فروخت دونوں جائز ہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: (البيع) شرعاً مبادلة شئ مرغوب فيه بمثله خرج غير المرغوب كتراب وميتة ودم الخ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۵ كتاب البيوع) لـه

اجرت قبل القبض کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: زید ٹھیکیداری کا کام کرتا ہے۔ اس کے ہاں کاروبار کا یہ طریقہ ہے کہ وہ دوسرے اشخاص سے گاڑیاں کرایہ پر لیتا ہے اور اجرت کی رسید دے دیتا ہے۔ مگر اجرت کام ختم ہونے کے بعد دیتا ہے۔ اب اگر گاڑی کے مالک کو پیسوں کی ضرورت ہو۔ اور وہ اس رسید کو ٹھیکیدار یا کسی دوسرے پر فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو کیا وہ اس طرح کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیع کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ بائع کو مبیع پر ملک تام حاصل ہو اور مبیع قبل القبض پر چونکہ ملکیت تام حاصل نہیں ہوتی اس لیے ایسی بیع درست نہیں ہوتی، اسی طرح صورت مسئولہ میں چونکہ دوسرے نے اجرت کو قبل القبض فروخت کیا ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: وملك الاجرة لا بواجبها

لـه قال العلامة ابن نجيم: البيع هو مبادلة المال بالمال بالتراضي ..... وفي كشف الكبير المال ما يميل اليه الطبع .... والمالية انما تثبت بتمول الناس كافة او بتقوم البعض والتقوم يثبت بها وباباحة الانتفاع له شرعاً۔

(البحر الرائق جلد ۵ ص۲۵۶ كتاب البيع)

هذه الاربعة والمراد انه لا يستحق الموجر الا بذلك..... لكن ليس له بيعها قبل قبضها۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۳۰۰ کتاب الاجارة) [1]

گدھوں اور کتوں کے گوشت کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ بعض ممالک میں گدھوں اور کتوں کا گوشت بازار میں فروخت کیا جاتا ہے تو کیا گدھے اور کتے کو ذبح کر کے ان کا گوشت وغیرہ فروخت کرنا عند الاحناف جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گدھے اور کتے کو اگر باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو تو پھر ان کا گوشت اور چمڑا بیچنا جائز ہے لیکن فروخت کرنے کے جواز سے کھانے کا جواز لازم نہیں آتا۔

لما فی الهندية: ويجوز بيع لحوم السباع ولحوم الحمر المذبوحة في الرواية الصحيحة ولا يجوز بيع لحوم السباع الميتة كذا في محيط السرخسي واما جلود السباع والحمر والبغال فما كانت منذ بوحة او مدبوغة جاز بيعها وما لا فلا۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۱۶ الفصل الثانی فی بیع لحم الصيد وفي بيع الحيوانات) [2]

شیر اور ریچھ کی چربی کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:۔ شیر اور ریچھ کی چربی کو حکماء اور طبیب حضرات خرید کر اسے مختلف امراض میں دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، تو کیا ان درندوں کی چربی کی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ چربی مذبوح شیر اور ریچھ کی ہو تو اس کی تجارت جائز ہے جبکہ

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: قوله وما يستجره الانسان الخ ذكر في البحر ان من شرائط المعقود عليه ان يكون موجودا فلم ينعقد بيع المعدوم الخ (رد المحتار ج ۴ ص ۱۳ مطلب في بيع الاستجرار)

ومثله في الهندية ج ۳ ص ۳ كتاب البيوع۔

[2] قال العلامة ابن عابدين: قوله وجلد ميتة قيد بها لانها لو كانت مذبوحة ذبحا شرعيا او جلدها جاز لانه يطهر بالذكاة الا الخنزير خانية۔ (رد المحتار حاشية على الدر المختار ج ۴ ص ۱۲۴ مطلب بيع الدراهم والدنانير جنس واحد في مسائل)

مردار، بھیڑیا اور شیر کی چربی کی تجارت جائز نہیں ہے۔

لما في الهندية: ويجوز بيع لحوم السباع والحمر المذبوحة في الرواية الصحيحة ولا يجوز بيع لحوم السباع الميتة كذا في محيط السرخسي۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۱۵ الفصل الخامس في بيع المحرم الصيد وفي بيع الحرام)۔ له

ذبح سے پہلے کھال کی خرید و فروخت کا حکم

سوال: قربانی کے جانور کی کھال قربانی کرنے سے پہلے فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنے سے پہلے جانور کے چمڑے وغیرہ کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔

لما في الهندية: ولو باع الجلد والكرش قبل الذبح لا يجوز فان ذبح بعد ذلك ونزع الجلد والكرش وسلم لا ينقلب العقد جائزاً كذا في الذخيرة۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۲۹ الفصل التاسع في بيوع الأشياء المتصلة بغيرها ......)

صحیح چیز میں ردی کی ملاوٹ کرکے فروخت کرنا

سوال: ایک شخص اعلیٰ قسم کی مکئی زیادہ قیمت پر اور ادنیٰ یعنی ردی قسم کی مکئی کم قیمت پر خریدتا ہے پھر ان دونوں کو ملا کر ان کے معیار کے مطابق نرخ مقرر کر کے فروخت کرتا ہے تو اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر خریدنے والے کو اس ملاوٹ کے متعلق بتا دیا جائے اور پھر بھی

له قال العلامة ابن عابدين: قوله وجلد ميتة قيد بها لأنه لو كانت مذبوحة فباع لحمها وجلدها جاز لأنه يطهر بالذكاة إلا الخنزير۔ خانية۔

(رد المحتار حاشية على الدر المختار ج۴ ص۱۲۴ مطلب الدراهم والدنانير [illegible])

وقال أيضاً: بخلاف الودك أي دهن الميتة لأنه جزؤها فلا يكون مالاً ابن ملك فلا يجوز بيعه الخ۔ (رد المحتار حاشية على الدر المختار ج۴ ص۱۲۸ مطلب الدراهم والدنانير [illegible])

ومثله في الخانية على هامش الهندية ج۲ ص۱۵۳ باب بيع الفاسد۔

مشتری کی ٹال مٹول میں بیع کو فسخ کرنا

سوال:- اگر بیع ہو جانے کے بعد مشتری ثمن (قیمت) ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہو تو کیا بائع بیع کو فسخ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ آجکل یہ ایک رواج بن چکا ہے!

الجواب:- بیع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے صورت مسئولہ میں مشتری کے ٹال مٹول کرنے پر چونکہ بائع راضی نہیں کہ مشتری نہ تو قیمت ادا کرتا ہے اور نہ ہی چیز واپس کرتا ہے لہٰذا اس مجبوری کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: لان المشتری لما جحد کان فسخا من جهته اذ الفسخ یثبت به کما اذا تجاحدا فاذا عزم البائع علی ترک الخصومة تم الفسخ بمجرد العزم ...... ولانه لما تعذر استیفاء الثمن من المشتری فات رضا البائع فیستقل بفسخه۔ (البحر الرائق ج ۷ ص[illegible] مسائل شتی باب التحکیم)

ادائیگی ثمن کے غیر متعین وقت کا حکم

سوال:- آجکل ایک عام رواج ہے کہ گاہک جب کسی جاننے والے دوکاندار کے پاس چلا جاتا ہے تو سودا سلف خریدنے کے بعد کہہ دیتا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا لیکن ادائیگی کا وقت مقرر نہیں کرتا، تو کیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اُدھار کی بیع میں جب تک ثمن کی ادائیگی کے وقت کا تعین نہ کیا جائے تو وہ بیع فاسد ہوگی مگر صورت مسئولہ میں چونکہ بیع ہو جانے کے بعد گاہک نے دوکاندار سے کہا ہے کہ پیسے بعد میں دوں گا لہٰذا اگر دوکاندار بخوشی اسے قبول کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: وصح بثمن حال وهو الاصل ومؤجل الی معلوم لئلا یفضی الی النزاع۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۴ ص۲۵ مطلب فی التاجیل الی اجل مجهول) [1]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وصح بثمن حال وباجل معلوم ای البیع لاطلاق النصوص وفی السراج الوهاج ان الحلول مقتضی العقد وموجبه والاجل لا یثبت الا بالشرط قید بعلم الاجل لان جهالة تفضی الی النزاع۔
(البحر الرائق ج ۵ ص۲۶۹ کتاب البیع)

مُردار جانوروں کی ہڈیوں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی جگہ کوئی جانور مردار ہو جائے اور مالک اس کو باہر پھینک دے تو کیا اس کی ہڈیوں کو فروخت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا گوشت کی طرح ہڈیوں کی بیع بھی ناجائز ہے؟

الجواب:۔ ویسے تو شرعاً کسی بھی غیر مذبوح جانور کی بیع جائز نہیں مگر اس حکم سے اس کے بعض اجزاء مثلاً ہڈیاں، بال اور سینگ وغیرہ مستثنیٰ ہیں لہٰذا مردار جانور کے ان اجزاء کی خرید وفروخت جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: وبیع جلود المیتات باطل اذا لم تکن مذبوحة او مدبوغة ویجوز بیع عظامہا وعصبہا وصوفہا وشعرہا وقرنہا۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج۲ ص۱۲۳ فصل فی البیع الباطل)[1]

واؤچر کو فروخت کرنے کا حکم

سوال:۔ ہم لوگ تمباکو کمپنی والوں پر فروخت کرتے ہیں اور کمپنی والے نقد ادائیگی کی بجائے اس رقم کی رسید جسے واؤچر کہا جاتا ہے، دیدیتے ہیں تو کیا ہم اس رسید (واؤچر) کو بوقت ضرورت کم قیمت پر فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ واؤچر بذات خود کاغذ کا ایک بے قیمت ٹکڑا ہے مگر اس رقم کی وجہ سے قیمتی بن جاتا ہے اس لیے اس کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن واؤچر میں درج رقم سے کم پر فروخت کرنا سود سے خالی نہیں اس لیے ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وقال فی البحر فضل احد المتجانسین عم هذا یناسب تعریف الکنز بقوله فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال۔

(رد المحتار حاشیہ علی الدر المختار ج۴ ص۱۹۶ باب الربوٰ)[2]

---

[1] وفی الہندیة: اما شعر المیتة وعظمها وصوفها وقرنها فلا بأس بالانتفاع بها وبیع ذلک کلہ جائز۔ (الفتاویٰ الہندیة ج۳ ص۱۱۴ الفصل الخامس فی بیع المحرمات)

[2] قال العلامة ابن نجیم: فضل مال بلا عوض فی معاوضة مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الآخر بمعیار الشرع ای الکیل والوزن۔ (البحر الرائق جلد۶ ص۱۲۴ باب الربوٰ)

بیع قبل القبض کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی سے ۲۰۰۰ ہزار کلوگرام مال کا زبانی سودا کیا لیکن مال نہیں اٹھایا بلکہ بائع کے پاس ہی پڑا ہے، چند دن بعد اس مال کی مارکیٹ میں قیمت بڑھ جاتی ہے تو مشتری بائع سے کہتا ہے کہ آپ مجھے منافع دے کر مال اپنے پاس ہی رکھیں، تو کیا مشتری کے لیے یہ منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں مبیع پر قبضہ کرنے سے قبل اس کو کسی پر فروخت کرنا جائز نہیں اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، چونکہ صورت مسئولہ میں بھی بظاہر بیع المنقول قبل القبض ہے اس لیے اس کی بیع جائز نہیں۔

لما فی الهندية: فنقول من حكم المبيع إذا كان منقولا ان لا يجوز بيعه قبل القبض الى ان قال وأما اذا تصرف فيه مع بائعه فان باعه منه لم يجز بيعه اصلا قبل القبض۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص۱۳ الفصل الثالث فى معرفة المبيع والثمن والتصرف) [1]

مبیع کو دوبارہ بائع پر فروخت کرنے کی شرط لگانا

سوال:۔ بعض لوگ کوئی چیز فروخت کرتے وقت مشتری کے ساتھ یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب میرے پاس پیسے آجائیں تو اس چیز کو مجھ پر دوبارہ فروخت کروگے یا جب تم فروخت کرنا چاہو تو معاملہ میرے ساتھ ہی ہوگا کسی اور پر فروخت نہیں کروگے۔ تو کیا بیع کرتے وقت اس قسم کی شرائط لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے بیع پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب:۔ بیع میں اس قسم کی شرائط جن میں بائع یا مشتری یا مبیع کو کوئی فائدہ ہو لگانا شرعاً جائز نہیں، اس قسم کی شرائط سے کاروبار (بیع) فاسد ہو جاتا ہے لہٰذا صورت مذکورہ کی بیع فاسد ہے۔

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: وهو لا يصح به القبض ...... وقيد بالقبض لان العقد فى ذاته صحيح غيرانه لا يجب على المشترى دفع الثمن لعدم القبض۔ (رد المحتار ج ۴ ص۴۲ مطلب المشترى دائما يجوز لا يطالب بالثمن قبل قبضها)

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا بیع بشرط معطوف علی الی اثنین یعنی الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او فیه نفع لمبیع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۱۳۵ مطلب فی البیع بشرط فاسد) [۱]

سونے کے زیورات کی اُدھار تجارت کا حکم

سوال:۔ ہم چند پاکستانی دوست ملائیشیا میں پہلے کپڑے کی ادھار تجارت کرتے تھے لیکن اب کپڑے کی تجارت کا بہت مندہ ہے جبکہ سونے کے زیورات مثلاً انگوٹھیاں، بالیاں، جھومر اور دوسری اشیاء کی زبردست مانگ ہے تو ہم نے یہ تجارت شروع کر دی، اب ہم سونے کے یہ زیورات ادھار پر بیچتے ہیں اور ماہانہ قسطوں میں رقم ہمیں واپس ملتی ہے، اب کسی نے بتایا ہے کہ اس طرح ادھار پر سونے کی تجارت جائز نہیں ہے لیکن عدم جواز کی کوئی وجہ بھی بیان نہیں کی، لہٰذا آپ اس کے جواز اور عدم جواز کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

جواب:۔ اگر سونے کی تجارت اس طریقہ سے ہو کہ سونا نقد ہو اور روپیہ ادھار جیسا کہ سوال میں ہے تو پھر یہ تجارت جائز ہے اس لئے کہ یہ دونوں مختلف الجنس اشیاء ہیں، اور اگر دونوں ادھار پر ہوں تو پھر ناجائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تنبیه) سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین۔ (رد المحتار حاشیة الدر المختار ج۴ ص۲۳۸ باب الربوا کتاب البیوع) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: وهو باع شیئاً علی ان یهب له المشتری او یتصدق علیه او یبیع منه شیئاً او یقرضه کان فاسداً۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۳۴ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد البیع والتی لا تفسده)

[۲] وفی الهندیة: وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ اذا اشتری فلوساً بدراهم ولیس عند هذا فلوس ولا عند الآخر دراهم ثم ان احدهما دفع وتفرقا جاز وان لم ینقد واحد منهما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص[illegible] الفصل الثالث فی بیع الفلوس)

ومثله فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج[illegible] کتاب الصرف۔

جعل سازی کے ذریعے ویزے فروخت کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل بعض لوگ پاسپورٹ اور ویزے وغیرہ پر اصل فوٹو کو تبدیل کرکے جعلسازی سے کسی دوسرے شخص کو متحدہ عرب ممالک میں بھیجتے ہیں اور اس پر بھاری رقم لیتے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں کا یہ کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- ویزہ اگرچہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے مگر متعلقہ ملک کی حکومت کی طرف سے اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے لہٰذا قانونی دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اس کو بیچنا اور اس کی بھاری قیمت لینا شرعاً جائز ہے۔ لیکن کسی خاص (ذاتیت) ویزہ میں تصویر تبدیل کرکے کسی دوسرے شخص پر فروخت کرنا سراسر دھوکہ ہے اور ایسے ویزے کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا دھوکہ دہی اور غیر قانونی طریقے سے کسی پر ویزہ فروخت کرکے بھاری رقم لینا ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ ویزے کے عوض پیسے لینا قانونی تحفظ کی بناء پر تو جائز ہے نہ کہ دھوکہ دہی کے ذریعے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله ينبغي جواز النزول عن الوظائف بمال) قال العلامة العينيؒ: في فتاواه ليس شيء يعتمد عليه ولكن العلماء والحكام مشوا ذلك للضرورة واشترطوا امضاء الناظر لئلا يقع فيه نزاع۔

(رد المحتار ج۴ ص۵۱۹ کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف بمال)

گندے انڈے فروخت کرنے کا حکم

سوال:- ایک دوکاندار نے اپنے گاہک پر کچھ انڈے فروخت کیے گھر جا کر اس نے جونہی انڈے توڑے تو وہ گندے نکل آئے، تو کیا گاہک کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ گندے انڈے دکاندار کو واپس کرکے اس سے اپنی رقم لے لے؟

الجواب:- انڈے جب خراب ہو جائیں تو وہ مال نہیں رہتا، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں اگر کہیں ایسا معاملہ ہو گیا ہو اور گاہک ان گندے انڈوں کو استعمال میں نہ لایا ہو تو اس کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوکاندار کو گندے انڈے واپس کرکے اس سے اپنے پیسے لے لے۔

لما قال العلامة المرغينانيؒ: ومن اشترى بيضاً او بطيخاً او قثاءً او خياراً او جوزاً فكسره فوجده فاسداً فان لم ينتفع به رجع بالثمن لانه ليس بمال فكان البيع باطلاً۔

(الهداية [illegible] ج۳ ص۴۲ باب البيع الفاسد)

باب فی الخیار

(بیع میں خیار کے مسائل و احکام)

خیارِ رؤیت کا حکم

سوال:- اگر ایک چیز ایسی حالت میں خریدی جائے کہ مشتری نے اصالتاً یا وکالتاً نہ دیکھی ہو اور دیکھنے کے بعد مشتری کو پسند نہ آئے تو کیا وہ اس کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- جو چیز بغیر دیکھے خریدی جائے تو بیع کی حقیقت موجود ہو کر معاملے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں رہتا تاہم مشتری کو دیکھنے پر اختیار حاصل ہے اگر اسے پسند نہ ہو تو وہ بغیر کوئی وجہ بتائے بائع کو واپس کر سکتا ہے، تاہم اگر خریدنے پر آمادہ ہو تو پھر پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانیؒ:- ومن اشتری شیئاً لم یرہ فالبیع جائز وله الخیار اذا رآه ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔

(الهدایة ج۳ ص۳۸ کتاب البیوع، باب خیار الرؤیة) [1]

غبن فاحش کا مسئلہ

سوال:- ایک شخص نے کسی سے زمین خریدی لیکن خریدتے وقت دلال یا بائع نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے وہ زمین ایسی قیمت پر فروخت کی جو کہ عام مارکیٹ کے حساب سے کہیں زیادہ تھی، تو کیا اس بنا پر مشتری یہ زمین بائع کو شرعاً واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مشتری نے ان تمام حالات کو جانتے ہوئے بھی اس زمین میں تصرف کیا ہو، یا اس کے مالکانہ تصرفات پر کچھ مدت گذر گئی ہو تو پھر اس کو واپس کرنے کا حق

---

[1] وفی الهندیة: من اشتری شیئاً لم یرہ فله الخیار اذا رآه ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء ردہ سواء رآه علی الصفة التی وصفت له او علی خلافها۔

(الفتاوى الهندیة ج۳ ص۵۷ الباب السابع فی خیار الرؤیة)

ومثله فی البحر الرائق ج۶ ص۲۸ باب خیار الرؤیة۔

حاصل نہیں کیونکہ عیبِ فاحش میں اگرچہ مشتری کو مبیعہ واپس کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن اس علم کے باوجود تصرفات کرنے سے یہ حق باقی نہیں رہتا۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز: المشتری الذی حصل له خیار العیب اذا اطلع علی عیب قدیم فی المبیع ثم تصرف فیه تصرف الملاك سقط حق فسخه کما...... لو سقی الارض المبیعة او زرعها او غیر ذلك من التصرفات فان ذلك دلالة علی الرضا۔ (شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۳۵۴ صفحہ ۲۲۰)[1]

جملہ عیوب سے برأت کا اعلان کرکے کوئی چیز فروخت کرنا

سوال: ایک دکاندار کوئی چیز فروخت کرتے وقت مشتری سے پہلے کہہ دے کہ اس چیز کے نقائص کے بارے میں اگر کچھ کہنا ہو تو اب کہہ دے ورنہ بعد میں کسی قسم کے عیب کا ذمہ دار نہیں ہوں گا، کیا بائع کا مشتری کو اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خرید و فروخت میں بیع بشرط برأت من العیوب درست ہے کہ بائع مبیعہ کے تمام عیوب سے برأت کا اعلان اور اظہار کرے، اس طرح کرنے سے بعد میں تنازعہ اور کسی قسم کا جھگڑا کی گنجائش نہیں رہتی اس لیے اس شرط پر کوئی معاملہ کرنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وصح البیع بشرط البراءة من کل عیب وان لم یسم خلافا للشافعی لان البراءة عن الحقوق المجهولة لا تصح عنده وتصح عندنا لعدم افضائه الی المنازعة ویدخل فیه الموجود والحادث بعد العقد قبل القبض فلا یرد بعیب بان قال بعتك هذا العبد علی انی بریء من کل عیب۔ (رد المحتار ج۴ تحت مطلب فی البیع بشرط البراءة من کل عیب ص۴۲)[2]

---

[1] قال حافظ الدین محمد بن البزازؒ: کل تصرف یدل علی الرضا بعد العلم به یمنع الرد والرجوع بالنقص...... وسقی الارض وزراعتها وکسح الکرم رضاء۔
(البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۲۵۶، ۲۵۷ کتاب البیوع، باب الخیار)
ومثله فی الهندیة ج۳ ص... کتاب البیوع۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: وصح بیع بشرط البراءة من کل عیب وان لم یسم خلافا للشافعی لان البراءة من الحقوق المجهولة لا تصح عنده وتصح عندنا لعدم افضائه الی المنازعة۔
(تنقیح الفتاوی الحامدیة ج۱ ص۲۴۳ جواب سوال باب خیار الرؤیة)
ومثله فی شرح المجلة لسلیم رستم باز تحت المادة ۱۸۹ ص۸۹

ومثلہ فی الہدایۃ ج۳ ص۳۷ باب خیار العیب۔

عیب دار چیز کی خرید وفروخت

سوال:۔ عیب دار اشیاء کی بیع وشراء (خرید وفروخت) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع میں مبیع کا مال متقوم ہونا ضروری ہے، عیب ایک عارضی شے ہے اس لیے عیب دار اشیاء کی بیع جائز ہے بشرطیکہ عیب کو چھپایا نہ جائے۔

عن زید بن ثابت انہ قال من باع غلاما بالبراءۃ فہو بریء من کل عیب ولم یسم ذلک الی اخرہ۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۹۱ باب البیع بالبراءۃ من کل عیب)[2]

غیر ملکی ویزوں کی خرید وفروخت میں خیار عیب کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو سے (ریاض سعودی عرب) کا ویزا اس شرط پر خریدا کہ کفیل الریاض کا رہنے والا ہوگا، اب عمرو الریاض میں زید کے لیے کفیل کا انتظام کرنے سے قاصر رہا جس کی وجہ سے زید نے کچھ عرصہ پہاڑوں میں حکومت سے چوری چھپے گذارا، بالآخر مجبوراً اپنے آپ کو سعودی حکومت کے حوالہ کر دیا جس نے قانونی کاروائی کے بعد اسے واپس پاکستان بھیج دیا۔ زید نے عمرو کو پاکستانی کرنسی میں ۲۰ ہزار روپے نقد دیئے تھے اور مزید ۴۰ ہزار کا وعدہ کیا تھا تو اب اس صورت میں زید عمرو کو حسب وعدہ ۴۰ ہزار روپے دینے کا پابند ہے یا عمرو زید کو چالیس ہزار روپے واپس کرے گا؟ شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر سعودی عرب کا ویزا بیع کے وقت موجود تھا

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: رجل اشتری ارضا او کرما فظہر ان شربہ فکان علی ناوقفہا میتا [illegible] توضع علی ظہر نہر وموضع آخر کان لہ ان یردہا ان ذلک یعد عیبا عند الناس. لو اشتری بالخیار ان شاء امسکہا بجمیع الثمن وان شاء ردّ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۲۴۶ کتاب البیوع، باب الخیار)

[2] قال العلامۃ برہان الدین مرغینانیؒ: واذا اطلع المشتری علی العیب فی المبیع فہو بالخیار ان شاء اخذہ بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔ (الہدایۃ ج۳ ص۲۳ باب خیار العیب)

ومثلہ فی رد المحتار ج۴ ص[illegible] باب خیار العیب۔

باب الاقالۃ

(سودا واپس کرنے کے احکام و مسائل)

اقالہ میں طرفین کا رضامند ہونا

سوال:۔ بائع اور مشتری کے درمیان باقاعدہ عقد (سودا) ہو جانے کے بعد اگر ایک فریق واپسی کی خواہش کرے لیکن دوسرا فریق اس پر رضامند نہ ہو تو کیا واپسی کا خواہش مند جبراً اپنا حق واپسی منوا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ باقاعدہ ایجاب و قبول کے بعد عقدِ بیع لازم ہو کر کسی ایک کو جبراً عقد ختم کرنے کا حق حاصل نہیں، تاہم اگر اقالہ کی صورت ہو تو اس کے لیے طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ومن شرائطھا اتحاد المجلس ورضا المتعاقدین لان الکلام فی رفع عقد لازم واما رفع ما لیس بلازم فلمن له الخیار بعلم صاحبه لا برضاہ بحر۔ (ردالمحتار ج۵ ص۱۲۱ باب الاقالۃ) [1]

اقالہ میں قیمت کم کرنے کی شرط لگانا

سوال:۔ انعقادِ بیع کے بعد اگر طرفین اس شرط پر بیع فسخ کرنا چاہیں کہ مشتری بائع کو ادا کی ہوئی رقم میں سے کچھ چھوڑے گا، کیا شرعاً دونوں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع فسخ کرتے وقت اگر بائع اور مشتری قیمت کم کرنے کی شرط لگاتے ہیں تو دونوں کی رضامندی سے بیع فسخ ہو کر بائع مشتری کو پوری کی پوری رقم واپس کرے گا، رقم منہا کرنے کی شرط کالعدم ہو کر باطل رہے گی۔

لما قال العلامۃ علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: الاقالۃ جائزۃ فی البیع

---

[1] قال فی الھندیۃ: وشرط صحۃ الاقالۃ رضاء المتقائلین۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۳ ص۱۵۷ الباب: الثالث عشر فی الاقالۃ)

ومثلہ فی شرح مجلۃ الاحکام لسلیم رستم باز تحت مادۃ ۱۹۰ ص۹۲

بمثل الثمن الاول فان شرط اکثر منه او اقل فالشرط باطل ویرد مثل الثمن الاول۔

(الهندية ج ۳ ص باب الاقالة) ؎

فروخت شدہ چیز کو کم قیمت پر واپس لینا

سوال:- ایک شخص نے کسی کو قرض پر اونٹ فروخت کیا، قیمت کی ادائیگی کے وقت مشتری نے ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے مبیع واپس کرنا چاہا، اب بائع مشتری سے اونٹ اسی قیمت پر یا اس سے کم قیمت پر واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مذکورہ میں باقاعدہ طور پر ایجاب و قبول ہو کر بیع قطعی ہو چکی ہے جس سے مبیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آچکا ہے لیکن اب اگر مشتری بیع فسخ کر کے مبیع واپس کرنا چاہتا ہے تو بائع کو مبیع سابقہ قیمت پر یا اس سے زائد قیمت پر واپس لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم یہ جائز نہیں کہ بائع مبیع کو کم قیمت پر واپس لے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: لو باع شیئاً او باعه له غیره بنفسه او وکیله او وکالة عن غیره لیس له شراؤه بالاقل لا لنفسه ولا لغیره۔

(رد المحتار ج ۴ باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت للرمد) ؎

مبیع پسند نہ آنے پر واپس کرنا

سوال:- ایک شخص نے دوسرے آدمی پر کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی کہ یہ فلاں کمپنی کی مصنوعات

؎ قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله: الثالث انها لا تفسد بالشرط الفاسد وان لم یصح تعلیقها به بل یکون الشرط لغوا فلو تقایلا على ان یؤخر المشتری الثمن سنة او على ان یعطه شیئا صحت الاقالة لا التاخیر والعطاء۔

(شرح مجلة الاحکام سلیم رستم باز ص ۹۱ المادة نمبر ۱۹۰ الفصل الثانی)

ومثله فی الهندية ج ۳ ص ۱۵۶ الباب الثالث عشر فی الاقالة۔

؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: شراء ما باع باقل مما باع من الذی اشتراه او من وارثه قبل نقد الثمن لنفسه او لغیره .... فاسد عندنا۔

(خلاصة الفتاوی ج ۳ کتاب البیوع، الفصل الرابع فی البیع الفاسد واحکامه)

ومثله فی الهندية ج ۳ الباب العاشر فی الشروط التی تفسد والتی لا تفسده۔

بیل سے جو کہ عمدہ اور اعلیٰ معیار کی حامل ہے، لیکن خریدنے کے بعد اس چیز کی حقیقت کچھ اور نکلی، تو کیا اس وجہ سے مشتری کو مبیع واپس کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: عقدِ بیع کے وقت کسی چیز کے بیان کیے ہوئے ایسے اوصاف (جن کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے) کا مبیع میں موجود ہونا ضروری ہے ورنہ عدم موجودگی کی صورت میں مشتری کو کل قیمت پر لینے یا بیع فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا، اس بنا پر مذکورہ صورت میں بیل کی مصنوعات بوقتِ بیع بیان کردہ اوصاف یعنی عمدگی اور پائیداری سے عاری معلوم ہوں تو مشتری کو کل قیمت پر لینے یا واپس کرنے کا حق حاصل ہے۔

لما قال في الهندية: وان اشترى ثوبا على انه عشرة اذرع بعشرة دراهم او ارضا على انها مائة ذراع بمائة فوجدها اقل فالمشتري بالخيار ان شاء اخذها بجميع الثمن وان شاء ترك وان وجدها اكثر من الذراع الذي سماه فهو للمشتري ولا خيار للبائع وان نقص فقد فات الوصف المرغوب فيختل رضاه فلا يحط شيء من الثمن كذا في الكافي۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص۲۲ الفصل الثامن) [۱]

اقالہ کی صورت میں رقم میں زیادتی جائز نہیں

سوال: زید نے اپنا کھیت بکر پر مبلغ ایک لاکھ روپے میں فروخت کر دیا، بکر نے موقع پر دس ہزار روپے زید کو پیشگی دیدیئے اور بقایا رقم چند دنوں کے بعد دینے کا وعدہ کیا، ایک ہفتہ گزرنے کے بعد زید نے اپنا کھیت بکر سے واپس لینا چاہا اور کہا کہ میں کھیت کو فروخت نہیں کرتا ہوں، اور بکر کو اس کی اصل رقم دس ہزار روپے کے علاوہ پانچ ہزار روپے بطور پشیمانی بھی دیئے، تو کیا بکر کے لیے

---

[۱] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اشترى من آخر فرسا ذكر البائع انها من نسل خيل فلان لفرس مشهور بالجودة ثم تبين كذبه هل له الرد ام لا فاجاب اذا اشتراها بناءً على ما وصفه له بثمن لو لم يصفها بهذه الصفة لا تشترى بذلك الثمن وان تفاوت بين الثمنين فاحش وهي لا تساوي ما اشتراها به فله الرد اذا تبين خلاف ذلك۔ (تنقيح فتاوى حامدية ج۱ ص۲۳۵ باب الخيارات)

ومثله في شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۳۱۰ ص۹۰ باب الخيارات۔

باب المرابحة والتولية

(بیع مرابحہ و تولیہ کے احکام و مسائل)

بیع مرابحہ میں منافع کی مقدار متعین نہیں

سوال:- ایک دوکاندار عام طور پر بازاری قیمت سے زائد نرخ پر سودا فروخت کرتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز کیا شریعت نے کسی چیز کی فروخت پر منافع کی کوئی حد مقرر کی ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت مقدسہ نے خرید و فروخت کو بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی پر موقوف رکھا ہے۔ بائع اور مشتری جس نرخ پر بھی متفق ہوں وہی نرخ شرعاً جائز ہے۔ فقہاء نے بیع مرابحہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ربح کی تعیین نہیں فرمائی ہے۔ البتہ بازار کے عام نرخوں سے زائد پر فروخت کرنا جائز تو ہے مگر خلاف مروت ہے۔

لما قال فی الهندية: ومن اشترى شيئاً واغلى في ثمنه جاز۔

(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۶۱ کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولية) [1]

بیع مرابحہ میں شبہ خیانت سے اجتناب ضروری ہے

سوال:- اگر کسی چیز کو ادھار سے خریدا جائے تو فروخت کرتے وقت اس کو بیان کرنا ضروری ہے؟ جبکہ میں نے اس کو اتنی قیمت میں ادھار خریدا ہے اور اتنے نفع میں فروخت کرتا ہوں؟

الجواب:- بیع مرابحہ کا دار و مدار دیانت و امانت پر ہے، اس میں ہر اس قدم سے اجتناب ضروری ہے جس سے شبہ خیانت ہو، چونکہ ادھار میں عموماً نقد کی نسبت سے قیمت زیادہ رکھی جاتی ہے اس لیے ادھار سے خریدی ہوئی چیز اگر کوئی قیمت خرید بتا کر فروخت کرے تو اصل قیمت کے ساتھ ادھار کا اظہار بھی ضروری ہے۔

لہ قال العلامة جلال الدين الخوارزمي: هو مبادلة المال بالمال بالتراضي۔

(الكفاية في ذيل فتح القدير ج۵ ص۲۵۵ كتاب البيوع)

ومثله في فتح القدير ج۵ ص۲۵۵ كتاب البيوع۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ومن اشتری غلاما بالف درہم نسیئة فباعہ بربح مائة ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردہ وان شاء قبل لان للاجل شبہا بالمبیع الا یری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ (الہدایة ج۳ ص۵۷ باب المرابحة والتولیة) سلہ

بیع مرابحہ میں گز اور میٹر کے تعین کی ضرورت

سوال:- کپڑے کا ایک دوکاندار بعض کپڑا گز کے حساب سے اور بعض کپڑے میٹر کے حساب سے خریدتا ہے اور گاہک کو ایک روپیہ فی گز منافع سے بیچتا ہے اور بل دکھا کر میٹر اور گز کی تفصیل طے کئے بغیر معاملہ طے ہو جاتا ہے، کیا دوکاندار کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:- گاہک کو کسی چیز کی قیمت خرید بتا کر فروخت کرنا بیع مرابحہ ہے، میٹر و گز میں چونکہ تقریباً ساڑھے تین انچ فرق ہے اس لیے میٹر کے حساب سے خریدے ہوئے کپڑے کو میٹر اور گز کی تعیین کئے بغیر فروخت کرنے میں خیانت کا قوی احتمال ہے اس لیے معاملہ کو یوں مبہم کرکے چھوڑنا جائز نہیں ہے، دوکاندار کو چاہیئے کہ اول تو گاہک کو قیمت خرید بتائے ہی نہیں اور اگر قیمت خرید بتلائے تو پھر گز اور میٹر کا فرق بتا دینا بھی انتہائی ضروری ہے۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: والبیع مرابحة مبناہ علی الامانة والاحتراز عن الخیانة وعن شبہتہا۔ (الہدایة ج۳ ص۵۷ باب المرابحة والتولیة) ۲

---

۱ وقال العلامة الحصکفی: اشتراہ بالف نسیئة وباع بربح مائة بلا بیان خیر المشتری۔
وقال العلامة ابن عابدین: ای بین ردہ واخذہ بالف ومائة حالة لان للاجل شبہا بالمبیع الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجلہ۔ (رد المحتار مع الدر المختار ج۵ ص۱۴۲ مطلب اشتری من شریکہ سلعة)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۴ باب المرابحة والتولیة۔

۲ قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: فالاصل فیہ ان بیع المرابحة والتولیة بیع امانة ... تجب صیانتہا عن الخیانة وعن سبب الخیانة والتہمة لان التحرز عن ذلک کلہ واجب ما امکن۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۳ باب المرابحة والتولیة)

ومثلہ فی رد المحتار ج۵ ص۱۳۸ باب المرابحة والتولیة۔

آمد و رفت کا خرچہ خریدی گئی چیز کی اصل قیمت میں ملانا

سوال: ایک شخص کوئی چیز خریدنے کے لیے کسی دوسرے شہر جائے تو اس پر جو خرچہ آمد و رفت وغیرہ آتا ہے وہ اگر اس چیز کی قیمت خرید میں شمار کرکے فروخت کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: کسی چیز کے خریدتے وقت اس پر آنے والے اخراجات عقد مرابحہ کی صورت میں قیمت خرید میں ملا کر گاہک سے وصول کرنا شبہ خیانت کا متقاضی ہے اس لیے از روئے شرع یہ جائز نہیں کہ بائع اصل قیمت بتاتے وقت یہ اضافی اخراجات بھی اس میں ضم کرے۔ تاہم قیمت خرید سے قطع نظر کرکے بائع فروخت کرنے کے لیے جو معیار مقرر کرے اس میں اصل قیمت کے ساتھ اضافی اخراجات بھی شامل ہوں اور مشتری اور بائع کے درمیان باہمی رضامندی سے کسی قیمت پر اتفاق ہو تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لا يضم نفقة نفسه اى فى سفره وكسوته وطعامه ومركبه وغسل ثيابه۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۲ باب المرابحة والتولية)[1]

کسی چیز کی قیمت خرید میں اضافی اخراجات ملانے کی صورت

سوال: بیرون ملک سے سامان تجارت منگوانے کی صورت میں مختلف سرکاری ٹیکسوں کی ادائیگی اور دوسرے اخراجات سے قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ ایک چیز کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں ایک ہزار روپیہ ہو تو یہاں پہنچتے پہنچتے اس کے مجموعی اخراجات دس ہزار روپے سے متجاوز ہو جاتے ہیں، تو کیا یہاں اس چیز کو اتنی گنا اضافی اخراجات کے ساتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سامان تجارت پر آنے والے اخراجات کو قیمت خرید میں ضم کرنا عرف عام ہے اس صورت میں اضافی اخراجات خریدے ہوئے مال پر تقسیم کرکے گاہک سے وصول کرنے میں

---

[1] لما قال فى الهندية: ولا يحمل عليه ما انفق عليه فى سفره من طعام ولا كراء ولا مؤنة لانعدام العرف فيه ظاهرا كذا فى المبسوط۔
(الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۱۶۲ الباب الرابع عشر فى المرابحة والتولية)
ومثله فى البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۷ كتاب البيوع باب المرابحة والتولية۔

شرعاً کوئی حرج نہیں، تاہم شبہِ خیانت سے بچنے کے لیے اگر قیمتِ خرید بتانے کی ضرورت محسوس ہو تو اضافی اخراجات ملا کر قیمتِ خرید بتانا دیانت کے خلاف ہے، البتہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ویجوز ان یضیف الی رأس المال اجرة القصار والطراز والصبغ والفتل واجرة حمل الطعام ویقول قام علیّ بکذا ولا یقول اشتریته بکذا کیلا یکون کاذباً۔ (الهدایة ج۳ ص۵۶ باب المرابحة والتولیة) لہ

بیع مرابحہ میں خیانت کے باعث مشتری کا بیع واپس کرنا

سوال: مشتری اگر بائع پر اعتماد کر کے ۲۵ فیصد منافع دینے پر تیار ہو جائے جس کے نتیجے میں بائع نے چار ہزار کی خریدی ہوئی چیز مشتری پر پانچ ہزار میں فروخت کر دی، بعد میں مشتری کو کسی ذریعے سے بائع کے جھوٹ پر آگاہی ہوئی کہ یہ چیز تو اس نے چار ہزار میں خریدی تھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مشتری بائع سے ادا کی گئی زائد رقم (ایک ہزار روپیہ) واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیع مرابحہ میں جب بائع کی خیانت ظاہر ہو جائے تو مشتری کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم طے شدہ قیمت میں کمی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مشتری یا تو خریدی ہوئی چیز بائع کو واپس کر کے اپنی پوری رقم واپس لے لے یا پھر طے شدہ پوری قیمت ادا کرے۔

لما قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: فان اطلع المشتری علی خیانة فی المرابحة فهو بالخیار عند ابی حنیفةؒ ان شاء اخذه بجمیع الثمن وان شاء ترکه۔ (الهدایة ج۳ ص۵۸ باب المرابحة والتولیة) لہ

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ: ولهذا یضم الی رأس المال اجر القصار والصبغ والطراز والفتل وحمل الطعام وسوق الغنم ویقول قام علیّ بکذا ولا یقول اشتریته لانه کذب۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۱۶ باب التولیة والمرابحة)

ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۱۳۵ کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة)

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: فان ظهر خیانته فی مرابحة باقراره او برهان علی ذلک او بنکوله عن الیمین اخذه المشتری بکل ثمنه او رده۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۱۳۶ کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۶ باب المرابحة والتولیة۔

سیل ٹیکس قیمت خرید میں ملانے کا حکم

سوال: حکومت تاجروں اور چھوٹے دوکانداروں سے سیلز ٹیکس کے نام سے جو ٹیکس وصول کرتی ہے تو کیا بائع کے لیے اتنی مقدار رقم مبیع کی قیمت خرید میں ملانا اور مشتری سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: موجودہ دور میں حکومت کی طرف سے عائد کردہ سیلز ٹیکس یا دیگر ٹیکس چونکہ جائز حدود سے نکل کر ظلم و تعدی کے دائرہ میں داخل ہیں اور اس میں کسی امیر یا غریب کی تمیز بھی نہیں، شرح ٹیکس بھی اتنی زیادہ ہے کہ دینے والا اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر سیلز ٹیکس بالکل اس رقم کی طرح ہے جو راستے میں تاجروں سے ظلماً و جبراً وصول کی جاتی ہے۔ اس لیے صورت مسئولہ میں مشتری کو قیمت خرید بتاتے وقت اس میں ٹیکس کا اضافہ ضم کرنے میں خیانت کا پہلو غالب ہو جاتا ہے، تاہم اگر بائع مشتری کو قیمت خرید بتائے بغیر جملہ ٹیکسوں کا حساب کر کے آپس میں کسی قیمت پر اتفاق کرے تو کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: لا يضم اجر الطبيب ...... وما يؤخذ في الطريق من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه هذا هو الاصل كما علمت فليكن المعول عليه۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۶ باب المرابحة والتولية)

ضلع ٹیکس، چنگی محصول چونگی وغیرہ اخراجات اصل قیمت میں ملانا

سوال: سیل ٹیکس، ضلع ٹیکس، راہداری اور محصول چونگی وغیرہ کے اخراجات مبیع کی اصل قیمت سے ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آجکل حکومت کے عائد کردہ مذکورہ بالا ٹیکس ظالمانہ اور جابرانہ صورت اختیار کر چکے ہیں، ایسے اضافی اخراجات کا مبیع کی قیمت خرید میں ملانا یا نہ ملانا تجار کی عادت اور عرف پر موقوف ہوگا، پس اگر تجار کی عادت اور عرف ملانے کی ہو تو پھر ایسا کرنا جائز رہے ورنہ اضافی اخراجات کا اصل قیمت میں ملانا جائز نہیں۔

۱؎ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: هي اي التولية بيع بثمن سابق والمرابحة بيع به وزيادة۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۶ باب المرابحة والتولية)

ومثله في الهندية ج ۳ ص ۱۶۱ كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: (لا بأس ... اجر الطبيب ... وما يأخذه الطبيب من الطعم الا ... اذ جرت العادة بضمه هذا هو الاصل ما عن ... المعقول عليه. (الدر المختار ج ۵ باب المرابحة والتولية)

قسطوں میں اشیاء کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال: آج کل بعض کاروباری ادارے عوام کی سہولت کے لیے روزمرہ استعمال کی اشیاء قسطوں میں فروخت کرتے ہیں لیکن نقد ادائیگی کی نسبت اقساط میں خریدنے کی صورت میں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو کیا مذکورہ اقساط حکومتی یا نیم سرکاری پرائیویٹ اداروں سے اشیاء ضروریہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دورِ حاضر میں اقساط کے ذریعے روزمرہ استعمال کی چیزوں کی خرید و فروخت کا رواج عام ہو چکا ہے کیونکہ کم آمدنی اور متوسط طبقہ کے لوگ مہنگائی اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی ضرورت کی چیزیں نقد ادائیگی کر کے خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، لہٰذا ان کو یہ ضروری اشیاء اور دیگر سامان وغیرہ مجبوراً قسطوں میں خریدنا پڑتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بائع اسی وقت اپنا سامان خریدار کی طلب پر اس کے حوالے کر دیتا ہے جبکہ خریدار اس چیز کی قیمت نقد ادا نہیں کرتا بلکہ طے شدہ قسطوں کی صورت میں ادا کرتا ہے، اس طریقہ پر کوئی چیز خریدنے کی صورت میں اس کی قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے، اگر خریدار اس چیز کو نقد خریدنا چاہے تو مقررہ قیمت سے کم قیمت پر بازار سے خرید سکتا ہے جبکہ قسطوں میں ادائیگی کی وجہ سے زیادہ قیمت دینی پڑتی ہے۔

مذکورہ طریقۂ بیع میں صرف یہی ایک پیچیدگی نظر آتی ہے کہ ادھار خریدنے کی صورت میں قیمت زیادہ اور نقد خریدنے کی صورت میں قیمت کم دینی پڑتی ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلے میں زیادہ قیمت لگانا شرعاً درست ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ عاقدین کسی ایک قیمت پر متفق ہوں

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: والذي يأخذه الطبيب من الظلم لا يضم الا فيما جرت العادة فيه بضمه بالضم۔ (البحر الرائق ج ۶ باب المرابحة والتولية)

وهكذا في الهندية ج ۳ كتاب البيوع باب المرابحة والتولية۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر بائع یہ کہے کہ یہ چیز میں نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں دیتا ہوں، اور پھر کسی ایک شق پر اتفاق کئے بغیر جدا ہو جائے تو یہ بیع ناجائز ہے، البتہ اگر اسی مجلس میں نقد یا ادھار میں سے کسی ایک قیمت پر دونوں کا اتفاق ہوگیا تو بیع جائز ہے۔
یہاں ایک سوال یہ ہے کہ جو بات ہے کہ اگر نقد اور ادھار کی بجائے مختلف مدتوں کے مقابلے میں مختلف قیمتیں مقرر کی جائیں، مثلاً نقد سو روپے ہیں، جبکہ ادھار ایک سو بیس روپے ہیں، اور یہ ادھار ایک ماہ کے لیے ہو گا، اور اگر ادھار دو ماہ کا ہو تو ایک سو پچاس روپے ہیں، اور اگر ادھار تین ماہ کے لیے ہو تو اور بھی زیادہ قیمت ہوگی۔ تو جس طرح نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں اختلاف جائز ہے تو اسی طرح مدتوں کے اختلاف کی بنا پر بھی قیمتوں میں اختلاف جائز ہے کیونکہ بیع کی ان دونوں قسموں میں بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عاقدین کے درمیان عقد بیع میں مختلف مدتوں اور قیمتوں کے درمیان کسی ایک مدت اور قیمت کا تعین ہونا ضروری ہے، اور اگر یہ کہا کہ ایک ماہ تک رقم ادا کر دو گے تو اتنی قیمت، دو ماہ تک ادا کر دو گے تو اتنی قیمت اور تین ماہ تک ادا کر دو گے تو اتنی قیمت، اور اگر تعیین کے بغیر جدا ہو گئے تو جہالت لازم ہوگی اور بیع ناجائز ہے۔

قال الامام الترمذی رحمہ اللہ تحت هذا الحدیث: نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن بیعتین فی بیعة، وقد فسر بعض اهل العلم قالوا بیعتین فی بیعة ان یقول ابیعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسیئة بعشرین ولا یفارقه علی احد البیعین فان فارقه فلا بأس بها اذا كانت العقدة علی احد منهما۔ (ترمذی ج۱ ص۲۳۳ کتاب البیوع، باب ما جاء فی النهی عن بیعتین فی بیعة)[1]

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا
سوال: بعض اوقات ایک چیز

---

[1] قال العلامة ابو بکر المرغینانی رحمه اللہ: لان للاجل شبها بالمبیع الا یری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔
(الهدایة ج۳ ص۶۰ باب المرابحة والتولیة، کتاب البیوع)
ومثله فی البحر الرائق ج۶ ص۱۱۰ باب المرابحة والتولیة۔

نقد اور نسیئہ کی صورت میں کم قیمت پر جبکہ ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت پر متفق ہو جائیں تو کیا نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت میں کمی بیشی مرخص ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں متعاقدین دونوں نے قیمت کی میعاد مقرر کر لی جائے۔

لما قال العلامة علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: لان للاجل شبہا بالمبیع الا یری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ (الہدایۃ ج۳ ص کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ) لہ

بیع مرابحہ میں دھوکہ سے لی گئی زائد رقم پر رجوع کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے تھوک کا جانوروں کا چارہ خریدنا چاہا اور اس سے اس کا نرخ پوچھا تو اس نے بتایا کہ بوری کے حساب سے ۲۵ روپے فی بوری مجھے پڑتی ہے، اور آپ کو میں ۳۰ روپے فی بوری کے حساب سے دوں گا، وہ شخص اس سے بوریاں خرید لیتا ہے اور بعد میں اس کو پتہ چلتا ہے کہ بازار میں تو اس کا ریٹ ۲۸ روپے فی بوری ہے، اب شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ بائع سے زیادہ لی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ بیع مرابحہ کی ہے اور بیع مرابحہ میں عاقدین کے مابین جو بھی طے پا گیا وہی اس چیز کی قیمت ہے، البتہ خیانت کی صورت میں مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس صورت کو طے شدہ قیمت پر قبول کرے یا واپس کر کے بائع سے اپنے پیسے واپس لے لے، نقصان یا زیادتی کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قال العلامة المرغینانی: فان اطلع المشتری علی خیانة فی المرابحة فهو بالخیار۔ (الہدایۃ ج۳ ص باب المرابحۃ والتولیۃ) لہ

لہ وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: لان للاجل شبها بالمبیع الا تری انه یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ (البحر الرائق ج۶ ص کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة)

ومثله فی فتح القدیر ج۶ ص۱۲۳ کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة۔

لہ وقال العلامة ابو البرکات النسفی: فان خان فی مرابحة اخذ بکل ثمنه۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۶ ص تحت باب المرابحة)

ومثله فی رد المحتار ج۴ ص باب المرابحة والتولیة۔

بیع کو زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دکاندار آٹھ آنے کی چیز دو روپے میں فروخت کرتا ہے لیکن اپنی قیمت خرید کو مخفی رکھتا ہے کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورت مسئولہ کے مطابق ایسا کرنا جائز اور حلال ہے مگر خلاف مروت ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مناسب نفع پر فروخت کرے، قیمت خرید کو ظاہر کیے بغیر بیچنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة الكاساني رحمه الله: ولو اشترى ثوبا بعشرة دراهم ورقمه باثني عشر فباعه مرابحة على الرقم بغير بيان جاز إذا كان الرقم معلوما والربح معلوما ولا يكون خيانة لأنه صادق لكن لا يقول اشتريته لأنه يكون كاذبا فيه۔
(بدائع الصنائع ج۵ ص۲۲۳ تحت بيان في المرابحة) [1]

بیع مرابحہ میں فیصدی کے ساتھ منافع کے تعین کا حکم

سوال: زید ایک شخص بیع مرابحہ کرتے وقت اصل قیمت سے زائد منافع کے فیصدی کا حساب لگاتے ہوئے خریدار سے یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے اس مال میں پانچ فیصد منافع لوں گا۔ تو کیا یہ عقد جائز ہے؟ کیا یہ سود کے زمرے میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: عقد مرابحہ میں اس نوعیت سے منافع کا تعین کرنا اگرچہ آجکل کے سودی لین دین کے ساتھ مشابہ ضرور ہے مگر حقیقت میں یہ سود نہیں لہٰذا صرف مشابہت کی بناء پر اس کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے صورت مسئولہ کے مطابق منافع کا تعین فیصد کے حساب سے کرنا جائز ہے اس لئے کہ اس عقد میں بیع مرابحہ کے جملہ لوازمات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

---

[1] قال العلامة المرغيناني رحمه الله: المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح والتولية نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول من غير زيادة ربح والبيعان جائزان۔ (الهداية ج۳ ص۵۶ باب المرابحة والتولية)
ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۱۶ تحت باب المرابحة والتولية۔

اُدھار چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مجلس علمی کراچی

زیرِ نظر مضمون میں میرا اصل مقصد جس خاص مسئلہ کی شرعی حیثیت سے بحث و تحقیق کرنا ہے وہ مسئلہ ہے کہ اُدھار پر کوئی چیز اُس قیمت سے زائد پر فروخت کرنا جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورتِ نقد رائج ہو۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورتِ نقد ایک سو بیس ہے اس کو مثلاً ایک سال کے اُدھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت کرنا اور خریدنا۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی اس میں جس معاشی معاملے کا ذکر ہے قرآن و حدیث کی رُو سے یہ جائز معاملہ ہے یا ناجائز معاملہ؟ اس بحث و تحقیق میں اس کا تعین کرنا اصل مقصود ہے، اور یہ اس لیے کہ متعدد اشخاص نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور یہ ایک نیا مسئلہ ہونے کے ساتھ اپنے اثرات و معروضی نتائج کے لحاظ سے بڑا اہم اور ضروری مسئلہ بھی ہے۔

بحث کے شروع میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت میں کسی مسئلہ و معاملہ کے متعلق شرعی حکم صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا تفصیلی یا اجمالی ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہو کیونکہ شریعتِ اسلامی کا حقیقی ماخذ و سرچشمہ صرف قرآن و حدیث ہیں لہٰذا اصلاً اس بحث کا دائرہ بھی انہی تک محدود رہے گا تاہم اعمالِ صحابہ کرامؓ در اصل کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ لہٰذا کسی مسئلہ اور معاملہ کی شرعی حیثیت متعین کرنے کے لیے ان کو دیکھنا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی ضروری ہے۔ محدثین کرام کے ہاں حدیث کا جو وسیع مفہوم ہے اس میں آثارِ صحابہؓ بھی شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ کسی معاملہ کے شرعی جواز و عدمِ جواز کے متعلق صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ فقہ و فتاویٰ کی فلاں کتاب میں فلاں فقیہ نے اس کو جائز یا ناجائز کہا اور لکھا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی اس نص و دلیل کا ذکر بھی ضروری ہے جس کی بنا پر اس فقیہ نے ایسا کہا اور لکھا ہے اور یہ اس لیے کہ وفاقی شرعی عدالت کے جج صاحبان بھی کسی فقیہ کے قول کو صرف اس وقت مانتے ہیں جب اس کے ساتھ قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود ہو کیونکہ دستورِ مملکت خداداد پاکستان کے اندر صرف قرآن و حدیث کو اسلامی احکام کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔

اصل مسئلہ پر بحث سے پہلے یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اُدھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے تو یہ قرآن و حدیث کی رُو سے قطعی طور پر جائز ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی

آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسروں سے ادھار بوقت ضرورت لی چیزیں لینے کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض دفعہ ادائیگی کے وقت آپ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی۔ قرآن و حدیث میں قرض حسنہ کے متعلق جو تعلیم ہے اس سے بھی صریح طور پر اس ادھار کا جواز ثابت ہوتا ہے جس پر کوئی اضافہ نہ ہو۔ کسی ضرورت مند کو ادھار پر اس کی ضرورت کی چیز اسی قیمت پر دینا جو نقد کی صورت میں ہو قرض حسنہ کی تعریف میں آتا ہے جو کہ بڑے اجر و ثواب کا ایک عمل ہے بعض احادیث میں اس کو صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے جو نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب و مستحسن عمل ہے۔

اسی طرح بیع مرابحہ کی وہ شکل بھی قطعی طور پر جائز ہے جس میں فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت بھی صحیح بتلا دی گئی اور اس پر نفع کی مقدار بھی صرف اتنی لگائی گئی ہو جو تاجروں کے ہاں اور بازار کے عام رواج کے مطابق ہو یا اس سے بھی کم ہو، مثلاً اگر بازار میں عام طور پر نفع کی مقدار دس فیصد رائج ہو اور مرابحہ میں فروخت کرنے والا فروخت کی جانے والی چیز کی اصل قیمت پر زیادہ سے زیادہ دس فیصد منافع لگائے، مثلاً جو چیز اس کو سو روپے میں پڑی ہے اس پر نفع دس روپے یا اس سے کم لگا کر بیع مرابحہ کے طور پر فروخت کرے تو اس کے جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ بالفاظ دیگر بازار میں عام نرخ کے مطابق ایک چیز کی قیمت ایک سو روپے تھی اور مرابحت کی شکل میں بھی وہ ایک سو روپیہ میں ہی فروخت کی گئی یا مثلاً رعایت کے ساتھ ایک سو پانچ روپے میں فروخت کی گئی تو بیع مرابحہ کی یہ صورت بالکل جائز ہوتی ہے اور شرعی طور پر یہ معاملہ قطعاً درست ہوتا ہے کیونکہ اس میں فریقین معاملہ کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے اور یہ اس وجہ سے موجود ہوتی ہے کہ اس میں ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا اس کی مرضی کے مطابق معاوضہ پایا جاتا ہے جو قلبی رضامندی کا خارجی اور معروضی معیار ہے جبکہ مرابحت کی ایسی شکل کہ جس میں فروخت کرنے والا خریدار کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز بازار کے مقابلہ میں کہیں زیادہ نفع پر فروخت کرتا ہے، مثلاً یہ دیکھتے ہوئے کہ خریدار نقد ادائیگی نہیں کر سکتا پھر کے ادھار پر لینا چاہتا ہے لہٰذا ادھار کی وجہ سے نفع دس فیصد کی بجائے بیس یا تیس فیصد لگا دیتا ہے تو اس صورت میں خریدار کی اگرچہ ظاہری طور پر رضامندی موجود ہوتی ہے لیکن حقیقی طور پر موجود نہیں ہوتی کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ جو چیز وہ ادھار کی وجہ سے مثلاً ڈیڑھ سو روپے میں خرید رہا ہے وہ بازار میں بصورت نقد سو روپے میں ملتی ہے اور یہ کہ فروخت کرنے والا دوسرا فریق اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچاس روپے کا اضافہ کر رہا ہے چنانچہ وہ ضرورت کے تحت سے تو لیتا ہے لیکن دل سے خوش نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے لیے پچاس روپے کا مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا مرابحہ کی یہ شکل بھی بلا حقیقت

درست نہیں ہوتی بلکہ باطل معاملہ کی تعریف میں آتی ہے اس کی مزید کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

یہ میں اپنے اصل مسئلہ کی طرف آتا ہوں یعنی یہ کہ ادھار کی صورت میں کوئی چیز نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے تو انتہائی تلاش و جستجو کے باوجود مجھے قرآن کریم، احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسی دلیل نہیں مل سکی جس سے اس معاملہ کا جواز نکلتا ہو یا ثابت ہوتا ہو۔ البتہ عدم جواز کے متعلق قرآن، حدیث و آثار صحابہ میں واضح اور قطعی دلائل ملتے ہیں۔ تحریم ربوٰ سے متعلق جو آیات، احادیث و آثار ہیں ان سے اس طریقہ بیع کا قطعی طور پر ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ قرآن حکیم نے عہد جاہلیت کی جس مروجہ ربوٰ کو قطعی طور پر حرام و ممنوع قرار دیا ہے اس کی چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ بھی تھی کہ ایک شخص ادھار پر کوئی چیز ادھار بیچتا تو مدت قرض کے لحاظ سے اس کی قیمت میں اضافہ کر دیتا۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں ایک سو درہم ہوتی ایک سال کے ادھار پر ڈیڑھ سو درہم میں بیچتا، پھر جب ایک سال کے بعد مقروض ڈیڑھ سو درہم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ اس سے کہتا میں مدت قرض میں مزید اضافہ کر دیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو۔ دیکھیے قرض کی رقم کی مقدار مزید ایک سال کے لیے دو سو درہم کر دی جاتی۔ پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا۔ اس طرح بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گنا ہو جاتی یعنی اضعافاً مضاعفۃ بن جاتی۔ یہی حال نقد کے قرض کا بھی ہوتا۔ ایک آدمی دوسرے کو مثلاً ایک سو درہم ایک سال کے لیے قرض دیتا تو اس مدت کے لحاظ سے اس میں اضافہ کر دیا جاتا جو ادھار ہی سے ہر ماہ یا سال کے بعد یکمشت اصل کے ساتھ واجب الادا ہوتا، جیسا کہ موجودہ بینکاری نظام میں ہوتا ہے۔ غرضیکہ قرآن حکیم نے ربوا نسیئہ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں سے ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار مندرجہ ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربوٰ کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

(۱) عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال کان الربوا الذی اذن اللہ فیہ بالحرب لمن لم یترکہ عند [illegible] في الجاهلية یکون للرجل علی الرجل حق الی اجل فاذا حل الاجل قال صاحب الحق اتقضي ام تربي فان قضاه اخذ منه والا طوله۔ (ترجمہ: [illegible] ج ۳ ص ۱۰۱ [illegible] باب [illegible])

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا وہ ربو جس کو ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ فرمایا عہد جاہلیت میں اس کی شکل اس طرح تھی کہ ایک آدمی کا دوسرے پر کچھ

آپ ہمیں مزید مہلت دے دیجئے"۔

ان مذکورہ روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ربوا الجاہلیت جس کا دوسرا نام ربوا النسیئہ ہے قرض کا ایسا معاملہ تھا جس میں مہلت اور مدت قرض کے عوض مال قرض میں اضافہ کیا جاتا تھا خواہ وہ قرض نقد کی صورت میں ہو یا کسی فروخت کردہ چیز کی قیمت کی صورت میں، اور یہ کہ اسی کو قرآن حکیم نے حرام اور ممنوع ٹھہرا کر اس خیال کی نفی اور تردید کر دی کہ قرض دینے والا مہلت قرض کے عوض مقروض سے قرض کے اصل مال پر کچھ بھی زائد مال لے سکتا ہے۔

یہاں پر مناسب اور مفید معلوم ہوتا ہے کہ اکابر مفسرین کرام کی کچھ عبارات پیش کر دوں جو انہوں نے ربائے جاہلی کی تفسیر میں فرمائی ہیں تاکہ حقیقت حال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص اپنی جلیل القدر فقہی تفسیر میں ربوا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

والربوا الذي كانت العرب تعرفه وتفعله انما كان قرض الدراهم والدنانير الى اجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به هذا كان المتعارف المشهور عندهم۔

(احکام القرآن ج۱ ص۵۵۲ باب الربوا)

(ترجمہ) وہ ربوا جس کو اہل عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم و دنانیر کے قرض کا معاملہ تھا جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی مقروض ادا کرے گا۔ ربوا کا یہی معاملہ عربوں کے ہاں متعارف اور مشہور تھا"۔

اس سے کچھ آگے ایک اور عبارت اس طرح ہے:-

ولم يكن تعاملهم بالربوا الا على الوجه الذي ذكرنا من قرض دراهم ودنانير الى اجل مع شرط الزيادة۔ (احکام القرآن ج۱ ص۵۵۴ باب الربوا)

(ترجمہ) عربوں کے اندر جس ربوا کا چلن تھا اس کی وہی شکل تھی جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا یعنی ایک خاص مدت تک دراہم و دنانیر کا قرض جس کے ساتھ زیادتی کی شرط ہوتی تھی"۔

پھر دو صفحات کے بعد ایک تیسری عبارت کچھ اس طرح ہے:-

انه معلوم ان الربوا الجاهلية انما كان قرضاً مؤجلاً بزيادة مشروطة فكانت الزيادة بدلاً من الاجل فابطله الله وحرمه وقال وان تبتم فلكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون۔ (احکام القرآن ج۱ ص۵۵۳ باب الربوا من ابواب الربوا التی نعت آیۃ تحریمہ)

(ترجمہ) یہ ایک معلوم اور جانی پہچانی بات ہے کہ عہد جاہلیت کی ربوا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ

زیادتی کی شرط کے ساتھ میعادی قرض کا معاملہ تھا اور اس میں قرض کے اصل مال پر جو زیادتی ہوتی تھی وہ مدت اور مہلتِ قرض کا بدل سمجھی جاتی تھی پس اس کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا اور فرمایا اگر تم اس سے توبہ کر کے باز آ جاؤ تو پھر تمہارے لیے صرف تمہارے اصل اموال ہیں جو تم نے بطور قرض دیے تھے نہ تم ان پر کچھ زائد لیکر اپنے مقروضوں پر ظلم کرو اور نہ وہ تمہارے اصل اموال روک کر تم پر ظلم کریں۔"

واضح رہے کہ یہاں ظلم کے معنی حق تلفی کے ہیں۔

اس تیسری عبارت میں جو بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ قرض کے اصل مال پر جو زیادتی مشروط ہوتی تھی وہ اجل یعنی مدتِ قرض کا عوض اور بدل سمجھی جاتی تھی۔

دوسرے مفسر امام فخر الدین الرازیؒ نے اپنی عظیم المرتبت تفسیر مفاتیح الغیب میں جو کہ تفسیر الکبیر کے نام سے معروف ہے، ربٰو کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اما الربٰو النسیئة فھو الامر الذی کان مشھورًا متعارفًا فی الجاھلیة وذلک انھم کانوا یدفعون المال علی ان یاخذوا کل شھر قدرًا معینًا ویکون رأس المال باقیًا، ثم اذا حل الدَّین طالبوا المدیون برأس المال فان تعذر علیہ الاداء زادوا فی الحق والاجل فھذا ھو الربٰو الذی کانوا فی الجاھلیة یتعاملون۔ (تفسیر الکبیر ج ۷ ص ۹۱ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) "البتہ ربٰو النسیئة جو عہد جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی عملاً اس کی شکل اس طرح تھی کہ بعض لوگ اپنا مال دوسروں کو بطور قرض اس شرط پر دیتے کہ وہ ہر ماہ اپنے مقروض سے خاص مقدار میں کچھ مال بطور سود لیتے رہیں گے اور قرض کا اصل مال اپنی حالت پر باقی رہے گا پھر جب ادائیگی مقررہ وقت آتا تو وہ مقروض سے اصل مال کا مطالبہ کرتے پھر اگر اس کے لیے ادائیگی مشکل ہوتی تو اپنے حق اور قرض کی مہلت میں اضافہ کر دیتے، پس یہی وہ ربٰو تھی جس کا لوگ عہد جاہلیت میں لین دین اور کاروبار کرتے تھے۔"

اسی تفسیر میں ربٰو سے متعلق ایک اور عبارت کچھ اس طرح ہے:۔

کان الرجل فی الجاھلیة اذا کان لہٗ علی انسان مائة درھم الی الاجل فاذا جاء الاجل ولم یکن المدیون واجدًا لذلک قال زدنی فی المال حتی ازید فی الاجل فربما جعلہ مائتین۔ (تفسیر الکبیر ج ۹ ص ۲ سورۃ آل عمران آیت ۱۳۰)

(ترجمہ) "زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کے کسی انسان پر ایک خاص وقت کیلئے ایک سو درہم قرض ہوتے پھر جب وہ وقت آتا اور مقروض کے پاس ادائیگی کیلئے مال نہ ہوتا تو وہ کہتا تم میرے حق میں اضافہ کر دو تاکہ میں اجل کو زیادہ کر دوں پس بسا اوقات وہ سو درہم کے دو سو درہم کر دیتا۔"

مذکورہ عبارات میں اس کی تصریح ہے کہ عہد جاہلیت کی ربٰو جس کو قرآن مجید نے قطعی حرام بتلایا ہے اس کے اندر جو مرکزی تصور کارفرما تھا وہ یہ کہ مقرض یعنی قرض دینے والا مدتِ قرض کے بدلے قرض کے اصل مال پر کچھ زائد مال کا حقدار قرار پاتا ہے، قرآن کریم نے اس ربٰو کو حرام قرار دے کر اور یہ فرما کر مقرض اپنے اصل مال پر جو کچھ بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے، تصور مذکور کی نفی کر دی ہے گویا یہ فرما دیا کہ اجل اور مدتِ قرض کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مال کا بدل بن سکتی ہو اور جس کا کوئی معاوضہ لیا دیا جا سکتا ہو۔

یہاں تک ربٰو الجاہلی اور ربٰو النسیئہ کی حقیقت و ماہیت اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق قدرے تفصیل کے ساتھ جو کچھ لکھا اور عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں جب ہم اپنے زیر بحث معاملے کا تجزیہ کر لیتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ معاملہ اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے مقاصد اور اپنے لازمی اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربٰو النسیئہ جیسا معاملہ ہے، وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد سے بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے وہ در اصل ایک سال کی مدت و مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح ربٰو النسیئہ میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر لیا جانے والا زائد مال بلا عوض ہوتا اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے۔ اسی طرح زیر بحث معاملہ میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لیے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربٰو النسیئہ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی و جسمانی محنت و مشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی ضمانت کے اپنے سرمائے و تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیر بحث بیع المؤجل کے معاملے میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی بھاگ دوڑ، محنت اور عملی جد و جہد کے اور بغیر کسی نقصان برداشت کرنے کی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے۔ پھر جس طرح ربٰو النسیئہ کے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب و فراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیاء اور سرمایہ داروں کے درمیان سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملے کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربٰو النسیئہ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی ہیں اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربٰو النسیئہ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا، وہ سب زیر بحث بیع مؤجل کے معاملے سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں لہٰذا اصول قیاس کا تقاضہ یہ

میں معاوضے کے صرف اس معاملہ کو باطل سے مستثنیٰ اور جائز بتلایا گیا ہے جس میں ہر فریق کیلئے اس کی
چیز کا بدل موجود ہوتا لہٰذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے۔ چونکہ تجارت میں بیع و شراء کا معاملہ
ایسا ہی ہے اس میں بائع کو اپنی چیز کا عوض ثمن اور قیمت کی شکل میں اور مشتری کو اپنی چیز کا عوض خریدی
ہوئی شے یعنی مبیع کی شکل میں ملتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بائع مشتری کی کسی مجبوری سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی چیز اس کی قیمت سے زائد پر بیچ دیتا ہے جو عام طور پر بازار میں اس چیز
کی ہوتی ہے یا بعض دفعہ مشتری بائع کی کسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی چیز اس کی قیمت سے کم پر
خرید لیتا ہے جو بازار میں عام طور پر ہوتی ہے۔ لہٰذا بیع و شراء کی ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ ایک
فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ اس کے لیے اس کی چیز کا پورا اور صحیح عوض یا
بدل موجود نہیں ہوتا لہٰذا بیع و شراء کا ایسا معاملہ کسی ایک فریق کی حقیقی رضامندی کے موجود نہ ہونے کی
وجہ سے ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری اور زبانی رضامندی کا تعلق ہے وہ تو معاملہ ربو
میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ربو کا معاملہ حرام و ممنوع رہتا ہے بلکہ حقیقت میں رضامندی
کا فیصلہ اور معروضی معیار ہر فریق کے لیے اس کی چیز کا صحیح عوض و بدل موجود ہونا ہے اگر وہ موجود ہو تو
اس کا مطلب رضامندی کا موجود ہونا ہے اور موجود نہ ہو تو اس کا مطلب رضامندی کا موجود نہ ہونا ہے۔
مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے
دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے
اپنی سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے
ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لیے موجود نہیں ہوتا لہٰذا وہ بغیر عوض کے دوسرے کا مال
لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کرکے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے نیز بیع و شراء کا یہ ایسا
معاملہ دکھائی دیتا ہے جس میں ایک فریق کے لیے اس کی چیز کا عوض موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس
کی رضامندی موجود نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ اس میں خریدار کے لیے مذکورہ بالا مثال کے مطابق پچاس روپے
کا عوض موجود نہیں ہوتا جو قرض کی وجہ سے بیچنے والا خریدار سے لیتا ہے لہٰذا اس کی حقیقی رضامندی
بھی موجود نہیں ہوتی لہٰذا اس پہلو سے بھی یہ معاملہ ناجائز اور ممنوع قرار پاتا ہے۔
زیر بحث معاملہ کی شرعی حیثیت سے متعلق جہاں تک احادیث نبویہ کا تعلق ہے تو متعدد احادیث
سے بھی اس کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کثرت احادیث سے بھی جن میں ربو کی حرمت کے ساتھ مذمت
اور ممانعت ہے طوالت سے بچتے ہوئے ہم ان کو یہاں نقل اور ذکر نہیں کر رہے۔ بیع عینہ کی لعنت

سے متعلق جو احادیث ہیں ان سے بھی اس معاملے کا عدم جواز مفہوم و مستنبط ہوتا ہے البتہ یہاں میں اس حدیث کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں ربو النسیئہ کی حقیقت بیان فرمائی گئی ہے جو کہ حدیث کی بعض کتابوں میں ان الفاظ سے موجود ہے :-

عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا ۔ (بلوغ المرام (مترجم) ص۱۷۸ حدیث ۸۸۲)

(ترجمہ) "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربو ہے"

مطلب یہ کہ جو قرض، قرض دینے والے کیلئے قرض لینے والے کی طرف سے مالی منفعت کا سبب اور ذریعہ بنتا ہو وہ ربو ہے۔ اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس کے مضمون کی تائید چونکہ متعدد آثار صحابہ کرامؓ سے ہوتی ہے لہذا اس کو ہمیشہ قابل اعتماد سمجھا گیا اور فقہاء کرام اس سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے وہ آثار جن سے اس حدیث کو تقویت ملتی ہے سنن الکبریٰ للبیہقیؒ اور اعلاء السنن وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ان آثار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے کہ قرض دینے والا قرض کی وجہ سے اپنے مقروض سے کسی طرح کا کوئی مادی فائدہ اٹھائے اگرچہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ میں بغرض اختصار ان کو یہاں نقل نہیں کر رہا جو دیکھنا چاہے کتب مذکورہ میں دیکھ سکتا ہے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے ربو کے موضوع پر اپنے رسالہ کشف الدجی میں ان کو یکجا جمع کر دیا ہے جو امداد الفتاوی میں بھی شامل ہے۔

بہر حال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جو شخص مثلاً ایک سو روپے کی چیز ادھار پر ایک سو بیس روپے میں فروخت کرتا ہے وہ بیس روپیہ جو زائد لیتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ قرض سے فائدہ اٹھاتا اور منفعت اندوزی کرتا ہے۔ اگر قرض نہ ہوتا تو نقد کی صورت میں کسی کو اس چیز کے صرف سو روپے ملتے۔ پھر جب یہ معاملہ حدیث مذکور کے مطابق ربو کی تعریف میں آگیا ہے تو اس کا بھی وہی شرعی حکم ہو سکتا ہے جو ربو و سود کا ہے یعنی حرام و ناجائز ہونا۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کی بنا پر پورے وثوق و یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر بحث معاملہ قرآن و حدیث کی رو سے حرام اور ناجائز معاملہ ہے۔

اس کے بعد یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے بعض علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں بطور فتویٰ لکھا ہے کہ یہ معاملہ مذکورہ شرعاً جائز و مناسب ہے یعنی شرعاً اس میں کچھ حرج نہیں کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زائد قیمت پر بیچی جائے چنانچہ ان فتووں کے پیش نظر بلا سود بینکاری کے لیے سود کے متبادل جو معاملات تجویز کیے گئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ بینک کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس سے اگر کوئی شخص مشین وغیرہ خریدنے کے لیے قرضہ مانگے تو وہ اس کو سود پر نقد دینے کی بجائے اس سے یہ کہے کہ میں تیری مطلوبہ چیز خرید کر تم کو ایک سال کے ادھار پر دیتا ہوں اور ادھار کی وجہ سے مرابحہ کے نام پر اس کی اتنی قیمت لگاتے ہیں جو بازار کی نقد قیمت سے کہیں زائد ہو مثلاً یہ کہے کہ یہ چیز جو مجھے سو روپیہ میں پڑی ہے آپ کو پچاس روپے کے نفع کے ساتھ بیچتا ہوں تم ایک سو پچاس روپے ایک سال کے بعد ادا کر دینا مطلب یہ کہ اس طرح کے معاملہ کو بینک کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے جو حقیقت میں اپنے مقصد اور اثرات و نتائج کے لحاظ سے ربوٰ کی طرح کا معاملہ ہے اگرچہ اس کو بیع مرابحہ اور بیع مؤجل کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ویسے جب کہ میں نے شروع میں عرض کیا بیع مرابحہ بھی شرعاً اس وقت جائز ہے جب اس میں ربح و نفع کی مقدار بازار کے عام عرف و رواج کے مطابق ہو۔ اسی بیع مؤجل بھی شرعاً اس وقت جائز ہے جب بیچی جانے والی چیز کی قیمت ادھار میں بھی اتنی ہی ہو جتنی نقد کی صورت میں تھی۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو حضرات علمائے کرام معاملہ زیر بحث کو شرعاً جائز سمجھتے اور کہتے ہیں ان کے وہ دلائل کیا ہیں جن کی بنا پر وہ ادھار کی چیز زیادہ قیمت پر بیچنے کو جائز و درست مانتے ہیں لیکن اس بحث میں نہ میں ان حضرات میں سے کسی کا نام لے کر ذکر کروں گا اور نہ اس کتاب کا نام لکھوں گا جس میں کسی نے ایسا لکھا ہے بلکہ صرف وہ دلائل ذکر کروں گا جو ان حضرات نے اپنے موقف کے ثبوت میں پیش فرمائے ہیں اور فیصلہ اہل علم حضرات پر چھوڑ دوں گا جو احادیث اور استنباط کے مختلف طریقوں کا بخوبی علم و فہم رکھتے اور صحیح اور غلط استدلال کے درمیان تمیز کر سکتے اور فیصلہ کرنے میں انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہیں۔

قارئین کرام یہ پڑھ کر حیران و متعجب ہوں گے کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث کے جواز کے قائل ہیں وہ اس کے ثبوت میں نہ تو قرآن مجید کی کوئی آیت پیش کرتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ آثار صحابہ میں سے کوئی اثر نہ ائمہ مجتہدین کا کوئی اجتہادی قول اور نہ مسلمہ قواعد فقہیہ میں سے کوئی قاعدہ پیش فرماتے ہیں بلکہ اس کے ثبوت میں بطور دلیل فقہ حنفی کی دو مشہور کتابوں مبسوط اور

ہدایہ کی ایک ایسی عبارت پیش کرتے ہیں جس سے کسی طرح بھی یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنا خریدنا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے۔ میں اس عبارت کو پیش کرنے سے پہلے جس سے ان حضرات نے استدلال فرمایا ہے اس سیاق و سباق کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس میں وہ عبارت ذکر ہوئی ہے تاکہ حقیقت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

جس سیاق و سباق میں وہ عبارت واقع ہے اس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ فقہ حنفی کی مذکورہ بالا کتابوں میں جہاں بیع مرابحہ کی بحث ہے اس میں بیع المرابحہ کی فقہی تعریف، اس کی صحت کی شرائط اور اس کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلق شرعی احکام کا بیان ہے۔ بیع مرابحہ کی تعریف جن الفاظ میں کی گئی ہے اردو زبان میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے

بیع مرابحہ خرید و فروخت کا ایسا معاملہ ہے جس میں ایک شخص یہ کہہ کر اپنی کوئی چیز دوسرے پر فروخت کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی یا مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں اور دوسرا اس پر اعتماد و بھروسہ کر کے وہ چیز خرید لیتا ہے گویا اس میں کوئی چیز اس کی قیمت خرید پر متعین نفع کے ساتھ بیچی خریدی جاتی ہے، چونکہ اس بیع میں سچائی اور اعتماد بنیادی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس کو بیع الامانۃ بھی کہا جاتا ہے اس بیع کی صحت اور تکمیل کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ کہ حقیقتاً جھوٹ اور خیانت موجود نہ ہو بلکہ اس کا شبہ بھی نہ پایا جاتا ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد اگر جھوٹ و خیانت کا شبہ ظاہر ہو جائے تو خریدار کو اس کے رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے یعنی چاہے تو اس کو برقرار رکھے اور چاہے تو ختم کر دے۔

بیع مرابحہ کی وہ شکلیں جن میں جھوٹ و خیانت کے شبہ کی بنا پر خریدار کو معاملہ طے ہو جانے کے بعد رد و قبول کا اختیار ہوتا ہے ان میں سے ایک شکل جس کو امام محمد الشیبانیؒ نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اس طرح ہے :

من اشتری غلاما بالف درھم نسیئۃ فباعہ بربح مائۃ درھم ولم یبین فعلم المشتری فان شاء ردہ وان شاء قبل۔ (جامع الصغیر ص۳۲ باب المرابحۃ والتولیۃ)

(ترجمہ) ایک شخص نے ایک غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا اور پھر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو فروخت کر دیا اور خریدار کو یہ نہیں بتلایا کہ میں نے ایک ہزار درہم میں ادھار پر خریدا تھا معاملہ طے پا جانے کے بعد خریدار کو اس کا علم ہوا تو ایسی صورت میں اس کو رد و قبول دونوں کا اختیار ہوتا ہے۔

جامع الصغیر میں امام محمد الشیبانیؒ نے عبارت مذکورہ کے بعد اس کی کوئی توجیہ نہیں فرمائی کہ اس صورت میں خریدار کو معاملے کے رد کا کیوں اختیار ہوتا ہے؟ اس کی عقلی طور پر کیا وجہ ہے؟ لیکن بعد کے بعض حنفی فقہاء کرام نے مذکورہ جزئیے کو نقل کرنے کے بعد اس کی توجیہ بھی لکھی ہے شمس الائمہ السرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں اس کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے:

قال رحمه الله واذا اشترى شيئا نسيئة فليس له ان يبيعه مرابحة حتى يتبين انه اشتراه نسيئة لان بيع المرابحة بيع الامانة تنفى عنه كل تهمة وجناية ويتحرز فيه من كل كذب وفي معاريض الكلام شبهة فلا يجوز استعمالها في بيع المرابحة ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيئة باكثر مما يشتري بالنقد۔ (المبسوط ج ۱۳ باب المرابحة والتولية)

اس عبارت کا وہ حصہ جو اس بحث کا مقصود ہے یہ ہے:

ثم الانسان في العادة يشتري الشيء بالنسيئة باكثر مما يشتري بالنقد۔

ترجمہ: پھر انسان عادۃً ادھار کی چیز اس قیمت سے زائد پر خرید لیتا ہے جو نقد کی صورت میں ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ ادھار پر خریدی ہوئی چیز جب مرابحہ کے طور پر فروخت کی جائے تو امانتداری اور راست گوئی کا تقاضا یہ ہے کہ فروخت کرنے والا خریدار کو صاف بتلا دے کہ یہ شے میں نے ادھار پہ اتنے میں خریدی ہے اور اتنے نفع کے ساتھ فروخت کرتا ہوں۔ اور یہ بتا دینا اس لیے ضروری ہے کہ عام طور پر انسان جب کوئی شے ادھار پر خریدتا ہے تو عادتاً بمقابلہ نقد کے زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے لہذا ہوسکتا ہے کہ یہ چیز بھی اس نے اپنی حاجتمندی اور ناداری کی وجہ سے زیادہ قیمت پر خریدی ہو جو بصورت نقد بازار میں اس کی نہ ہو اور اب چونکہ وہ نقد کی صورت میں فروخت کر رہا ہے ادھار کی صورت میں نہیں کر رہا لہذا اس پر لازم ہے کہ خریدار کو اس حقیقت سے آگاہ کرے چنانچہ آگاہ ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ اس کو مطلوبہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو پھر اس کو طے شدہ معاملہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا بخلاف اس صورت کے کہ وہ خریدار کو اس سے آگاہ نہیں کرتا اور معاملہ طے پا جانے کے بعد اسے اس کا پتہ چلتا ہے تو وہ اس معاملے کو فسخ کرسکتا ہے۔

المبسوط کی مذکورہ عبارت میں جس انسان اور اس کی عادت کا ذکر ہے ظاہر ہے کہ وہ وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا حاجتمند ہو اور ناداری کی وجہ سے نقد پر نہ خرید سکتا ہو اور وہ چیز اس کو نقد کی قیمت پر بطور قرض دستی کے بجائے مل سکتی ہو۔ ایسا انسان اپنی حاجت براری کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ ادھار دینے والے کی مرضی کے مطابق زیادہ قیمت پر خرید لے۔ اور لفظ عادت کا مطلب ہے کہ ایسا ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ

ایسا لازماً اور دائماً ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے اور ربا کی ہر شکل سے بچنے اور اجتناب کرنے والے متقی مسلمان جب کسی حاجتمند انسان کو اس کی ضرورت کی چیز اُدھار پر دیتے ہیں تو اسی قیمت پر دیتے ہیں جو بصورت نقد بازار میں اس کی رائج ہوتی اُدھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر نہیں دیتے۔

بہرحال اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو زیادتی فائدہ کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے اور اپنے معاشی معاملات میں اسلامی اصول و احکام اور حلال و حرام کا خیال نہیں رکھتے۔ اسی لیے ایسے لوگوں کا رویہ اور طرزِ عمل شریعتِ اسلامی کی رُو سے جائز و درست نہیں ہو سکتا۔ شمس الائمہ سرخسیؒ کی مذکورہ عبارت میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو اس پر دلالت کرتا ہو کہ ان کے نزدیک لوگوں کی مذکورہ عادت شرعاً جائز و درست عادت ہے۔ رہا یہ سوال کہ پھر انہوں نے اس کو ناجائز کیوں نہیں لکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان کا مقصد اس عادت کے جواز و عدمِ جواز سے بحث کرنا نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد بیع المرابحہ کی ایک خاص شکل سے متعلق امام محمدؒ کے مذکورہ قول کی توجیہ کرنا ہے جو عادت مذکورہ کے ناجائز ہونے کی شکل میں بھی ہو جاتی ہے۔

مبسوط کی مذکورہ عبارت کے بعد اب میں صاحب الہدایہ علامہ مرغینانیؒ کی وہ عبارت نقل کرتا ہوں جس سے زیرِ بحث معاملے کے جواز کے لیے استدلال فرمایا گیا ہے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

قال ومن اشترى غلاماً بالف درهم نسيئة فباعه بربح مائة ولم يبين فعلم المشترى فان شاء رده وان شاء قبل لان للاجل شبها بالمبيع الا يرى انه يزاد فى الثمن لاجل الاجل والشبه فى هذا ملحق بالحقيقة فصار كانه اشترى شيئين وباع احدهما مرابحة بثمنهما (هدایه اخیرین ص۵۸ باب المرابحة والتولية)

(ترجمہ) امام محمدؒ نے کہا جس نے ایک ہزار درہم کے بدلے ایک غلام اُدھار پر خریدا اور پھر مرابحہ کے طور پر ایک سو درہم کے نفع پر اس کو بیچ ڈالا اور خریدار کو نہیں بتلایا کہ میں نے یہ اُدھار پر خریدا تھا بعد میں خریدار کو اس کا علم ہوا، تو اب اگر وہ چاہے تو اس کو رد کر دے اور چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے کیونکہ اجل یعنی قرض کی مہلت اور مدت بیچی جانے والی چیز سے کچھ مشابہت رکھتی ہے کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے اور چونکہ مرابحہ کے باب میں شبہ بیع کو حقیقتِ بیع سے ملحق کر دیا گیا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ گویا بیچنے والے نے جس قیمت میں دو چیزیں خریدی تھیں یعنی غلام اور اجل اسی قیمت پر ان میں سے ایک یعنی غلام کو بیچ دیا۔"

اس عبارت میں مقصود بحث اس کا وہ حصہ ہے جس میں صاحب ہدایہ نے امام محمدؒ کے قول مذکور کی توجیہ بیان فرمائی ہے یعنی مرابحہ کی مذکورہ شکل میں معلوم ہو جانے کے بعد خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہو گیا ہے عقلی طور پر اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ وجہ صاحب ہدایہ کے نزدیک مرابحہ کی اس شکل میں شبہ خیانت کا پایا جانا ہے جس سے بیع مرابحہ کو پاک ہونا چاہیے کیونکہ بیع مرابحہ بیع الامانۃ ہے اور شبہ خیانت کی جو وضاحت انہوں نے فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اس کے متعلق یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس نے جس قیمت میں وہ چیز خریدی ہے وہ قیمت تنہا اس چیز کی نہیں بلکہ ادھار کی جو اجل اور مہلت ملی ہے اس کی بھی ہو کیونکہ بیچنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ادھار کی مہلت اور مدت کی وجہ سے فروخت کی جانے والی چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں لہذا ادھار پر خریدی ہوئی ہر چیز کے متعلق یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اس کی جو قیمت ہے وہ تنہا اس کی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ اجل اور مہلت ادھار کی بھی ہو مثلاً ایک ہی شخص نقد کی صورت میں بیچنے کی وہی قیمت وصول کرتا ہے جو ادھار کی صورت میں اس شے کی تھی تو گویا وہ دو چیزوں کی قیمت ایک چیز سے وصول کر لیتا ہے کیونکہ نقد کی صورت میں اجل نہیں ہوتی صرف چیز ہوتی ہے لہذا وہ ایک طرح کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے جو مرابحہ کے معاملہ میں عیب ہے اور چونکہ بیع میں عیب ظاہر ہونے کی صورت میں خریدار کو رد و قبول کا خیار ہوتا ہے لہذا بیع المرابحہ کی اس شکل میں بھی خریدار کو رد و قبول کا حق حاصل ہو گیا ہے۔
اس توجیہ کے ضمن میں علامہ مرغینانیؒ نے اپنی اس بات کی تائید میں ایک جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "یزاد فی الثمن لاجل الاجل" یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اجل یعنی ادھار کی مدت کی وجہ سے شے کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے اس سے بعض اہل علم حضرات نے یہ مطلب نکالا ہے کہ ادھار کی چیز کی قیمت بمقابلہ نقد کے بڑھا دینا شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے حالانکہ عبارت مذکورہ سے یہ مطلب بالکل نہیں نکلتا۔ اس عبارت میں جو بات کہی گئی ہے بطور واقعہ بالکل درست ہے کہ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں یعنی ادھار کی چیز کی قیمت زیادہ کر دیتے ہیں لیکن ان کا ایسا کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہوتا ہے یا ناجائز؟ عبارت مذکورہ کے کسی لفظ سے اس کا اظہار نہیں ہوتا کیونکہ صاحب ہدایہ کا مقصد بیان صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اجل کی وجہ سے کچھ مشابہت یا اجل کے مبیع ہونے کا شبہ ہے کیونکہ کچھ لوگ اجل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرتے ہیں یہاں ان کا مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا اور یہ بتانا نہیں کہ ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کے شارحین نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ فتح القدیر، بنایہ، عنایہ اور کفایہ وغیرہ کو دیکھیے کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اجل کی وجہ سے شے کے ثمن میں اضافہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی کا اس کو ناجائز نہ لکھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہاں پر مقصد اس کے جواز و عدم جواز سے بحث کرنا ہے ہی نہیں بلکہ جو معاملہ بیان کیا گیا ہے

ناجائز ہو اس کو ناجائز کہنے کی ضرورت پیش کیا ہے۔ بہرحال کسی معاملے کے جائز یا ناجائز ہونے کا اصل
معیار قرآن وحدیث اور ان سے مستنبط احکام ہیں۔ چنانچہ جو معاملات ان کے مطابق ہو وہ جائز اور جو
مطابق نہ ہو بلکہ خلاف ہو وہ ناجائز قرار پاتا ہے۔ لوگوں کا اس کو کرنا یا نہ کرنا اس کے جواز و عدم جواز کا
کوئی معیار نہیں ورنہ شریعت ایک کھلونا بن کر رہ جائے گی۔

علاوہ ازیں اگر مذکورہ عبارت یعنی "یزاد فی الثمن لاجل الاجل" سے یہ مفہوم ہے کہ اجل
یعنی مہلت قرض کسی ثمن وقیمت کا عوض وبدل بن سکتی ہے تو تین سطروں کے بعد خود صاحب ہدایہ نے
واضح الفاظ سے اس کی نفی کردی ہے۔ فرمایا "وان استہلکہ ثم علم لزمہ بالف ومائۃ لان
الاجل لا یقابلہ شیئ من الثمن" اور اگر مذکورہ مثال میں خریدار نے خریدنے کے بعد غلام کو ہلاک یا
فروخت کردیا یعنی اس کے ہاتھ میں نہ رہا اور پھر اس کو یہ علم ہوا کہ وہ ایک غلام ایک ہزار درہم میں ادھار پر
خریدا گیا تھا اور ایک سو درہم منافع کے ساتھ مجھ پر فروخت کیا گیا تو اب وہ فروخت کرنے والے سے کچھ
بھی واپس نہیں لے سکتا اور اس کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو گیارہ سو روپے آپ کو دیئے ہیں ان
میں جو اجل کا عوض تھے وہ مجھے واپس کردو کیونکہ اجل ایک ایسی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی ثمن نہیں
ہوسکتا "لان الاجل لا یقابلہ شیئ من الثمن" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اجل اور مہلت وقت
کے بالمقابل کوئی مال لینا دینا جائز نہیں۔ اور چونکہ جامعہ زیر بحث معاملہ میں بصورت ادھار
نقد کے مقابلہ میں جو زائد قیمت لگائی جاتی ہے وہ اجل اور مدت ادھار کی وجہ سے لگائی جاتی
ہے لہٰذا ہدایہ کی اس دوسری عبارت سے اس معاملے کا ناجائز ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ المبسوط اور الہدایہ کی جن عبارات سے معاملہ زیر بحث کے جواز
کے لیے استدلال کیا گیا ہے اگر کچھ بھی غور وفکر سے کام لیا جائے تو یہ استدلال بے جان
نظر آتا ہے اور ان عبارات سے کسی طرح اس معاملے کا جواز نہیں نکلتا جبکہ اس کے مقابلہ
میں عدم جواز کے دلائل قرآن وحدیث سے تعلق رکھتے اور مضبوط ومستحکم دلائل ہیں جو
تفصیل کے ساتھ پہلے عرض کیے گئے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جو اہل علم حضرات معاملہ زیر بحث
کے جواز کے قائل ہیں وہ اس مسئلہ پر از سر نو پڑھیں اور غور وفکر کریں گے اور پوری توجہ
اور احتیاط کے ساتھ اس معاملے کی شرعی حیثیت کا تعین فرمائیں گے

استفتاء :- بخدمت گرامی استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ گذارش یہ ہے کہ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک بابت رجب ۱۴۱۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا طاسین صاحب کا ایک مضمون آیا ہے جس میں انہوں نے بیع نقد اور نسیہ میں قیمت کے فرق کو ناجائز قرار دیا ہے اور حرام تک سے تعبیر کیا ہے حالانکہ ہمارے اکابرین اسے جائز قرار دیتے رہے ہیں جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی امدادیہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد المفتین میں ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے احسن الفتاوی میں اور مفتی کل ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی کفایت المفتی میں ہے ۔

ان سب حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے ـــــ آپ صحیح صورت حال سے مطلع فرمائیں کہ ان دونوں باتوں میں تعارض ہے یا نہیں اگر ہے تو کس کو صحیح سمجھا جائے اور پوچھنے والا کو کیا بتلایا جائے ـــــ اگر اجازت ہو تو آپ کا جواب تطبیق یا ترجیح کا الحق کو بھیج دوں ـــ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ الحق بھی مولانا طاسین صاحب کی رائے کی تائید میں ہے کیونکہ اس نے بلا کسی تبصرے کے اس کو شائع کیا ہے ۔

حافظ عبدالقیوم حقانی خطیب جامع مسجد لوہانی کراچی ۱۸ رجب ۱۴۱۲ھ

الجواب :- دونوں فتوؤں میں تعارض ظاہر ہے ـــــ اکابر علماء مذکورین فی السوال کے فتوی کو غلط سمجھنے کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے ، حضرت مولانا طاسین صاحب کا مضمون الحق میں ادھورا ہے جتنا الحق میں غالبا پورا ہے ، اور مجھے کسی صاحب نے ان کے مضمون کا عکس فوٹو سٹیٹ بھی بھیجا ہے ۔ مولانا نے اپنے مضمون میں دو باتیں فرمائی ہیں میں مختصراً ان پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔

پہلی بات یہ کہ جواز کا فتوی دینے والوں کے پاس دلیل ہدایہ اور مبسوط کی یہ عبارت ہے الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ

معاملہ جائز نہیں ہے۔ انہوں نے مرابحہ کی بحث میں صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے اس کو جائز کہنے کی بات نہیں کی ۔۔۔ دوسری بات یہ کہ جائز کہنے والوں کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل تو کیا کسی مجتہد کا قول بھی نہیں۔

اس ناکارہ کے ناتمام مطالعہ کے مطابق حضرت مولانا کی یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ علامہ سرخسیؒ نے صرف لوگوں کی عادت کا ذکر کیا ہے خود اسے جائز نہیں فرمایا، اس کے لیے ناظرین کو علامہ سرخسی رحمہ اللہ کی مبسوط جلد ۱۳ صفحہ ۸ ملاحظہ فرما لینا چاہیئے، عبارت یہ ہے :۔

وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا أو قال إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم يعامله على ثمن معلوم ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن شرطين في بيع وهذا هو تفسير الشرطين في بيع۔

(ترجمہ) "جب عقد اس طرح کیا جائے کہ ادھار پر قیمت اتنی ہے اور نقد پر اتنی یا ایک مہینے کا ادھار ہو تو قیمت اتنی اور دو ماہ کا ادھار ہو تو قیمت اتنی تو یہ عقد فاسد ہوگا اور فاسد اس لیے ہوگا کہ معاملہ میں ثمن معلوم نہ ہو سکا تردد میں چھوڑ دیا، اور اس لیے بھی فاسد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں شرطین سے منع فرمایا ہے اور شرطین فی بیع کے یہی معنی ہیں، (یعنی ثمن یا مبیعہ میں تردد)"

آپ نے دیکھا کہ اس صورت کے فساد کی وجہ علامہ سرخسیؒ نے تردد فی الثمن کو کہا ہے جو اصول بیع کے بھی خلاف ہے اور نص صریح کے بھی۔ علامہ سرخسیؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ صورت چونکہ ربا النسیئۃ میں داخل ہے اس لیے فاسد ہے ــــــ اگر یہ بھی اطمینان نہیں تو علامہ سرخسیؒ کی اس عبارت کے ساتھ متصل یہ صریح عبارت بھی پڑھ لیجئے، آپ فرماتے ہیں :۔

وهذا إذا افترقا على هذا فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد فهو جائز لأنهما ما افترقا إلا بعد تمام شرط صحة العقد۔

(ترجمہ) "یعنی فساد اس صورت کا اس وقت ہے کہ جب بائع اور مشتری اسی تردد والی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، لیکن اگر وہ دونوں راضی ہو گئے اور جدا ہونے سے پہلے پہلے ثمن معلوم کر لیا اور عقد کو اتمام تک پہنچا دیا (یعنی ایک ہی صورت ادھار والی یا نقد والی متعین کر لی) تو پھر یہ عقد جائز ہے کیونکہ اب بائع اور مشتری صحت عقد کی شرط کو پورا کر کے آپس میں جدا ہو گئے ہیں"

تو ایسی صورت میں نہ تو بیع کے عام اصول کی خلاف ورزی ہوئی کہ ثمن مجہول ہے اور نہ بیع

یعنی وصفِ مرغوب کی وجہ سے قیمت بڑھ سکتی ہے اور نامرغوب کی وجہ سے قیمت گھٹ جاتی ہے۔ دیکھئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اصول بتا دیا کہ جید اور ردی سب برابر ہیں جید اور ردی کا مقابلہ کبھی ہو تو
برابر برابر لینا ہوگا جودت کے عوض زیادہ نہیں لے سکتے بلکہ بہترین کھجور کے ایک سیر کے
بدلے میں معمولی کھجور کے دو سیر لینے سے منع فرما دیا کیونکہ اس میں سیر کے بدلے سیر آتا اور دوسرا
سیر وصفِ جودت کے عوض میں لیا جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ لیکن خود ہی حیلہ بتا دیا کہ یہ صورت بتلا دی کہ
ردی کھجور کو کم قیمت پر بیچ ڈالو مثلاً ایک روپے کے دو سیر فروخت کر دو اور پھر بہتر کھجور کو زیادہ قیمت
سے لے لو۔ تو گویا بہترین کھجور کی قیمت کا اضافہ اسی وصفِ مرغوب کی وجہ سے ہی ہوا۔ اس عقلی اور
فطری بات کا انکار آخر کون کر سکتا ہے کہ مرغوب چیز کی قیمت بمقابلہ غیر مرغوب کے زیادہ ہوگی۔ اسکے
باوجود یہ صورت جائز نہیں کہ ایک سیر بہتر کھجور کے بدلے میں معمولی کھجور کا ایک سیر تو سیر کے مقابلہ میں ہو
اور دوسرا سیر جودت کے مقابلہ میں ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بہتر کھجور والے کو معمولی کھجور کا ایک سیر
اور مثلاً ایک روپیہ بھی ساتھ دے دیا جائے کیونکہ اس صورت میں یہ روپیہ یا دوسرا سیر وصف کے عوض
ثابت ہوگا اور وصف کا عوض لینا جائز نہیں حالانکہ بہتر کھجور کو عام بازار کے نرخ سے زیادہ قیمت
پر خریدنا بالکل جائز ہے۔ یہ حالانکہ یہاں بھی قیمت کی زیادتی وصف کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی اور وجہ سے
یہی معاملہ ہے اجل کا بھی کہ نفس اجل کا عوض لینا ناجائز ہے لیکن بوجہ اجل کے قیمت کا بڑھ جانا فطری
اور عقلی بات ہے اور شریعت نے اس کو منع نہیں فرمایا جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصف
کے متعلق فرمایا کہ بہتر کھجور کو زیادہ قیمت سے خرید لیا کرو۔ اسی کو فقہاء کرام نے فرمایا ان الاجل
لا یقابلہ شیٔ من الثمن اور یہ بھی ان الثمن یزداد لاجل الاجل۔ نفس اجل پر عوض لینے کی وہی صورت ہے جو
آپ کی عبارات میں بھی ہے اور جس کو ربوا النسیئۃ میں بیان فرمایا ہے۔ جیسے کہ عقد ہوا اس پر ایک ماہ کے
بعد اس چیز کا ایک روپیہ دے دو اور جب مشتری نے ایک ماہ کے بعد روپیہ نہیں دیا تو بیچنے والے نے
کہا کہ چلو دوسرے مہینے پر دے دو لیکن چار آنے بڑھا کر۔ تو یہ صورت ناجائز ہے کیونکہ اجل ہی کو بیچا
گیا۔ لیکن اجل ایک وصفِ مرغوب ہے کہ مشتری کو فوری رقم جیب سے دینی پڑتی اور آسانی سے اپنا کام
چلا لیتا ہے۔ ہاں جنس اور قدر ایک ہونے کی صورت میں اس آسانی سے کام چلانے کا اعتبار نہیں کیونکہ
اصول ربویہ ہیں اور نص کے خلاف اس لئے اس کی قیمت بڑھ گئی جیسے جید کھجور کی قیمت بوجہ جودت کے
بڑھ گئی۔ حالانکہ صرف جودت کا عوض نہ اپنی جنس سے دیا جا سکتا ہے نہ غیر جنس سے جیسا کہ
پہلے عرض کر چکا ہوں۔

بہرحال فقہائے احناف کے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زیر بحث صورت ربوا النسیہ یعنی اصل
نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اب مولانا رضا حسین صاحب نے کچھ یا حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب مرحوم
کا اسی مسئلہ پر ایک مضمون جنوری کے "حکمت قرآن" میں چھپ چکا ہے جس میں انہوں نے بہت سی فقہی
عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے جو کہ مولانا کے مضمون میں ہیں کہ سود سے اس بیع مؤجل کا فرق
دو وجوہ سے ہے کہ یہ دین پر اضافہ نہیں بلکہ شروع ہی سے ثمن مبیع کا بتلا دیتا ہے نیز مدت بڑھنے
کے ساتھ ساتھ اس زیادتی میں اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ پھر آگے دیکھا کہ یہ زیر بحث صورت اگرچہ حقیقی ربوا
تو نہیں مگر یہاں بھی درحقیقت وہی سود خوار ذہنیت ہے پھر کہتے ہیں کہ یہ مقصد اور منافع کے لحاظ سے ایک
حرام حیلہ ہے یا اگر نرم الفاظ استعمال کئے جائیں تو مکروہ اور شریعت اسلامی کے اصل مزاج کے خلاف
ایک حیلہ ہے۔ اگر حضرت مفتی صاحب مرحوم بقید حیات ہوتے تو ان سے اسلام کے اصل مزاج اور غیر
اصل مزاج کا فرق دریافت کیا جاتا۔ بہرحال مفتی صاحب کے نزدیک بھی ان عبارات سے مسئلہ زیر بحث
حقیقی طور پر ثابت نہیں کیونکہ ربوا النسیۃ اور اس صورت میں دو وجوہ سے فرق ہے۔ ربوا النسیۃ حقیقی
ہے جبکہ یہ حقیقی سود نہیں اس کو حرام کہنے کی بجائے مکروہ کہنے کی گنجائش ہے۔

باقی رہی مولانا کی یہ بات باقی بات کہ اس سے مجبور لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ تو
گذارش یہ ہے کہ اگر ضروریات زندگی کی بنیادی چیزیں مثلاً اشیاء خوردونوش، علاج و ادویات کی چیزیں یا
ستر پوشی کا عام لباس حتی کہ جانوروں کا چارہ اور گھاس وغیرہ کمیاب ہونے کی وجہ سے مہنگے داموں
بکتا ہے تو وہ یقیناً حرام اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ مگر اس میں تو مؤجل اور معجل کا فرق
ہے۔ اگر نقد کی صورت پر ایسا کرے تو بھی گناہ اور ادھار کی صورت میں ایسا کرے تو بھی عذاب الٰہی
کا مستحق، اور نہ باب مغنی کہ وہ بیع ہی نہیں ہوئی بیع ہو گئی طے شدہ دام دینے پڑیں گے ہاں بوقت
ضرورت حکومت تسعیر سے کام لے سکتی ہے اور اس کی مخالفت پر تعزیر کا حق بھی رکھتی ہے مگر اس سے
زیر بحث مسئلہ کو مطلقاً حرام اور سود کہنا یا بار بار قطعی حرام کہنا مناسب نہیں، اس سے یا تو تمام فقہاء
مجوزین اور ان کے متبعین کی تجہیل لازم آتی ہے یا تفسیق، جو کسی طرح بھی اختلاف صالحین کے شایان شان
نہیں تجہیل اس لئے کہ یہ روایات اور عبارات عام معروف ہیں اور یقیناً مولانا صاحب کے پیش نظر ہوں
گی اور تفسیق اس صورت میں کہ جان بوجھ کر ان سے چشم پوشی کی اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالا گیا ایک
اسی طرح بیا کہ سے اسلاف کو بدنام کرتے رہے تو نفاذ اسلام و شریعت کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے
رہ گیا۔ والامر بید اللہ۔ علاوہ ازیں یہ کاروبار اکثر جیسی پر مال خریدنا بیشتر مجبوری سے ہی نہیں ہوتا

بلکہ زیادہ تر صورتیں ایسی ہیں کہ کاروباری لوگ اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ایسے میں ظاہر
ہے کہ کوئی وجہ بھی نہیں اسی طرح وہ اشیاء جو صرف عیاشی کے لیے خریدی جاتی ہیں یا زیادہ سہولت کے لیے
ان کو گراں قیمت پر دینے میں بھی کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم

الحق کو بھیجنے میں کوئی حرج نہیں باقی ان کا خیال قرآن کو ہی معلوم ہو گا تب اس مضمون کے
بعد کوئی تائید یا ترمیم و تردید بھیجیں۔ بہتر ہے کہ "حقیقت قرآن" کا مسودہ بھی بھیجا جائے کیونکہ انہوں
نے اس موضوع پر مختلف مقالات شائع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جواب ۱۴

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

یہ مضمون درحقیقت حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ کے اس مضمون کا تجزیہ اور تفصیلی تجزیہ ہے
جو مجلہ "الحق" کی جلد ۲۲ کے شمارہ ۲/۳ میں "ادھار بیع پر زیادہ قیمت لینے کی شرعی حیثیت" کے عنوانات
شائع ہوا تھا۔ قبل ازیں حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب دامت برکاتہم کا ترتیب کردہ مضمون بھی
الحق کے حوالے سے بطور جواب قارئین کرام کی نذر کیا جا چکا ہے جس میں کافی حد تک مسئلہ پر بحث مسئلہ کو
واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اول اس مضمون نگار کی اسلامی اور جدید معاشیات پر عمیق نظر اور تبحر فن ہی واقف علوم ہے
رکھنے سے کوئی انکار نہیں۔ موصوف کا ملک کی ان چند گنی چنی شخصیات میں شمار ہوتا ہے جن کو اہل نظر
جدید معاشی نظام میں اسلامی نظام معیشت کا وکیل سمجھتے ہیں۔ آپ کی علمی کاوشیں "مجلس علمی" کراچی
اور ریسرچ و تحقیق کے میدان میں مسلم ہیں۔ البتہ جہاں تک ہے کہ موصوف کی زیر بحث مسئلہ میں بعض حقائق
مسلمہ یا مروجہ حالات و واقعات سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے موزوں ہو سکتی ہے لیکن شرعی نقطہ نظر
سے موصوف کے اٹھائے ہوئے نکات قابل توجہ ہی نہیں بلکہ محل نظر بھی ہیں۔ موصوف کی رائے کہ
ادھار کی صورت میں قیمت کی زیادتی حرام اور ناجائز ہے اس کے تجزیہ سے قبل ہم قرآن و حدیث کے
حوالے سے مسئلہ کا ایک طائرانہ مطالعہ کر کے داخلی و خارجی قرائن کی رو سے اس کا جائزہ لیں گے
لیکن اس سے قبل مسئلہ کا اجمالی تعارف بھی ضروری سمجھتے ہیں تاکہ قارئین کرام کسی الجھن اور غلط فہمی کے
شکار نہ ہوں۔

قدیم معاشرہ کے مقابلہ سے قطع نظر موجودہ معاشرہ کی بعض قیود اور ایسے معاشی مسائل ہیں

مجتہد ہونے کا تقاضا ہے پھر اس کو تقلید کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی۔ جیسا کہ علامہ موصوفؒ مزید فرماتے ہیں۔

لأن معرفة الدليل انما تكون للمجتهد لتوقفها على معرفة سلامته من المعارض وهي متوقفة على استقراء الادلة كلها ولا يقدر على ذلك الا المجتهد اما مجرد معرفة ان المجتهد الفلاني اخذ الحكم الفلاني من الدليل الفلاني فلا فائدة فيها۔ (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۳ تحت مطلب لا القول بالتفصیل)

(ترجمہ) دلیل کی پہچان مجتہد کا وظیفہ ہے کیونکہ اس کے لیے دلیل کے معارض سے محفوظ ہونے کا علم ضروری ہے جس کے لیے تمام دلائل کا استقرا ضروری ہے اور اس پر مجتہد کے سوا کوئی قادر نہیں تاہم محض یہ جاننا کہ فلاں امام نے فلاں دلیل سے یہ حکم لیا ہے کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں۔

ہم تو مقلد ہیں اور ہمارے لیے علامہ مرغینانیؒ یا علامہ سرخسیؒ کا جزئیہ تو درکنار بلکہ مفتی حضرت تھانویؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کی رائے بھی حرف آخر ہے۔ تقلید کے حوالے سے ہم ان اکابر کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے اصل مراجع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں مولانا محترم اور آپ کے ہمنوا حضرات کی تسلی کے لیے اپنے طالبعلمانہ مطالعہ کے حوالے سے چند حوالہ جات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں تاکہ قارئین پر واضح ہو کہ فقہاء کا یہ مسئلہ ان کی ذاتی، مخترع یا خانہ زاد نہیں بلکہ اس کی تائید میں منصوص واقعات، آیت اور حدیث بطور استدلال کے موجود ہیں۔

زیر نظر مسئلہ میں قیمت میں زیادتی کی حقیقت

اس کی پوری حقیقت تو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں موصوف کے مضمون کے تجزیہ کے بعد واضح ہو جائے گی کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں یہ تفاوت کیا ادھار کا عوض ہے یا ادھار کی وجہ سے ہے؟ دونوں کا دائرہ کار کیا ہے؟ اور دونوں کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہے؟ تاکہ منصوص حرام و ناجائز کا معیار "ربا النسیئہ" سے اس کا فرق ہو سکے۔ سر دست ہم چند مسلمہ دلائل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں کہ زیر نظر مسئلہ میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں یہ تفاوت اُدھار کا معاوضہ نہیں۔ حقیقت میں ایسا بھی نہیں کہ زر بیع میں کچھ قیمت مبیع کی ہے اور کچھ قیمت اس اجل کی ہے تاکہ بوقت ضرورت کوئی ایک دوسرے سے الگ ہو سکے بلکہ معاشرتی اور واقعاتی نظائر و حالات کو مد نظر رکھ کر نقد میں ادھار کی نسبت سے نفع، توانائی اور دوسری خوبیوں کی فراوانی کی وجہ سے

کچھ زیادتی آتی ہے۔" ہم آسانی کے لیے اسے یوں تعبیر کرسکتے ہیں کہ "ان الزیادۃ ھٰھنا للاجل لاجنس لا لعوض الاجل" یعنی یہاں یہ زیادتی ادھار کی وجہ سے ہے ادھار کے عوض میں نہیں۔"
قرآن و حدیث میں اس کے متعدد نظائر پائے جاتے ہیں جن میں ادھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی آتی ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے بعض واقعات عملی طور پر اس کے شاہد ہیں۔

قرآن سے استدلال

قرآن مجید کی "آیت المداینہ" پر سوچ و فکر کرنے سے شاید اس حقیقت تک رسائی کے لیے مواد مل سکے کہ اجل کی وجہ سے قیمت میں تفاوت جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

"خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے مقررہ مدت تک کیے ہوئے عقد سلم کے معاملہ کو اپنی کتاب میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ۔ (سورۃ البقرہ آیت [illegible]) کی رُو سے حلال قرار دے کر اجازت دی ہے۔" (تفسیر المظہری جلد ۱ ص[illegible] سورۃ البقرہ)

اور حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں:

لا بأس بطعام الموصوف بسعر معلوم الی اجل معلوم (بخاری شریف ج[illegible] ص[illegible])

(ترجمہ) "مقررہ مدت تک مقررہ نرخ پر معلوم غلہ کے کاروبار میں کوئی حرج نہیں۔"

معلوم ہوا کہ آیت مداینہ بنیادی طور پر "عقد سلم" کے بارے میں ہے اور عقد سلم کی تعریف علماء نے یوں کی ہے: "بیع اجل بعاجل"۔ (فتح القدیر جلد [illegible] ص[illegible] باب السلم)

اس اجمال کی حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی مشتری مقررہ شرائط کی رعایت کرتے ہوئے مثلاً کسی شخص کو ایک ہزار روپے دے کر یہ معاہدہ کرے کہ یہ رقم پیشگی وصول کر کے فلاں وقت مجھے گندم اس نرخ کے اعتبار سے دینے کے پابند ہوں گے اور بائع بھی مقررہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے رقم وصول کر کے معاہدہ قبول کرلے تو اسے "عقد سلم" کہا جاتا ہے۔ خیر القرون کے دور سے لے کر آج تک بغیر کسی انکار کے یہ معاملات جائز اور مشروع ہیں۔ "عقد سلم" کی ماہیت پر غور و خوض کرنے کے بعد یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ مشتری وقتی طور پر یکمشت زر سلم کی ادائیگی پر تیار ہو کر مہینوں تک مبیعہ کی وصولی کے لیے انتظار کس جذبہ کے تحت کرتا ہے؟ کیا اس کے پیچھے خیر خواہی اور ہمدردی کا کوئی حسین جذبہ کارفرما ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تو قرضہ حسنہ کی صورت میں بائع سے ایسے وقت میں تعاون کا ہاتھ بڑھا دیتا۔ متعدد شرائط کی رعایت کر کے پیشگی رقم دے کر مہینوں تک مبیعہ کی وصولی کا

آپ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتری طعاماً من یہودی الی اجل ورھنہ درعاً من حدید (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷۴ باب الرھن عند الیھود و غیرھم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ادھار پر خریدا اور اپنا لوہے کا بنا ہوا ایک زرہ اس کے پاس رہن رکھا۔

امام بخاریؒ نے یہ روایت متعدد بار مختلف مسائل میں نقل کی ہے۔ اس لئے نسیہ پر معاملہ کا جواز ناقابل انکار حقیقت ہے۔ موصوف بھی اپنے مقالہ کی ابتداء میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جہاں تک ادھار و قرض پر کوئی چیز بیچنے اور خریدنے کا تعلق ہے قرآن و حدیث کی رو سے قطعی طور پر جائز ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت مداینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث پیش کر دینا کافی ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسروں سے ادھار پر ضرورت کی چیزیں لینے کا واقعہ بیان ہے اور یہ بھی کہ بعض ادائیگی کے وقت آپ نے بہتر طور پر ادائیگی فرمائی۔ (ماہنامہ الحق جلد ۸ نمبر ۲ ص ۳۲)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جیسے دوسرے معاملات کے مطالعہ سے قطع نظر اگر یہودی سے مذکورہ معاملہ کا جائزہ لیتے ہیں (ایک متعصب دشمن اسلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ) اور پھر اس کے بعد روزمرہ ضرورت کی ادنیٰ چیز "طعام" کو رہن رکھنے کے پس پردہ عوامل کے جائزے سے جو صورت سامنے آتی ہے اس میں زیر نظر مسئلہ کے جواز کے لیے قوی مستدل موجود ہے۔ لیکن پردہ حقیقت کے جاننے کے لیے ہمیں اس واقعہ کا مطالعہ مدینہ منورہ کے معاشی حالات کو مدنظر رکھ کر کرنا ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ میں جب کسی چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے تو اس کا بھاؤ بھی زیادہ ہوتا ہے اور جب خریدار زیادہ ہوں تو اس چیز کے بکنے کے مواقع وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں بائع ادھار کی نسبت سے نقد کو زیادہ ترجیح دیتا ہے الا یہ کہ ادھار میں اگر کہیں مال منفعت بہ نسبت نقد کے زیادہ ہو تو پھر وہ صورت یعنی ادھار پر فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کے وقت مدینہ منورہ کی معاشی حالت کے حوالے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت مدینہ منورہ میں غلہ کی بہت زیادہ ضرورت تھی کیونکہ لوگوں کو بیرونی قافلوں کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور جب کسی قافلہ کے آنے کی خوشخبری سن لی جاتی تو بسا اوقات فاقہ زدہ معاشرہ کی حالت ہی بدل جاتی

ورانی جان کی خبر تک نہ رہتی ، چنانچہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کو تجارتی قافلے کی خبر اس وقت ملی جب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو صحابہ کرامؓ کثیر تعداد میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا چھوڑ کر قافلے کی طرف دوڑ پڑے جس پر سورۃ الجمعہ کی آخری آیتیں
نازل ہوئیں ۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں خرید و فروخت کی مارکیٹ پر یہودی
چھائے ہوئے تھے وہ قافلے والوں سے غلہ خرید کر مدینہ میں منمانی قیمت پر فروخت کرتے تھے
ان کو نقد کا گاہک ایسی ضرورت کی اشیاء میں لازمی طور پر میسر تھا ، یہ لوگ نقد کی نسبت ادھار
کو ترجیح کسی شوق کی وجہ سے نہیں دیتے تھے بلکہ مالی منفعت کی خاطر یہ لوگ ادھار کا معاملہ
کرتے تھے ، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھار کے معاملہ سے غالب گمان یہ
ہے کہ نقد کی نسبت سے ادھار میں قیمت کا تفاوت لازمی طور پر اختیار کیا گیا ہوگا ورنہ نقد کے
گاہک ملنے کے باوجود یہودی کو ادھار کا معاملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ مالی منفعت اور
زیادہ قیمت کی وصولی کے سوا یہودی کے اس اقدام کے لیے اور کوئی دوسرا محرک نظر نہیں آتا ۔
اس میں اس کا احتمال بھی نہیں کہ یہودی نے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض
احسان کے جذبے سے حسن سلوک کرکے محض نقد کی قیمت پر بطور ادھار دیا ہو کیونکہ لَتَجِدَنَّ
أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا کے مصداق
ہونے کے باوجود یہودیوں جیسی متعصب قوم سے مسلمانوں کے ساتھ اور خاص کر حضور
سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر خواہی اور حسن سلوک اور مواسات کے جذبات کی توقع کرنا
بے سود ہے ۔ بلکہ حدیث میں رہنہ درعہ کے الفاظ سے بھی خیر خواہی کے جذبہ کی تردید ہو
رہی ہے ، آخر کار جب ہمدردی مقصود تھی آپ سے توثیق کے لیے رہن کا مطالبہ کیوں کیا گیا اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی درع بطور رہن رکھنے کے لیے کیسے تیار ہوئے جو آپ کی جہادی
زندگی کی روزمرہ ضرورت تھی ۔

یہ ایسے امور ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں قیمت کی صورت میں نقد کی
نسبت سے قیمت زیادہ رکھی گئی ہو ۔

خیر القرون میں زیر بحث مسئلہ کا عملی ثبوت

مذکورہ شہادات کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی
زندگی میں بھی کئی ایسا واقع ملتے ہیں اور

ٹھوس ثبوت ملتا ہے جس سے مسئلہ کی شرعی حیثیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے جواز میں صحابہ کرامؓ کے دور میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور صحابہ کرامؓ خود ایسے معاملات کرتے تھے۔ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ کے واقعہ میں اس کی صریح دلیل موجود ہے امام احمدؒ کی روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے لیکن صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سیدنا امام ابو حنیفہؒ کے واسطے سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان امرأة قالت لعائشة ان زید بن ارقم باعنی جاریة بثمانمائة درهم ثم اشتراها منی بستمائة فقالت ابلغیه عنی ان الله تعالی ابطل جهاده مع رسول الله صلی الله علیه وسلم ان لم یتب۔ (فتح القدیر ج۵ ص۲۰۷ باب البیع الفاسد)

(ترجمہ) ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کی کہ زید بن ارقمؓ نے مجھ پر ایک لونڈی آٹھ سو درہم میں فروخت کر کے دوبارہ چھ سو درہم میں خریدا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میری طرف سے زید بن ارقمؓ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر اس نے اپنے کئے ہوئے کام سے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ جہاد ضائع کر دے گا جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کیا ہے۔"

اگرچہ اس روایت میں نقد اور ادھار کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں اس پر یہ اضافہ آیا ہے:۔

انی بعت من زید غلاما بثمانمائة درهم نسیئة واشتریته بستمائة نقدا۔ (فتح القدیر ج۵ ص۲۰۷ باب البیع الفاسد)

(ترجمہ) کہ میں نے اس سے آٹھ سو درہم ادھار پہ غلام خرید کر چھ سو درہم نقد پر دوبارہ اس پر فروخت کیا ہے۔"

اس روایت کو دیکھ کر کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہنا چاہیے کیونکہ زید بن ارقمؓ کے اس معاملے میں نقد کی قیمت اگر چھ سو درہم ہے تو ادھار کی قیمت آٹھ سو درہم مقرر کی جا رہی ہے۔

شاید اس پر کسی کو یہ شبہ ممکن ہے کہ یہ حضرت زید بن ارقمؓ کا انفرادی عمل تھا اور دوسرے صحابہؓ آپؓ سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس پر مطلع ہو کر بہت سخت الفاظ میں پیغام بھیجا کہ اگر اس نے اپنے کیے ہوئے کام سے رجوع نہ کیا تو اس کا جہاد جیسا مبارک عمل بھی ضائع ہو جائے گا گویا آپ نے بیع قسط کو کبیرہ سمجھ کر دوسرے اعمال کے لئے مبطل قرار دیا۔

لیکن یہ بحث بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں پر حضرت زید بن ارقمؓ کے اس معاملہ میں دو چیزیں ہیں ایک
چیز یہ ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمت میں آپ نے تفاوت رکھا؛ دوسری چیز یہ ہے کہ آپ نے خود اپنے
فروخت کئے ہوئے غلام یا لونڈی کو دوبارہ کم قیمت پر قبل نقد ثمن خرید کر بیع عینہ جیسے سودی معاملہ کا
ارتکاب کیا۔ حضرت عائشہؓ کے انکار کا تعلق اول الذکر مسئلہ سے نہیں بلکہ انتہائی شدت سے انکار آپ
نے دوسرے معاملہ کو مدنظر رکھ کر کیا۔ آپ نے اسے ربوٰا کی ایک ذیلی شکل قرار دے کر اس پر ربوٰا کی حجت
تفاوت کی بھرپور کا تعلق پہلے اول معاملہ سے نہیں تھا یعنی ادھار میں اس چیز کی قیمت آٹھ سو مقرر
کرنے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔ اگر صرف یہ عقد ہوتا تو آپ یہ انکار کبھی نہ فرماتیں لیکن
دوسرے معاملہ میں کہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز کو قبل الثمن کم قیمت پر خریدنے میں سود واضح طور پر
نظر آ رہا تھا اس لیے آپ نے انکار کیا اور پہلا معاملہ بھی اس اعتبار سے درست نہ رہا کیونکہ
حرام معاملہ کی پوری عمارت اسی پر قائم ہوئی تھی۔ اس سے حضرت عائشہؓ نے دونوں پر انکار
کر کے فرمایا کہ بہت برا ہے وہ چیز جو تو نے خریدی اور فروخت کی۔ علامہ علاء الدین کاسانیؒ اس
تفرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وانما ذمت البيع الاول وان كان جائزا عندنا لانها صارت ذريعة الى البيع
الثاني هو موسوم بالفساد۔ (الكفاية على الهداية - فتح القدير ج ۶ باب البيع الفاسد)

(ترجمہ) آپ نے پہلی بیع کی مذمت بھی کی حالانکہ یہ آپ کے ہاں بھی جائز معاملہ تھا کیونکہ
یہ دوسرے ناجائز اور فاسد عقد کے لیے ذریعہ تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام "بئس ما شتریت وما شتریت" بری ہے وہ چیز جو تو
نے خریدی اور فروخت کی" میں عقد ثانی باعتبار وجود مؤخر ہونے کے باوجود آپ نے ذم کرتے
ہوئے پہلے ذکر کیا کیونکہ بنیادی طور پر اس کی مذمت مقصود تھی۔

حضرت زید بن ارقمؓ کے اس تفاوت پر اقدام اور حضرت عائشہؓ کا اس تفاوت پر خاموش رہنے
سے اندازہ ہوتا ہے کہ ادھار کے معاملہ میں قیمت کا تفاوت خیر القرون کے معاشرہ میں بھی
مروج تھا۔ اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے تھے اور نہ کسی نے اس کو ربوٰ النسیئہ میں شمار کیا۔

مختلف الجنس اشیاء کے تبادلہ میں تفاضل حقیقی و حکمی دونوں جائز ہیں

از روئے شریعت بیع و فروخت کا معاملہ عاقدین کی باہمی
رضامندی پر مشتمل ہے لیکن اموال ربویہ میں ان پر چند پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اشیاء ستہ کی حدیث

سے جہاں دوسرے ائمہ نے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق علت نکال کر ربو کی شکلیں متعین کیں تو احناف نے ''جنس و قدر'' کی علت نکالی' اس لیے جہاں کہیں دونوں جنسیں پائی جاتی ہیں وہاں پر احناف نے تفاضل حقیقی اور تفاضل حکمی (نسیہ) دونوں حرام قرار دیں، مثلاً اگر کوئی شخص دوسرے پر گندم کے عوض گندم فروخت کرتا ہے تو ایک من کے بدلے میں جیسا کہ دو من خریدنا حرام ہے ایسا ہی تفاضل حکمی کہ ایک چیز وصول کرکے دوسرے کی وصولی کے لیے مہلت دی جائے بھی حرام ہے اور اگر کہیں جنس و قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو وہاں پر تفاضل حکمی تو حرام ہے لیکن تفاضل حقیقی میں کوئی حرج نہیں مثلاً کہ ایک من گندم کے عوض دو من مکئی لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں نسیہ حرام ہے اور جہاں کہیں جنس و قدر دونوں نہ ہوں تو مختلف الجنس اشیاء میں ''واذا اختلفت الجنسان فبیعوا کیف شئتم'' کی رو سے تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں حلال ہیں۔

زیر نظر مسئلہ میں ثمن اور مبیع دونوں مختلف جنس ہیں جن کے درمیان قدر بھی مشترک نہیں اس لیے تفاضل میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم نسیہ اور نقد کے مابین تفاوت کا اعتبار کرنا عقد کی تکمیل کے بعد ثانوی امور ہیں جن کا عقد کے حرام سے کوئی تعلق نہیں۔

نقد و نسیہ کی قیمت میں تفاوت کا جواز ائمہ کا اختلافی مسئلہ ہے

ائمہ کرام کے درمیان زیر نظر مسئلہ میں اتفاق نہ ہونے

کی وجہ یہ بھی ایک دوسرے مسئلہ سے ملتی ہوتی ہے جس میں حضرت زید بن ارقمؓ کی سابقہ روایت پیش کی جاتی ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر کوئی چیز نسیہ اور ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے اور پھر بغیر کسی ثمن کی ادائیگی کے دوبارہ اپنی فروخت کی ہوئی چیز بغیر کسی ثالث کے حائل ہونے کے نقد پر کم قیمت سے خریدے تو امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ثالث کے حائل نہ ہونے کے بغیر بھی یہ عقد جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک ثالث کے حائل ہونے کے بغیر یہ عقد ناجائز ہے تاہم اگر درمیان میں ثالث آجائے اور فروخت کرتے وقت نسیہ کی وجہ سے اس کی قیمت پانچسو روپے رکھی گئی تھی لیکن دوبارہ بائع نے نقد رقم دے کر اپنی فروخت کی ہوئی چیز کم قیمت یعنی چارسو روپے پر خریدی تو پھر شوافع کی طرح احناف کے نزدیک بھی جائز ہے ایسا ہی ثمن کی وصولی کے بعد جواز اتفاقی ہے۔ علامہ کمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وقید بقوله قبل نقد الثمن لان ما بعده یجوز بالاجماع

بقدر الثمن۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۹۸ باب البیع الفاسد)
(ترجمہ" ثمن کی ادائیگی سے قبل مسئلہ کی تقیید سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر معاملہ بعد نقد ثمن کا ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے")

اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اصل قیمت کی زیادتی میں جیسا کہ نقد میں زیادتی کا احتمال ہے تو جانب ادھار "نسیئۃ" کے عموم سے نسیئہ کا بھی احتمال ہے تو نسیئہ میں زیادہ قیمت مقرر کرکے بعد میں کم قیمت نقد پر خریدنے سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مقالہ نگار کے انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مسئلہ فقہ حنفی میں شاید صرف ایک دو کتابوں تک محدود ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ فقہ حنفی کی اکثر کتابوں میں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ نے یہ مسئلہ علاؤ الدین الحصکفیؒ کی عبارت کی شرح میں "رد المحتار علی الدر المختار" جلد ۴ صفحہ ۱۵۸ پر اور ابن نجیم المصریؒ نے البحر الرائق جلد ۶ صفحہ ۹۲ پر یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ اگرچہ آگے فقہاء نے جو علت بیان کی ہے وہ ایک نظر آتی ہے لیکن میرے خیال میں فقہ حنفی کی اہم کتابوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ مسئلہ نہ ہو۔ لیکن فقہی ذخائر سے عبارات کا نقل کرنا موصوف کے نزدیک کسی خاص فائدہ کا حامل نہیں اس لیے عبارات کے نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ زیر نظر مسئلہ کے عدم جواز کے بارے میں کسی ایک کتاب میں بھی کوئی صریح جزئیہ نہیں تھا، اس لیے موصوف کو اپنے موقف کے اثبات کے لیے دوسرے جزئیات کا سہارا لینا پڑا۔ اگر یہ کہیں ناجائز ہوتا تو اتنے ضخیم فقہی ذخائر میں کہیں نہ کہیں اس پر صراحت ضرور ہوتی۔

موصوف کے مقالہ کا جائزہ

یہاں تک اصل مسئلہ کے جواز کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ ہم ذرا آگے قدم بڑھاتے ہوئے موصوف کے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جن کی وجہ سے موجودہ معاملہ ناجائز اور حرام قرار دیا جا رہا ہے۔ دو قسطوں پر مشتمل مقالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جواز کا نظریہ تین باتوں پر مبنی ہے:۔

(۱) ربوا النسیئۃ: آپ کے نزدیک زیر نظر مسئلہ "ربوا النسیئۃ" کی ایک ذیلی قسم ہے اور کبریٰ تو ثابت ہی ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے ربو کی تمام قسمیں حرام ہیں اس لیے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کبریٰ کے تسلیم ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن صغریٰ

ایک نظریاتی مسئلہ ہونے کی وجہ سے کافی غور و خوض کا محتاج تھا اس لیے موصوف نے اس پر بڑی عرق ریزی سے کلام کیا ہے، چنانچہ پہلی قسط کا ہم/اسے زائد حصہ اس پر مشتمل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں :۔

"غرضیکہ قرآن کریم نے ربوٰا النسیئۃ کی جن مروجہ شکلوں کو حرام قرار دیا ان میں ایک شکل ادھار پر کوئی چیز نقد کے مقابلہ میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شکل بھی تھی جس کا اظہار متعدد ذیل روایات سے ہوتا ہے جن کو مفسرین کرام نے تحریم ربوٰ کی آیات کی تفسیر میں نقل کیا ہے" (الحق ج ۲ ش ۳ ص ۲۳)

آپ نے ربوٰ النسیئۃ کی حقیقت زید بن اسلمؓ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، قتادہؒ، اور عطاء بن ابی رباح جیسے بلند پایہ اکابرین کے حوالے سے نقل کرکے یہ کوشش کی ہے کہ یہی حقیقت ربوٰ زیر نظر مسئلہ میں بھی کارفرما ہے۔ مزید وضاحت کے لیے آپ نے ابوبکر الجصاصؒ اور امام فخر الدین رازیؒ کے اقوال کا سہارا بھی لیا ہے جن میں ربوٰ النسیئۃ کی حقیقت بیان ہوتی ہے۔ اس خیال کو مزید تقویت دیتے ہوئے موصوف نے ان اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے جو سود کی وجہ سے معاشرہ پر پڑتے ہیں آپ کے خیال میں یہی زیر نظر معاملے کے بھی اثرات ہیں ۔

(۲) بیع باطل: موصوف نے جس دوسری حقیقت پر زیر نظر مسئلے کے عدم جواز کی عمارت قائم کرنے کی کوشش کی ہے وہ بیع باطل کی تعریف ہے۔ آپ حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسن بصریؒ اور علامہ رشید رضا کے حوالے سے بیع باطل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بعد ازاں مروجہ معاملہ پر بھی حقیقت منطبق کرکے فرماتے ہیں :۔

"آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو عرض کیا گیا ہے اس کی روشنی میں معاملہ زیر بحث کو جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ معاملہ باطل کا بھی مصداق نظر آتا ہے"

(الحق ج ۲ ش ۴ ص ۲۱)

(۳) تیسری چیز جو موصوف اپنے موقف کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں وہ قرض میں کسی منفعت کی حرمت کا حکم ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی روایت کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ بنے وہ ربوٰ ہے"۔ موصوف اس روایت کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

"بہرحال اس حدیث کی رو سے بھی معاملہ زیر بحث ناجائز قرار پاتا ہے" (الحق ج ۲ ش ۴ ص ۲۵)

آتی اور نہ مقررہ میعاد کی کوئی قیمت مقرر کی جاتی اور نہ اس کو عاقدین مبیعہ کا کوئی جزء تسلیم کرتے ہیں تاکہ کسی وقت مقررہ قیمت، مبیعہ اور اجل پر تقسیم ہو سکے، یہی وجہ ہے کہ عام فقہاء اس زیادتی کیلئے بعوض الاجل کی جگہ "لاجل الاجل" کی علت ذکر کرتے ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یزاد فی الثمن لاجل الاجل۔ ابن عابدینؒ اور ابن نجیم المصریؒ فرماتے ہیں: ویزاد فی الثمن لاجله۔ گویا دونوں کا بنیادی فرق یہی ٹھہرا کہ ادھار کے معاملہ میں زیادتی "لاجل الاجل" اور "ربوٰ النسیئة" میں زیادتی بعوض الاجل ہے، ایسے واضح فرق ہونے کے باوجود پھر بھی یہ معاملہ ربوٰ کی ذیلی قسم قرار دینا غلط فہمی یا سینہ زوری ہے۔ تاہم یہ فرق باریک ہے، شاید اس فرق کی مزید وضاحت ایک مثال سے ہو سکے مثلاً ایک شخص کراچی سے پشاور تک ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے تو اصل کرایہ تین سو روپے ہے جو کسی بھی گاڑی میں اپنے لیے سیٹ مقررہ مسافت تک اسی قیمت پر لے سکتا ہے، لیکن اسی گاڑی میں ائیر کنڈیشن سیٹ کا کرایہ پانچسو روپے لگایا جاتا ہے لہٰذا دونوں کرایوں کو مدنظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل کرایہ تو تین سو روپے ہے لیکن مؤخر الذکر سیٹ کے کرایہ میں یہ اضافہ محض سہولیات اور مراعات کے اضافہ کی وجہ سے ہے یہ اضافہ کسی سہولت کا معاوضہ نہیں۔

ایسا ہی یہاں پر بھی معاملہ ہے کہ ادھار میں یہ زیادتی کسی اجل کا معاوضہ نہیں کہ اس کو حرام اور ممنوعہ معاملات میں شمار کیا جاسکے بلکہ یہ النقد خیر من النسیئة کو مدنظر رکھتے ہوئے مؤخر ادائیگی کی وجہ سے مقرر کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ نقد وصولی میں مشتری کو بروقت ادائیگی کی زحمت ہو لیکن بائع کو فائدہ ہوگا جبکہ تاخیر سے ادائیگی میں مشتری کو سہولت دی جاتی ہے اور بائع کے جذبات کو قابو میں رکھنے کے لیے قیمتِ فروخت نسبتاً زیادہ لگائی جاتی ہے تاکہ بائع بطیب خاطر ادائیگی کے لیے تیار رہے اور مشتری بھی اپنی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے خوشی سے وہ قیمت ادا کرے۔

دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ حرام معاملہ میں ایسی دو اشیاء کا تبادلہ ہے جن کی جنس اور قدر آپس میں متحد ہے۔ چونکہ دائن جب مدیون سے معاہدہ کے اختتام پر یہ کہتا ہے کہ اگر ابھی میرے پیسے مثلاً ایک ہزار روپے نہیں دیتے ہو تو چھ مہینوں کے بعد ایک ہزار کی جگہ پندرہ سو روپے دو گے گویا اس میں تبادلہ عرض اور ثمن کا نہیں رہا، چونکہ اختتام معاہدہ پر دائن کا حق مبیعہ نہیں رہتا بلکہ مبیعہ کی قیمت رہی تو تبادلہ رقم کا رقم سے آیا، ایسی حالت میں لازمی بات ہے کہ جنس اور قدر کی موجودگی میں تفاضل حقیقی اور حکمی دونوں آئے جو کہ قطعی حرام ہے۔

ثمن حقیقی کا مروجہ معاملہ پر کبھی صادق نہیں آتی اس میں یہ کبھی نہیں ہوتا کہ بائع کو زیادتی بغیر عوض ملتی بلکہ تمام قیمت مبیع کی ہے اصل اور اضافہ دونوں کے درمیان ایسا شدید اتصال موجود ہے کہ دونوں کی دوسرے سے جدائی متصور نہیں یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس قیمت کا اتنا حصہ مبیع کا ہے اور اتنا حصہ درمیان میں اجل کا ہے، آخر ہے تو "اجل" میں تنی قوت کہاں ہے جس کو مبیع شمار کیا جا سکے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لان الاجل فی نفسه لیس بمال فلا یقابله شیء حقیقة اذا لم یشترط زیادة الثمن بمقابلته قصدا و یزاد فی الثمن لاجله اذا ذکر الاجل بمقابلة زیادة الثمن قصدا۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۶۰ باب المرابحة والتولیة)

ترجمہ: "کیونکہ اجل بذات خود کوئی مال نہیں پس حقیقت میں جب ثمن کی زیادت قصداً اس کے عوض میں شمار نہیں کی گئی ہو تو کوئی چیز اس کا معاوضہ نہیں البتہ قیمت میں زیادتی کی جا سکتی ہے جبکہ اجل زیادت ثمن کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو"

بہرحال بیع باطل کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی اس لیے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کی رو سے یہ ناجائز نہیں بلکہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ کی رو سے جائز ہے۔ قسط وار ادائیگی کی صورت میں مشتری کی سہولت کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشتری یک وقت ادائیگی کے ثقل کے بوجھ سے چھٹکارا پا کر معمولی اضافہ برداشت کرنے پر اتفاقی طور پر خوش ہوگا ورنہ ممکن ہے کہ مشتری کو یک وقت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں مبیع کی خریداری سے محروم ہونا پڑے۔ اس لیے مشتری کی رضامندی نہ ہونے کا دعویٰ کرنا خلاف واقع ہے، یہ الگ بات ہے کہ اگر بائع احسان سے کام لے کر کم قیمت پر مبیع فروخت کرنے پر تیار ہو تو اس سے مشتری کو خوشی حاصل ہوگی لیکن اس سے مزید ایک خوشی کی اور صورت بھی ہے کہ بائع محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے مبیع بغیر کسی عوض کے ہبتاً مشتری کے حوالہ کرے لیکن اس کو معاشرہ کا لازمی حصہ قرار دینا یا ہر ایک کو احسان کا پابند کرنا شریعت کے عادلانہ نظام سے متصادم ہے کیونکہ شریعت کسی پر ایسے اضافی بوجھ ڈالنے کے حق میں نہیں البتہ تقویٰ اور نیکی حاصل کرنے کے دروازے دونوں پر ہر وقت کھلے ہیں۔

تیسری وجہ کی کمزوری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ہر وہ قرض جو منفعت اندوزی کا ذریعہ ہو وہ ربٰو ہے، کا حکم بھی بظاہر اس معاملہ پر چسپاں کرنا

مشکل نظر آتا ہے، کیونکہ یہ حکم وہاں ہے جہاں قرض کی موجودگی میں دائن مدیون سے کسی مادی منفعت کا استفادہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم وہاں ہو سکتا ہے جہاں قرض کا معاملہ باعتبار وجود منفعت کے حصول سے مقدم ہو، لیکن جہاں پر معاملہ کی نوعیت اس سے مختلف ہے، یہ کبھی نہیں ہوتا کہ پہلے قرض دیکر پھر منفعت کا معاملہ کیا جائے، بلکہ اس معاملہ کی ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کی وجہ سے فائدہ یعنی مشتری کو رقم دینے میں سہولت کا فائدہ اور بائع کو قیمت میں مالی فائدہ آیا، گویا ظاہری انتفاع کا دائرہ ایسا بھی نہیں جو صرف دائن کی ذات تک محدود ہے بلکہ دائن اور مدیون دونوں اس فائدہ سے بہرہ مند ہوتے ہیں تاہم کسی غیر واقعی اور امکانی احتمال شبہ انتفاع کی وجہ سے ممکن ہے اس عقد پر غیر مستحسن کا حکم لگایا جاتا ہے جو تو اس کے دائرہ تک محدود رہتا ہے لیکن اس کو بالکل حرام اور ناجائز قرار دینے کا حکم دوسرے اصول سے بھی متصادم ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کی ۹۰ فیصد آبادی اس کاروبار میں مبتلا ہے اسے کسی جواز کے احتمال کے ہوتے ہوئے حرام کہے جاتے ہیں تو اسے دانشمندی نہیں جہاں کہیں جواز کا امکان ہو اور یہ احتمال کسی شرعی نص سے بظاہر متصادم نہ ہو تو جواز کے معاملہ کے لیے ایسے احتمال کو ترجیح دینا اوفق بالروایت والدرایت ہے، اگرچہ حرمت کے لیے دوسری جانب بھی کوئی احتمال نظر آتا ہے، تاہم فتویٰ کا میدان اس سے الگ ہے جس کے لیے ایسے مشتبہات سے بچنا بھی کمال سمجھا جاتا ہے۔

کے لیے جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ سفر کی حالت میں مشقت اور تکلیف سے قطع نظر کرکے محض سفر کو مشقت کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة ابن الهمام رحمه الله: ولما كان جوازه للحاجة وهي باطنة أنيط بأمر ظاهر هو ما هو المستمر في قواعد الشرع كالسفر بمشقة ونحوه وهو كون ولاجل لم يلتفت بعد ذلك الى كون المبيع معدوما عند المسلم اليه حقيقة او موجودا قادرا هو عليه۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۲۱۸ باب السلم)[1]

کرنسی نوٹوں میں بیع سلم کی اجازت ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی سے امریکی ڈالر وصول کر کے ان کے عوض میں پاکستانی کرنسی نوٹ دینے کی میعاد کر کے معاملہ طے کیا کہ تین ماہ بعد پاکستانی کرنسی نوٹ ادا کروں گا، کیا مذکورہ طریقے سے معاملہ طے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کرنسی نوٹ چونکہ خلقی طور پر ثمن نہیں بلکہ عرف اور رواج کی وجہ سے ثمن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اس لیے ثمن عرفی بننے کے بعد اس میں کوئی قدر نہیں بلکہ عددی متقارب کے حکم میں ہیں، اگر عقد سلم کے جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے پس اگر سلم کی شرائط کی رعایت کرکے کوئی شخص ایسا معاملہ کرے تو بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر سود خوری کے لیے یہ طریقہ اپنایا جائے تو پھر اس سے اجتناب بہتر رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدين ابو بكر الكاساني رحمه الله: واما السلم في الفلوس عددا فجائز عند ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد لا يجوز بناء على ان الفلوس اثمان عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم والدنانير وعندهما ثمنيتها ليست بلازمة بل تحتمل الزوال لانها ثبتت بالاصطلاح فتزول

---

[1] قال العلامة جلال الدين الخوارزمي: قلنا شرعيته بخلاف القياس والحاجة امر باطن لا يمكن الوقوف على حقيقته والشرع يبنى هذه الرخصة على الحاجة ...... والبيع بالخسران دليل الحاجة ونظيره اقامة السفر مقام المشقة واقامة النكاح مقام الانزال في النسب. (الكفاية مع فتح القدير ج ۶ ص ۲۰۹ باب السلم، قادرا تحت قوله ولو كان قادرا على التسليم لم يوجد المرخص)
ومثله في العناية على هامش فتح القدير ج ۶ ص ۲۱۷ باب السلم۔

بالاصطلاح . (بدائع الصنائع ج۵ ص۲۰۸ باب السلم، فصل: واما الذی یرجع الی المسلم فیہ فانواع) سلہ

بیع سلم میں تمام قیمت کی وصولی ضروری ہے

سوال: بائع اور مشتری کے درمیان دو ہزار روپیہ پر دس من اناج کا معاہدہ اس شرط پر ہوا کہ سولہ سو روپیہ حالاً ادا کرے گا جبکہ چار سو روپیہ دو ماہ بعد اناج وصول کرتے وقت ادا کرے گا، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بیع سلم میں راس المال کا تعین اور عقد مجلس میں ادائیگی لازم ہے لہٰذا اگر راس المال کے قبض کرنے سے قبل اگر طرفین جدا ہوگئے تو یہ بیع درست نہ ہوگی، ہاں جس راس المال کا جتنا حصہ ادا کیا گیا ہو اتنے میں ہی سلم جاری ہوگا، پس مذکورہ معاملہ میں بھی آٹھ من اناج میں بیع سلم درست ہو کر دو من میں باطل ہوگی، البتہ اگر مجلس برخواست کرنے سے قبل تمام رقم ادا کر دی جائے تو عقد جائز ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون مقبوضا فی مجلس السلم سواء کان رأس المال دینا او عینا عند عامة العلماء استحسانا وسواء قبض فی اول المجلس او فی آخره لان ساعات المجلس لها حکم ساعة واحدة ولکن الاولی ان یقبض حتی لو قاما یمشیان فقبض قبل ان یفترقا بابدانهما جاز. اهـ

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۸۲ الباب الثامن عشر فی السلم) سلہ

لہ قال العلامة ابن نجیم: والمعدود المتقارب کالبیض والجوز والفلوس لانه عددی یمکن ضبطه فیصح السلم فیه وقیل لا یصح عند محمد لانه ثمن ما دام یروج وظاهر الهدایة عن الکل الجواز.
(البحر الرائق ج۶ ص۱۵۸ باب السلم)
ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۲۱۲ باب السلم.

سلہ قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدانهما وان ناما او سارا فرسخا او اکثر. قال العلامة ابن عابدین: (قوله قبض رأس المال) فلو تفرقا قبل قبضه بطل السلم. اهـ
(رد المحتار ج۵ ص۲۱۶ کتاب البیوع، باب السلم)
ومثله فی الاختیار لتعلیل المختار ج۲ ص۳۴ باب السلم.

جانوروں میں بیع سلم کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیوانات میں بیع سلم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حیوانات میں بیع سلم کا مسئلہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، احناف کے نزدیک چونکہ بیع سلم کے لیے مبیع کا وزنی، کیلی یا عددیات متقاربہ ہونا ضروری ہے اور حیوانات ان میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں، اس لیے حنفیہ کے نزدیک حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ وھم یسلفون فی الثمر فقال من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم۔ (جامع الترمذی ج۱ ص۲۴۴ باب ما جاء فی السلف فی الطعام والتمر)

مالکان رسائل وجرائد کا خریداروں سے پیشگی قیمت لینا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل مذہبی اور غیر مذہبی رسائل وجرائد کے مالکان خریداروں سے سالانہ چندہ کی رقم پیشگی وصول کر لیتے ہیں جبکہ پورے سال کا رسالہ انہیں بعد میں وصول ہوتا ہے تو کیا مالکان رسائل وجرائد کا پیشگی رقم لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رسائل وجرائد کی سالانہ رقم پیشگی لینے کا معاملہ بیع سلم کا معاملہ ہے جو شرعاً جائز ہے اسلئے کہ اس میں اصل معاملہ کا تذکرہ ہوتا ہے اور وہ رسالہ بھی بازار میں موجود رہتا ہے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: السلم شرعاً بیع آجل وھو المسلم

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن السلف فی الحیوان، اخرجہ الحاکم فی المستدرک ج۲ ص۵۷ وقال صحیح الاسناد۔ (اعلاء السنن ج۱۴ ص۳۱۹ باب النھی عن السلف فی الحیوان)

ومثلہ فی ردالمحتار ج۴ ص۲۱۴ باب السلم۔

فیہ بمابعی وھو راس المال ورکنہ رکن البیع حتی ینعقد بلفظ بیع فی الصحیح ...... وشرطہ ای شروط صحتہ التی تذکر فی العقد سبعۃ بیان جنس کبر وتمر و بیان نوع کسقی او بعلی وصفتہ وقدر واجل و بیان قدر راس المال ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۱۴ باب السلم) ـلہ

جوتوں کے کارخانوں میں بیع سلم کا حکم

سوال :۔ تحریر ہے کہ جوتے بنانے والی کمپنیوں کا اپنی مصنوعات فروخت کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کمپنی اپنے کسی ڈیلر کو عام ریٹ پر مثلاً ۴۲ روپیہ فی کریٹ دیتا ہے لیکن اگر ڈیلر کمپنی کو پیسہ قلم یعنی ان سے کچھ مدت پہلے ادا کرے تو کمپنی اُسے ۳۲ روپے فی کریٹ دیتی ہے اس طرح سے ڈیلر کو دس روپے فی کریٹ بچت ہو جاتی ہے یہ طریقہ خرید و فروخت میعاد مقررہ اور غیر مقررہ دونوں طرح کا ہوتا ہے ، تو کیا یہ طریقہ بیع شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر یہ بیع بیع سلم کے طریقے سے ہو تو شرائط سلم کی موجودگی میں بیع درست ہوگی ، بیع سلم کی شرائط یہ ہیں (۱) جنس معلوم ہو (۲) مال کی قسم معلوم ہو (۳) صفت معلوم ہو (۴) مقدار معلوم ہو (۵) مدت کا تعین ہو (۶) مبیع کے ادا کرنے کی جگہ مقرر ہو ۔ (اشراق نوری شرح قدوری ص۲۲۳ باب السلم) اور اگر پیشگی لی ہوئی رقم کمپنی کو بطور قرض دی جاتی ہو تو بموجب حدیث کل قرض جر نفعا فھو ربوٰ یہ سودی معاملہ ہوگا ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وشرطہ ای شروط صحتہ التی تذکر فی العقد سبعۃ بیان جنس ونوع ...... وصفۃ ...... وقدر ...... واجل واقلہ فی السلم شھر ...... و بیان مکان الایفاء لما فیہ الخ

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۴ ص۲۳۱ باب السلم)

لہ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : وھو ان یسلم عوضا حاضرا فی عوض موصوف فی الذمۃ الی اجل ...... الثامن ان یکون جنس المسلم فیہ ای المبیع موجوداً فی الاسواق بنوعہ وصفتہ من وقت العقد الی حلول اجل التسلیم ولا یتوھم انقطاعہ عن ایدی الناس ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۴ ص۵۹۸، ۶۰۲ المطلب الثانی تعریف السلم)

مسلَم فیہ ناپید ہو جائے تو۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ بیع سلم کرے اور وقت معینہ سے قبل ہی وہ شے ناپید ہو جائے تو کیا مشتری اس کے بدلے کوئی اور چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیع سلم میں جب مسلم فیہ زمین کے بازار میں ختم ہو گئی ہے اگر مدت معینہ میں ناپید ہو جائے اور مسلم الیہ (بائع) ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ہے کہ وہ مسلم فیہ تک انتظار کرے یا اپنے پیسے واپس لے لے۔ اس کے بدلے میں دوسری چیز لینا شرعاً جائز نہیں۔ تاہم عقد ختم کرنے یعنی اپنی رقم واپس لینے کے بعد نئے سرے سے عقد بیع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفی: ولو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجوده والفسخ واخذ رأس المال۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۴ ص۲۱۳ باب السلم)

جانبین سے موزونی اشیاء میں بیع سلم جائز نہیں

سوال:۔ ایک آدمی نے چند بوری چینی ۱۰۰ روپے فی بوری کے حساب سے ایک شخص پر ۲/۱ ماہ کی میعاد پر فروخت کی اور اس سے وعدہ لیا کہ آپ اس وقت مجھے سرسوں دیں گے، جبکہ معاہدہ کرتے وقت سرسوں کی قیمت ۱۴۰ روپے فی من تھی، جب میعاد پوری ہو گئی تو سرسوں کی قیمت تقریباً گیارہ سو روپے فی من تھی، اس پر اس شخص نے سرسوں دینے سے انکار کر دیا، بالآخر ۲۰۰ روپے فی من پر فیصلہ ہوا، تو اب یہ نفع یعنی ۲۹۰ روپے فی من لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ بیع سلم کی یہ صورت ناجائز ہے لہٰذا فریقین اس عقد کو ختم کر کے اپنا اپنا مال یا اس کا مثل اگر عین مال موجود نہ ہو واپس لے لیں، اور اگر سلم کی تمام شرائط موجود بھی ہوں تب بھی چینی اور سرسوں میں سلم جائز نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اس بیع پر بیع فاسد کا حکم جاری ہوگا کیونکہ یہ عقد ربوٰ ہے اور عقد ربوٰ پر بیع فاسد کا حکم لگتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ومن جملة صور البیع الفاسد

وفی الهندیة: ولا یجوز ان یأخذ عوض رأس المال شیئا من غیر جنسه فان اخذ طعاما من جنس اجود منه او ادنی فی الصفة الخ

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۸۶ الفصل الثالث فیما یتعلق بقبض رأس المال والمسلم فیه)

جملة العقود الربویة۔ (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۴ ص۱۹۱ باب الربوٰ)

وقال العلامة خالد الاتاسیؒ: ثم اعلم ان اسلام الموزون فی الموزون والکیل فی الموزون لا یصح لوجود محل الربوٰ او احدهما الخ۔ (شرح المجلة ج۲ ص۲۶۸ باب السلم)[1]

چلغوزی میں بیع سلم کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے (ایجنسی وزیرستان) میں لوگ چلغوزی کے دانوں میں بیع سلم کرتے ہیں، یہ چلغوزی پورے ملک کی مختلف مارکیٹوں میں سال کے بارہ مہینے ہر وقت ملتی ہے جبکہ ہمارے علاقے میں ابھی تک درختوں میں ہے تو کیا ایسی چلغوزی میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ظاہر ہے کہ بیع سلم اس جدید چلغوزی میں ہے جو ابھی تک درختوں پر ہے اور مارکیٹ میں ابھی نہیں پہنچی ہے اور مارکیٹ میں موجود بھی نہیں ہے اس لیے یہ بیع سلم درست نہیں۔

لما فی الهندیة: والسادس ان یکون المسلم فیه موجوداً من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعاً عند العقد موجوداً عند المحل وعلی العکس او منقطعاً فیما بین ذلک وهو موجود عند العقد والمحل لا یجوز کذا فی فتح القدیر وحد الوجود ان لا ینقطع من السوق وحد الانقطاع ان لا یوجد فی السوق وان کان یوجد فی البیوت هکذا فی السراج الوهاج۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۸۱ الباب الثامن عشر فی السلم، الفصل الاول)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ومنها ان لا یشمل البدلین احد وصفی علة ربا الفضل وهو القدر او الجنس وهذا مطرد الا فی الاثمان فانه یجوز اسلامها فی الموزونات لحاجة الناس۔

(الفتاوی الهندیة ج۳ ص۱۸۱ الباب الثامن عشر فی السلم۔ الفصل الاول)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا فی حنطة حدیثة قبل حدوثها لانها منقطعة فی الحال وکونها موجودة وقت العقد الی وقت المحل شرط فتح القدیر۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۲۰۳ باب السلم)

ومثله فی البحر الرائق ج۶ ص۱۵۵ باب السلم۔

افیون میں بیع سلم جائز ہے

سوال: ایک شخص مثلاً زید نے بکر سے کہا کہ مجھے ایک ہزار روپے دے دو، اس کے بدلے میں میں آئندہ سال فصل کے موقع پر ایک سیر افیون دیدوں گا، جبکہ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اگلے سال افیون کی قیمت تین ہزار روپے فی سیر ہوگی، تو کیا یہ معاملہ سودی تو نہیں ہے یا جائز ہے؟

الجواب: چونکہ افیون کی بیع بوجہ ضرورت شرعاً جائز اور لازم ہے لیکن مال متقوم ہونے کی وجہ سے صورت مسئولہ میں بربنا عقد قابل بیع ہے جو بیع سلم کی صورت ہے لہٰذا اگر بیع سلم کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھا جائے تو جائز ہے، آئندہ سال افیون کی قیمت کی کمی یا زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (السلم) هو ... بيع آجل ... بعاجل ... وركنه ركن البيع ... ويصح فيما امكن ضبط صفته ومعرفة قدره كمكيل وموزون الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۲۰۶ باب السلم)[1]

کپڑے میں بیع سلم کا حکم

سوال: اگر کوئی تاجر کسی فیکٹری کے مالک سے اس طرح معاملہ طے کرے کہ آئندہ سال گرمی کے موسم میں مجھے اتنے تھان کپڑا درکار ہوگا اور جملہ شرائط طے کر کے رقم فیکٹری کے مالک کے حوالے کر دے تو کیا یہ سودا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ بیع سلم کا مسئلہ ہے لہٰذا سودا طے کرتے وقت اگر اس کے جملہ اوصاف، مقدار، کپڑا کس چیز سے بنا ہوگا وغیرہ کی وضاحت کر دی جائے تو شرعاً یہ سودا جائز ہے۔

لما في مجلة الاحكام: الكرباس والجوخ وامثالهما من المذروعات يلزم تعيين طولها وعرضها ورقتها ومن اي شئ نسج ومن نسج اي محل هي۔

(شرح المجلة لرستم باز ص۲۱۸ المادة ۳۸۵
الفصل الثالث في السلم)

---

[1] وفي الهندية: ان يكون المسلم فيه موجوداً من حين العقد الى حين المحل ... ان يكون السلم فيه مما يتعين بالتعيين۔ وهكذا اشترطوا اه غيره۔
(الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۸۰ باب السلم)

كتاب
الربو

يايها الذين امنوا لا
تاكلوا الربوٰا اضعافا
مضاعفة واتقوا الله تفلحون۔

کتاب الرِّبٰوا

(سُود کے احکام و مسائل)

سُود کی حقیقت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! سود کی تعریف کیا ہے اور یہ کن کن چیزوں میں کن صورتوں میں پایا جاتا ہے؟

الجواب:۔ قرض دار کو کچھ رقم ایک خاص مدت کے لیے اس شرط کے ساتھ دینا کہ واپس کرتے وقت اصل زر سے زائد دے گا، سُود کہلاتا ہے اور اسے اُدھار کا سود کہتے ہیں۔

لما قال الامام الجصاص الرازیؒ: هو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض۔ (احکام القرآن ج۱ ص۴۶۹ باب البیع)

ایک ربٰو معاملات بیع و شراء کا ہے، حضور اکرمؐ نے اس بارے میں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ آپس میں ان کا تبادلہ برابر ہونا چاہیے اور چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور اور انگور ہیں۔ ان اشیاء میں سُود کی علت عند الاحناف قدر (پیمانہ) اور جنس ہے، اگر جنس بدل جائے اور کوئی چیز وزنی اور کیلی نہ ہو تو پھر تبادلے میں کمی بیشی جائز ہے، اگر کسی بھی چیز کے اندر قدر اور جنس ہو تو تبادلے کے وقت کمی یا زیادتی کی تو یہ سُود ہوگا، ان میں اُدھار کا معاملہ بھی سُود ہوگا۔ اگر سُود کی دونوں علتوں میں سے ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی جائز ہوگی لیکن اُدھار پھر بھی سُود کے زمرہ میں آئے گا۔

قال الحصکفیؒ: الربا شرعاً فضل ولو حکماً فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة فكلها من الربا خالٍ عن عوض بمعيار شرعي وهو الكيل والوزن مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة وعلته القدر مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل والنساء وإن عدم أحدهما حل الفضل وحرم النساء ولو عدما حلا۔ (الدر المختار ج۴ ص۱۷۶ باب الربا)[1]

---

[1] لما في الهندية: وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال وهو محرم في كل مكيل وموزون بيع مع جنسه وعلته القدر والجنس فإذا وجدا حرم التفاضل والنساء وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص۱۱۷ باب الربا)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۳۲ باب الربا۔

سود سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ آجکل بینک لوگوں کو ٹریکٹر خرید کر دیتا ہے پھر بینک نے ٹریکٹر کمپنی کو جتنی رقم ادا کی ہوتی ہے اُس رقم کو گاہک سے مع سود کے قسط وار وصول کرتا ہے، کیا اس سود سے بچنے کا کوئی حیلہ ہے؟

الجواب:۔ (۱) اگر بینک کمپنی سے ٹریکٹر خرید کر خود آگے بیچتا ہے تو قسط وار زیادہ رقم قیمت خرید سے وصول کر سکتا ہے اور ثمن کی یہ زیادتی اُدھار کی وجہ سے ہے، جو کہ شرعاً مقبول ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني رحمه الله: الا يرى انه يزاد في الثمن لاجل الاجل۔

(الهداية ج۳ ص۷۳ باب الربوٰ)

(۲) اگر بینک گاہک کا وکیل بن کر ٹریکٹر اپنے موکل کو خرید شدہ قیمت سے زیادہ پر دیتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ وکیل اپنے موکل کی شرائط کے مطابق چلے گا۔

لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: اذا قال له اشتر لي جارية بالف درهم فاشترى جارية باكثر من الف تلزم الوكيل دون الموكل لانه خالف نص الموكل فيصير مشتريا لنفسه

(بدائع الصنائع ج۶ ص۲۹ بيان في حكم التوكيل)

(۳) بینک نے مثلاً گاہک کی طرف سے کمپنی کو ایک لاکھ روپیہ دے دیئے اور گاہک سے ڈیڑھ لاکھ وصول کرنا چاہتا ہے، ٹریکٹر گاہک نے کمپنی سے خرید لیا لیکن اب بینک کی رقم اس کے ذمہ قرض ہے اور بینک زیادہ وصول کرنا چاہتا ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ بینک اپنے ایک لاکھ کے عوض گاہک سے زمین وغیرہ خرید کر اپنے قبضہ میں لے لے پھر اسی زمین کو گاہک کے ہاتھ ڈیڑھ لاکھ میں فروخت کر دے اور قسط وار ڈیڑھ لاکھ وصول کرتا رہے۔

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: رجل له على آخر عشرة دراهم فاراد ان يجعلها الى سنة ويأخذ منه ثلاثة عشر فالحيلة ان يشتري منه بتلك العشرة متاعا ويقبض المتاع منه ويبيعه المتاع عشرة ثم يبيع المتاع منه بثلاثة عشر الى سنة۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۲۶ باب الربوٰ) ـه

ـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: رجل له على آخر عشرة دراهم فاراد ان يجعلها الى سنة ويأخذ منه ثلاثة عشر فالحيلة ان يشتري منه بتلك العشرة متاعا ويقبض المتاع منه ويبيعه المتاع عشرة ثم يبيع المتاع منه بثلاثة عشر الى سنة۔ (خلاصة الفتاوى ج۳ ص۱۰۲ باب الربوٰ)

سُودی رقم کا مصرف

سوال: بینک کی طرف سے منافع کی شکل میں ملنے والی سودی رقم کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اول تو بینک میں رقم رکھنے سے گریز ہی کرنا چاہیئے اور اگر مجبوراً حفاظت کی نیت سے رکھ دی جائے تو اس پر جو سود منافع کی صورت میں ملتا ہے وہ بینک والوں کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اُن سے لے کر غرباء اور فقراء پر بلا نیتِ ثواب صدقہ کر دے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما لو غصب عبداً وآجره فینقص فی هذه الاجرة...... وان استغله فنقصه بالاستغلال او حبل ... تصدق بما بقی من الغلة والاجرة۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهو ما ان یتصدق بها لاستفادتها بسبب خبیث وهو التصرف فی مال الغیر۔ (الدر المختار ورد المحتار ج۶ ص۱۸۸ کتاب الغصب)[1]

گڑ، گندم قرض پر دے کر واپسی کے وقت زیادتی کی شرط لگانا سُود ہے

سوال: ایک شخص نے کسی آدمی سے گڑ اور گندم ایک خاص پیمانہ کے مطابق خاص مدت کے لیے قرض لیا اور وقت معین پر واپسی کے ساتھ زیادتی کی شرط لگا دی کہ قرض ادا کرتے وقت اتنی مقدار میں گڑ اور گندم ساتھ زیادہ بھی دوں گا، کیا اس طرح معاملہ کرنا از روئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اشیاء ربویہ میں باہم قرض و اقراض جائز ہے لیکن واپسی کے وقت مساوات شرط ہے، گندم تو منصوص ہے، حدیث میں مساوات کی شرط ہے اور گڑ اموالِ منصوص کی علت قدر اور جنس پائی جاتی ہے، لہٰذا گندم اور گڑ واپس کرتے وقت زیادتی کی شرط سُود ہے۔

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: ولو بلغ المال الخبیث نصاباً لا یجب فیه الزکوٰة لان الکل واجب التصدق۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۸۶ کتاب الزکوٰة، الفصل الثانی فی المصرف)

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: الحنطة بالحنطة مثلاً بمثل يداً بيد والفضل ربٰو وعد الاشياء الستة۔

(الهداية ج۳ ص۷۹ باب الربٰوا) [1]

سود پر قرضہ دینا ناجائز ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا سود پر قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سود پر قرضہ دینا شرعی طور پر قطعاً ممنوع اور حرام ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں صراحتاً اس کی ممانعت ہے، اس لیے سود پر قرضہ دینا جائز نہیں ہے۔

لما قال اللہ تعالیٰ: واحل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) [2]

دَینِ مؤجل میں کمی کرکے معجل وصول کرنا حرام ہے

سوال: ایک شخص کا دوسرے آدمی کے ذمہ پانچ ہزار روپے قرض تھا، مقروض نے اس میں کمی کا مطالبہ کیا، قرض خواہ نے کہا کہ دو ہزار روپے اس شرط پر کم کرکے معاف کرتا ہوں کہ باقی تین ہزار روپے فوراً واپس کردو، تو مقروض کا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرض خواہ کا مقروض کو اس شرط پر دو ہزار روپے معاف کرنا کہ باقی تین ہزار روپے فوراً وصول کرے ناجائز ہے، مقروض جو مدت مقرر کی گئی تھی یہ اس کا عوض ہے کہ دینِ مؤجل کو معجل کررہا ہے اور یہ حرام ہے۔

قال الامام الجصاص الرازی رحمہ اللہ: الرجل یکون علیہ الف درہم دین مؤجل

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: كل قرض جر نفعاً حرام إذا كان مشروطاً۔

(رد المحتار ج۵ ص۱۶۶ باب الربٰوا۔ مطلب كل قرض جر نفعاً حرام)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۲۵۳ باب الربٰو۔

[2] وفي الهندية: قال محمد في كتاب الصرف ان ابا حنيفة كان يكره كل قرض جر منفعة۔ (الفتاوى الهندية ج۳ ص۲۰۲ فصل في القرض)

ومثله في الهداية ج۳ ص۱۳۱ كتاب الحوالة۔

فیصالحه منه علی خمس مائة حالة فلا یجوز۔ (الاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۶)[1]

قرض دے کر نفع متعین کرنا ناجائز ہے

سوال:۔ ایک آدمی کو کاروبار کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی کسی دوسرے آدمی نے کہا کہ اس شرط پر سرمایہ دوں گا کہ دس فیصد نافع مجھے ضرور دو گے کیا اس شرط پر قرضہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روپیہ بطور قرض دے کر اس پر دس فیصد یا کوئی بھی فیصد نفع مقرر کرنا سود ہے جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کل قرض جر نفعاً حرام ای اذا کان مشروطاً کما علم مما نقله عن البحر۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربوٰ مطلب کل قرض جر نفعاً حرام)[2]

مساوی حقوق کے وقت قرعہ اندازی سود نہیں

سوال:۔ چند آدمی ہر ماہ کچھ رقم جمع کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعے جس کا نام نکل آتا ہے تو وہ جمع شدہ رقم لے لیتا ہے مگر ہر ماہ اپنے حصے کی رقم جمع کرتا رہتا ہے لیکن قرعہ اندازی سے اس کا نام نکل جاتا ہے، اس طرح باری باری قرعہ اندازی میں ہر ایک کا نام آتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ قرعہ اندازی سود ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چند افراد کا اس طرح ہر ماہ برابر برابر رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کے

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لو کانت له الف مؤجلة فصالحه علی خمس مائة حالة لم یجز لان المعجل خیر من المؤجل وهو غیر مستحق بالعقد فیکون بازاء ما حطه عنه وذلك اعتیاض عن الاجل وهو حرام۔

(الهدایة ج ۳ ص ۲۵۱ باب الصلح فی الدین)

ومثله فی الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۳ کتاب الصلح۔

[2] قال العلامة قاضی ثناء اللهؒ: قوله وحرم الربوٰ والحق ان الله تعالیٰ حرم الزیادة فی القرض علی القدر المدفوع۔ (تفسیر مظهری ج ۱ ص ۲۹۹ سورة البقرة)

ومثله فی الاحکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۱۸۹ سورة البقرة۔

ذریعے کسی ایک کو دینا امداد باہمی اور قرض ہے۔ اس میں تملیک مقصود نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک شریک چاہتا ہے کہ اس بار جمع کی گئی رقم مجھے مل جائے۔ تو رفع نزاع اور خوش دلی کے لیے قرعہ اندازی کو مان لیتے ہیں، جبکہ سب شرکاء کے حقوق مساوی ہوں۔ ہاں تطییب خاطر کے لیے قرعہ بنانا جائز ہوتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: وتكتب اساميهم ويقرع تطييباً للقلوب

(رد المحتار ج۵ ص۱۶۷ كتاب القسمة) [illegible]

مشتری کے ہاتھ مبیع نفع کی شرط پر بیچنے کا وعدہ سود نہیں

سوال: زید بکر کو سود پر قرضہ دینا چاہتا تھا لیکن بکر نے انکار کر دیا۔ اس پر دونوں نے سود سے بچنے کے لیے ایک حیلہ سوچا۔ زید نے بکر سے کہا کہ میں تمہیں دس ہزار روپے دیتا ہوں آپ اس کا مال خریدیں اور آنے جانے کا خرچہ اور کرایہ بھی میں دوں گا۔ مال اپنے قبضے میں لے لوں گا پھر ایک آنہ فی روپیہ نفع کے حساب سے ادھار آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ تو کیا سود سے بچنے کا یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: سود سے بچنے کا مذکورہ حیلہ درست ہے۔ بکر زید کا وکیل بن کر مال خریدے اور زید بکر کے حوالے کر دے پھر زید بکر کے ہاتھ دس ہزار کا مال ایک آنہ فی روپیہ منافع کے حساب سے ادھار پر فروخت کر دے تو بیع صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں زید نفع پر اپنا مال بکر کے ہاتھ بیچ رہا ہے اگرچہ سودا ادھار ہے۔ اس میں کسی قسم کا سود نہیں۔ زید نے صرف پہلے بکر کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ مال آپ کے ہاتھ فروخت کر دوں گا، یہ بھی کوئی ناجائز بات نہیں۔

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص

لـه قال العلامة ابوبكر الكاساني رحمه الله: [illegible] ذو قرعة يتعلق بها حكم من تطييب النفوس ولو [illegible] والسنة بها فكان ذلك انفى للتهمة فكان سنة۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص[illegible] كتاب القسمة)

ومثله في البحر الرائق ج۸ ص۱۵۲ كتاب القسمة۔

بہا من حرام او لیتوصل بہا الیٰ حلال فھی حسنۃ۔ (الاشباہ والنظائر ج۲ ص۳۱۹ کتاب الحیل)[1]

سودی رقم کے عوض سودی رقم دے کر ذمہ فارغ کرنا

سوال:۔ ایک آدمی کا بینک میں کچھ رقم تھی جس پر اس کا سود جمع ہو گیا، اب اس شخص نے اپنی کسی ضرورت کے لیے بینک سے کچھ رقم قرض لی، اس پر بھی بینک کا سود آیا، کیا یہ شخص اپنا سود بینک کے سود کے عوض قبل القبض یا بعد القبض دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینک میں رقم رکھنا دونوں طرف سے سودی معاملہ ہے، بینک میں رقم رکھنا یا بینک کی کسی کے ذمہ رقم دونوں قوی دَین ہیں، دونوں جب ایک دوسرے کو اپنا اپنا سود چھوڑ دیتے ہیں تو یہ بیع مقاصہ اور سود سے نفع حاصل کرنا ہے، اس لیے سود کی حرمت کی وجہ سے یہ معاملہ بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربوٰا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵)[2]

شئ مرہونہ سے نفع کی شرط سود ہے

سوال:۔ زید سے عمرو نے پانچسو روپے قرض لیے اور اپنی کچھ زمین زید کے پاس اس شرط پر گروی رکھی کہ زمین کی پیداوار میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے، شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر زید نے قرضہ اس شرط پر دیا ہے کہ شئ مرہونہ سے انتفاع لے گا تو یہ حرام ہے کیونکہ کل قرض جرّ نفعاً فھو ربوا کے حکم میں آئے گا۔ اذا کان مشروطاً

---

[1] قال العلامۃ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ: وکل حیلۃ یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا من حرام او لیتوصل بہا الیٰ حلال فھی حسنۃ۔

(شرح المجلۃ ج۲ ص۴۵۴ احکام الربوٰ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۶ ص۳۹۰ کتاب الحیل۔

[2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: کل قرض جرّ نفعاً حرام۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۵ ص۱۶۶ باب الربوٰ)

ومثلہ فی الاحکام القرآن للجصاص ج۲ ص۱۹۹ سورۃ البقرۃ۔

ما رقرضاً فیہ منفعۃ وھو ربوا والاخذ باس۔ اگر نفع کی شرط نہیں لگائی ہو پھر بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع۔ (رد المحتار ج۵ ص۳۱۱ کتاب الرھن) [1]

اشتراکِ قدر (پیمانہ) کی صورت میں اُدھار تبادلہ ناجائز ہے

سوال: ایک شخص کو مکئی کی ضرورت ہے اور وہ کسی زمیندار سے معاہدہ کے تحت خاص مقدار میں مکئی لیتا ہے، اس زمیندار سے یہ کہتا ہے کہ میں تین ماہ بعد اتنی مقدار میں اس کے بدلے میں گندم دوں گا، تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب: اس قسم کے اُدھار کا تبادلہ شرعاً جائز نہیں، اگرچہ مکئی اور گندم کی جنس مختلف ہے لیکن مکئی اور گندم دونوں کیلی ہیں یعنی پیمانہ سے یہ دونوں تولے جاتے ہیں۔ دو چیزوں کے تبادلہ میں جب جنس یا قدر میں اشتراک ہو تو تفاضل جائز ہے اور اُدھار ناجائز، اس کو ربا النسیئہ کہتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وان وجد احدھما ای القدر وحدہ اوالجنس وحدہ حل التفاضل وحرم النساء۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۴ ص۱۹۹ باب الربوٰ) [2]

---

[1] قال الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: قال ابوحنیفۃؒ وابو یوسفؒ ومحمدؒ والحسن بن زیادؒ وزفرؒ لا یجوز للمرتھن الانتفاع بشیٔ من الرھن ولا للراھن ایضاً۔

(احکام القرآن ج۱ ص۵۲۲ باب ضمان الرھن)

ومثلہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۲۲۳ کتاب الرھن۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: والنساء فقط باحدھما ای بوجود احدھما حرم لا الفضل لوجود القدر فقط اوالجنس فقط۔

(البحر الرائق ج۶ ص۱۲۸ باب الربوٰ)

ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۳ ص۶۹ باب الربوٰ۔

نفع کی شرط پر قرض رقم دینا سود ہے

سوال: ایک دوکاندار سے کسی گاہک نے کوئی چیز خریدنی چاہی جبکہ وہ چیز اس دوکاندار کے پاس نہ تھی اور اس نے گاہک سے کہا کہ مجھ سے یہ رقم لے کر خود اپنے لیے مطلوبہ چیز خرید لو لیکن میری رقم مجھے واپس کرتے وقت اصل زر کے ساتھ اتنا منافع بھی دینا ہوگا، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مذکورہ دوکاندار کا یہ فعل بعینہٖ ربوا کا معاملہ ہے کیونکہ گاہک کو قرض رقم دے کر واپسی کے لیے اپنی اصل رقم سے زیادتی کی شرط لگا رہا ہے جو کہ سود ہے، دکاندار کو صرف اپنی قرض رقم واپس لینے کا حق ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: الذهب بالذهب مثلا بمثل وزنا بوزن يدا بيد والفضل ربوا۔ (الهداية ج۳ ص۸۱ کتاب الصرف) [1]

اُدھار کی وجہ سے زیادہ قیمت وصول کرنا سود نہیں ہے

سوال: ایک دوکاندار ایک شے کی جو نقد قیمت لگاتا ہے جب اسی شے کو اُدھار پر بیچتا ہے تو قیمت بڑھا دیتا ہے، کیا اس طرح کرنا سود تو نہیں؟

الجواب: کوئی چیز اُدھار پر بیچنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں زیادتی جائز ہے اس لیے کہ اُدھار کے مقابلے میں نقد رقم کے فوائد اور منافع زیادہ ہیں، مثل مشہور ہے کہ "نو نقد اچھے تیرہ ادھار سے" اس لیے نقد اور ادھار سودے کی قیمت میں تفاوت رکھنا جائز ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: الا يرى انه يزاد

---

[1] قال العلامة الزيلعي رحمه الله: فاذا بيع جنس الاثمان بجنسه كالذهب بالذهب والفضة بالفضة يشترط فيه التساوي والتقابض قبل الافتراق ولا يجوز التفاضل فيه۔

(تبيين الحقائق ج۴ ص۱۳۵ كتاب الصرف)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۹۲ كتاب الصرف۔

فی الثمن لاجل الاجل ۔ (الهداية ج ۳ ص ۵۶ باب المرابحة والتولية) ؎۱

اشیاء ربویہ میں قرض کا معاملہ

سوال:۔ اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے وقت برابری اور نقد کا معاملہ ہوتا ہے اُدھار کا معاملہ ان میں صحیح نہیں ہوتا، اگر ایک آدمی کسی کو گندم قرض دے کر یہ کہے کہ تین ماہ بعد میری قرض گندم واپس کرنی ہو گی، تو ان اشیاء میں قرض کا معاملہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب:۔ اشیاء ربویہ میں خرید و فروخت کے معاملہ کے وقت کمی زیادتی اور اُدھار ناجائز ہے لیکن قرض کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ قرض تبرع اور احسان ہے اس کا کچھ عوض نہیں ہوتا بلکہ مقررہ مدت کے بعد اس شے کا بدل واپس کیا جاتا ہے۔

قال العلامة ابوبكر الكاساني رحمه الله: ان القرض تبرع الا ترى انه لا يقابله عوض للحال ..... فكان المستقرض انتفع بالعين مدة ثم رد عين ما قبض وان كان يرد بدله في الحقيقة ۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۹۶ كتاب القرض)

قال الكاساني: فيختص جوازه بما له مثل ۔ (ر ″ ″ ص ۳۹۵ ″ ″) ؎۲

الحاصل یہ کہ قرض مثلی اشیاء میں جائز ہے۔

نقد رقم کو قسط وار کر کے زیادہ وصول کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنا ٹرک ایک شخص کے ہاتھ فروخت کیا اور

؎۱ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ويزاد في الثمن لاجله اذا ذكر الاجل بمقابلة زيادة الثمن قصدًا فاعتبر مالًا في المرابحة احترازًا عن شبهة الخيانة ولم يعتبر مالًا في حق الرجوع عملًا بالحقيقة ۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۱۴۲ باب الربو)

ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص ۱۱۵ باب المرابحة والتولية۔

؎۲ وفي الهندية: ويجوز القرض فيما هو من ذوات الامثال كالمكيل والموزون والعددي المتقارب كالبيض ۔ (الفتاوى الهندية ج ۳ ص ۲۰۱ باب في القرض والاستقراض)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۴ ص ۱۷۱ باب القرض۔

کچھ رقم نقد دے کر مشتری سے کہا کہ وہ بقایا رقم مبلغ تین ہزار روپے قسط وار ہر ماہ مجھے ادا کرتا رہے ۔ اسی دوران ٹرک کے مالک کو رقم کی ضرورت پڑگئی تو اس نے کسی تیسرے شخص سے چالیس ہزار روپے نقد لے کر مشتری کو اس کے حوالے کر دیا اور اسے یہ کہا کہ وہ ستر ہزار روپے قسط وار اس کو ادا کرتا رہے گا ، یہ معاملہ شرعاً کیسا ہے ؟

الجواب :- بائع کا مشتری کو اس طرح کسی تیسرے شخص کے حوالہ کرنا صحیح نہیں یہ بعینہ ربوا ہے کیونکہ اس صورت میں تیسرا شخص چالیس ہزار روپے نقد دے کر ستر ہزار قسط وار وصول کرے گا تیس ہزار روپے اس کو سود کے مل رہے ہیں اس لیے یہ معاملہ شرعاً ناجائز وحرام ہے ۔

قال اللہ تعالیٰ : احل اللہ البیع وحرم الربوٰ - (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) : لہ

مضاربت کا منافع سود نہیں

سوال :- میرے بھائی نے مجھ سے بیس ہزار روپے کاروبار کے لیے اس شرط پر لیے کہ اس پر جو منافع ہوگا اس کا نصف آپ کا اور نصف میرا ہوگا ، اس نے پھر مجھ سے کہا کہ میں ہر ماہ حساب کتاب نہیں کر سکتا اس لیے اندازہ اور تخمینے سے حساب لگا کر منافع دے دیا کروں گا ، اس طرح وہ مجھے کبھی ۱۰۰ روپے اور کبھی ۲۰۰ روپے دیتا رہا اور اس میں کمی بیشی ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں ، کچھ عرصہ کے بعد مجھے تردد ہوا کہ یہ تو سود ہے اس لیے میں نے بھائی سے اس سلسلہ کو ختم کرنے کی بات کی ، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کا کاروبار شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- یہ سودی معاملہ نہیں ہے بلکہ مضاربت کی ایک صورت ہے اور نفع کو تخمینے سے معلوم کرنا مفضی الی الجہالۃ نہیں ہے اس لیے یہ صورت جائز ہے ۔ مضاربت میں ایسی شرط لگانا جو جہالت فی الربح کا باعث ہو ناجائز ہے ۔

کما قال الشیخ علاؤ الدین بن محمد الحصکفیؒ من ابو ذابیۃ : کل شرط یوجب جہالۃ

لہ قال العلامۃ المرغینانیؒ : وقد نھی الرسول علیہ السلام عن قرض جر نفعاً ۔ (الہدایۃ ج ۳ ص ۱۳۱ کتاب الحوالۃ)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۳ کتاب الحوالۃ ۔

فی الربح او یقطع الشرکۃ فیہ یفسدھا ولا یبطل الشرط وھو اعتقد اعتبارًا بالوکالۃ ۔

(رد المحتار علی ھامش رد المحتار ج ۴ ص ۴۸۵ کتاب المضاربۃ) لہ

بینک ڈرافٹ کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل لوگ بینک کے ذریعے ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجتے ہیں جس پر بینک والے بھیجی جانے والی رقم سے کچھ زیادہ وصول کرتے ہیں، کیا یہ سود ہے یا نہیں ؟

الجواب: بینک کے ذریعے ڈرافٹ کی شکل میں رقم ارسال کرنا بینک کو قرض دینا ہے امانت نہیں، کیونکہ رقم بدلتی بھی ہے اور ضائع ہونے کی صورت میں بینک ذمہ دار بھی ہوتا ہے اس لیے زیادتی کی شرط سود ہے البتہ اس میں یہ تاویل کرنا ممکن ہے کہ زیادتی رقم کو کتابت اور خادم وغیرہ کی فیس قرار دیا جائے، اس طرح سفتجہ کی شکل بن جائے گی جس کو فقہاء کرام نے مکروہ کہا ہے۔ ابتلائے عام کی وجہ سے اس میں جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ پوری دنیا میں یہ طریقہ رائج ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاوی میں منی آرڈر کے بارہ میں یہی تحقیق کی ہے۔ ؎

لہ وقال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: الرابع ان یکون الربح بینھم شائعًا کالنصف والثلث لا سھمًا معینًا یقطع الشرکۃ کمائۃ درھم او مع النصف الخامس ان یکون نصیب کل منھم معلومًا فکل شرط یؤدی الی الجھالۃ الربح فھی فاسدۃ وما لا فلا ۔ اھ

(البحر الرائق ج ۷ ص ۲۶۳ کتاب المضاربۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۴ ص ۲۸۵ کتاب المضاربۃ ۔ الفصل الاول ۔

؎ قال العلامۃ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: منی آرڈر مرکب ہے دو معاملوں سے، ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرا اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر فیس دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں اس لیے دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے، اور چونکہ اس میں ابتلائے عام ہے اس لیے یہ تاویل کرکے جواز کا فتوی مناسب ہے۔

(امداد الفتاوی ج ۳ ص ۱۴۹ کتاب الربوٰ)

ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع لینے کا حکم

سوال:۔ ڈاکخانہ میں جو رقم جمع کی جاتی ہے اسا ل بعد اس پر نفع ملتا ہے، اس نفع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ جس طرح بینک سے سود لینا منع ہے اسی طرح ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم پر منافع (سود) لینا بھی منع ہے، سود کی حقیقت جہاں کہیں پائی جائے وہ حرام ہوگی۔

قال اللہ تعالیٰ: احل اللہ البیع وحرم الربوٰا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵) لہ

بیع محاقلہ ربوٰ (سود) میں داخل ہے

سوال:۔ جو گیہوں ابھی بالیوں میں موجود ہو اس کو صاف کئے ہوئے گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جن چھ چیزوں کے تبادلہ میں برابری اتفاقیت اور دست بدست ہونا ضروری ہے ان میں گندم بھی داخل ہے، اس کے تبادلے وقت جب جنس ایک ہو تو کمی بیشی یا ادھار سود شمار ہوگا، کھیت میں کھڑی گندم کی فصل کو صاف کی ہوئی گندم کے عوض فروخت کرنا بیع محاقلہ ہے جبکہ بیع محاقلہ ربوٰ (سود) میں داخل ہے، اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے۔

لما قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: نہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ فالمزابنۃ ما ذکرنا والمحاقلۃ بیع الحنطۃ فی سنبلہا بحنطۃ۔

(الہدایۃ ج۳ ص۶۳ باب بیع الفاسد) ۲ـہ

لہ قال العلامۃ المرغینانیؒ: وقد نہی الرسول علیہ السلام عن قرض جر نفعا۔ (الہدایۃ ج۳ ص۱۳۱ کتاب الحوالۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۶ ص۲۴۴ کتاب الحوالۃ۔

۲ـہ قال العلامۃ ابن الہمامؒ: نہی رسول اللہ عن المزابنۃ والمحاقلۃ۔

(فتح القدیر ج۶ ص۴۵ باب بیع الفاسد)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۶ ص۷۰ باب بیع الفاسد۔

پی ایل ایس غیر سودی کھاتہ

سوال:- آج کل لوگ بینکوں میں پی ایل ایس کے نام سے اکاؤنٹ کھولتے ہیں، کیا اس کھاتہ میں رقم جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بینکوں کے تمام معاملات سود سے منسلک ہیں، حکومت نے سود سے بچنے کے لیے نفع نقصان کے نام سے یہ شاخ کھولی ہے لیکن اس کا صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا مشکوک ہے، اگرچہ حکومت اور بینکوں کی انتظامیہ کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں سودی عنصر نہیں ہے لیکن اس کے باوجود کوشش یہ ہونی چاہیے کہ پی ایل ایس میں بھی اکاؤنٹ نہ کھولا جائے، احتیاط اسی میں ہے اس لیے کہ سود بہت بڑا گناہ ہے، مشابہت بسود میں بھی ترک ہی بہتر ہے۔

لما اخرجه الامام ابوداؤدؒ: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال وهو سواء. (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۷ باب فی الربوٰ)[1]

انعامی بانڈز کی خرید و فروخت کا حکم

سوال:- آجکل پرائز بانڈز یا انعامات کا رواج عام ہے، کیا یہ انعام لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پرائز بانڈز (انعامی بانڈز) سود اور قمار (جوا) کی شکل ہیں، حکومت کے بجٹ میں جب بھی خسارہ ہوتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے لیے مختلف حیلے بہانے اختیار کرتی ہے، انعامی بانڈز بھی حکومتی بجٹ کو متوازن کرنے کا ایک ذریعہ ہے، خرید شدہ بانڈز کی قیمت پر سود لگتا ہے اور جو سود بنتا ہے اس کو قرعہ اندازی کے ذریعے جوا بنا دیا جاتا ہے، چند افراد کے نام ہی قرعہ نکلتا ہے اور باقی لوگ محروم رہ جاتے ہیں، لہٰذا سود اور قمار کی وجہ سے ان بانڈز کی خرید و فروخت اور ان پر نکلا ہوا

---

[1] وكما ورد فی الحديث: عن جابر رضی الله عنه قال لعن رسول الله صلی الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء.
(مسلم شريف ج ۲ ص ۲۷ باب الربوٰ)
ومثله فی الترمذی ج ۱ ص ۲۲۹ باب ما جاء فی اكل الربوٰ ابواب البيوع.

انعام دینا قمار بنا جائز نہیں۔

قال الله تعالیٰ: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرة ٢٧٥)

(٢) اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدة ٩٠)

مروجہ کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں مساوات شرط ہے

سوال: ایک ملک کی کرنسی یعنی نوٹوں کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آجکل دنیا میں رائج الوقت کرنسی نوٹوں کی حیثیت ثمن عرفی کی ہے جن کو ہم فلوس نافقہ کہہ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

لیکن امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، اس لیے کہ آجکل پوری دنیا میں کاغذی کرنسی کا رواج ہے، سونا چاندی بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے، اگر ان کے تبادلہ میں تفاضل کی اجازت دے دی گئی تو سود کا دروازہ کھل جائے گا لہٰذا امام محمدؒ کے قول کے مطابق کرنسی نوٹوں کے تبادلہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله فلس بفلسین هذا عندهما وقال محمدؒ لا یجوز۔

(رد المحتار ج٤ ص١٨١ باب الربوٰ)[٢]

دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے

سوال: کیا مسلمان کے لیے دارالحرب میں کسی غیر مسلم سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

لہ قال العلامة الجصاص الرازیؒ: ولا خلاف بین اهل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار۔ (احکام القرآن ج١ ص٣٢٩ البقرة)

ومثله فی الهدایة ج٣ ص١٣١ کتاب الحوالة

لہ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وصح بیع الفلس بفلسین باعیانهما وقال محمد لا یجوز۔ (البحر الرائق ج٦ ص١٣١ باب الربوٰ)

ومثله فی الهندیة ج٣ ص١٢١ الباب التاسع الفصل السادس فی تفسیر الربوٰ واحکامه۔

الجواب: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن سود کی حرمت کے بارے میں قرآن وحدیث میں نصوص مطلق ہیں، جس سے ہر جگہ سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے، جمہور علماء اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک دارالحرب میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا حرام ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود نہ لیا جائے۔

قال الامام المرغینانیؒ: ولا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافاً لابی یوسفؒ والشافعیؒ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۸۶ باب الربوٰ) ۱

دارالاسلام میں کسی بھی غیر مسلم سے سود لینا جائز نہیں

سوال: دارالاسلام میں جو غیر مسلم ذمی رہتے ہیں اور دیگر کفار جب مال تجارت وغیرہ لے کر کچھ عرصہ کے لیے آئیں تو ان سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن وحدیث میں مطلقاً سود کی حرمت مذکور ہے اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ کسی ذمی غیر مسلم سے سود لینا منع ہے، اس لیے دارالاسلام میں کسی غیر مسلم سے سود لینا ناجائز ہے۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: بخلاف المستأمن منھم لان مالہ صار محظوراً بعقد الامان۔ (الھدایۃ ج۳ ص۸۶ باب الربوٰ) ۲

---

۱ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ای لا ربا بینھما فی دار الحرب عندھما خلافاً لابی یوسفؒ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۱۳۵ باب الربوٰ)

لما قال العلامۃ الزیلعی رحمہ اللہ: وقال ابو یوسفؒ والشافعیؒ لا یجوز لان المسلم التزم بالامان ان لا یتعرض اموالھم الا بالعقد۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوٰ)

۲ قال العلامۃ ابن الھمامؒ: بخلاف المستأمن منھم عندنا لان مالہ صار محظوراً بالامان۔ (فتح القدیر ج۶ ص۱۷۸ باب الربوٰ)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوٰ۔

تفسیر عبارت لاربا بین المسلم والحربی

سوال: فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں صراحتاً مذکور ہے۔ "لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے۔ براہ مہربانی اس عبارت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب: اول تو اس میں اختلاف ہے جمہور علماء اور امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اور پیش کردہ عبارت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ دارالحرب میں مسلم اور غیر مسلم کے مابین سرے سے سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا کیونکہ حربی کا مال مباح ہے اسے کسی بھی طریقے سے حاصل کیا جائے تو وہ جائز ہوتا ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام اس عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: "ولان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر" فقہاء کرام نے اس کے لیے لفظ جواز استعمال نہیں کیا۔ حدیث میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: لاربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ (الهدایة ج۳ ص۸۶ باب الربوا)[1] یہاں بھی ربوٰ (سود) کی نفی ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ اور سود کا مسئلہ

سوال: ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے ہر ماہ حکومت تنخواہ کا کچھ حصہ وضع کرتی رہتی ہے پھر سال کے بعد اس رقم پر سود لگتا ہے۔ اختتام ملازمت / ریٹائرمنٹ پر حکومت یہ ساری جمع شدہ رقم ملازم کو مع سود کے ادا کر دیتی ہے۔ اس رقم کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حکومت کی طرف سے سرکاری ملازم کو جو رقم اختتام ملازمت کے وقت ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں کیونکہ سود دو آدمیوں کے مابین عقد ہوتا ہے جبکہ دونوں طرف سے مال ہو اور مال ان کا مملوک ہو جبکہ مسئلہ مذکورہ میں ملازم کی تنخواہ سے جو

---

[1] قال العلامة ابن الهمامؒ: ولان مالهم مباح وعلاقة النصوص فی مال محصور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق یاخذه حل بعد کونه برضا۔ (فتح القدیر ج۶ ص۱۷۸ باب الربوا)

ومثله فی تبیین الحقائق ج۴ ص۹۷ باب الربوا۔

رقم کٹتی ہے وہ ملازم کی ملک نہیں ہوتی۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: قوله بل بالتعجيل او بشرطه او بالاستيفاء او بالتمكن اى لا يملك الاجرة الا بواحد من هذه الاربعة۔ (البحر الرائق ج۸ ص [illegible]) اس رقم پر ابھی مالک کا قبضہ نہیں ہوا اور نہ ہی اسکے وکیل نے قبضہ کیا ہے اس کے تصرفات اس میں نافذ نہیں، ایسی رقم کے ساتھ حکومت کا معاملہ یکطرفہ ہے، اس جمع شدہ رقم کو اگر حکومت سود پر دے یا کوئی اور معاملہ کرے یا اس پر خود سود لگائے یہ سب یکطرفہ کاروائی ہے، اختتام ملازمت پر جب حکومت یہ رقم ملازم کو دے تو حکومت کی طرف سے احسان ہی کہلائے گی، اس طرح یہ رقم اجرت کا جز مؤجل ہوگی نہ کہ سود۔ لـه

جی پی فنڈ کی رقم حصول سے قبل کسی کمپنی یا بینک کو سود پر دینے کا حکم

سوال: اگر کوئی سرکاری ملازم درخواست دے کر جی پی فنڈ کی رقم کسی کمپنی یا بینک کے حوالے کرکے اس پر سود حاصل کرے تو اس سودی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: کوئی بھی سرکاری ملازم اگر درخواست دے کر اپنے جی پی فنڈ کی رقم کسی بینک یا بیمہ کمپنی کے حوالہ کر دے تو وہ کمپنی اس کی وکیل بن جائے گی، وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے، اتنا کمپنی وکیل کے اعتبار سے جتنا سودی کاروبار کرے گی وہ ایسا ہوگا جیسے یہ خود اس میں ملوث ہے، کیونکہ ملازم نے باختیار خود یہ رقم کمپنی کے حوالہ کی ہے، یہ سودی رقم دوبارہ حکومت کے خزانہ میں جا کر بھی سودی ہی باقی رہے گی، اختتام ملازمت پر جب یہ رقم ملازم کو ملے گی تو سودی رقم ہوگی اس کو وہ شرعاً اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: وقد نهى الرسول عليه السلام عن قرض جر نفعا. (الهداية ج۳ ص۱۳۱ كتاب الحوالة) لـه

لـه قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: جبری پراویڈنٹ فنڈ پر جو سود کے نام پر رقم ملتی ہے وہ شرعاً سود نہیں بلکہ اجرت (تنخواہ) ہی کا ایک حصہ ہے۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص [illegible])

ومثله في امداد الفتاوى ج۳ ص۱۳۸ كتاب الربوا۔

لـه قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دے تو یہ شرعاً بھی سود ہوگا جس کا لینا ملازم کے لئے قطعاً حرام ہوگا۔

(پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص۲۶)

ملازم کی اجازت سے اس کی تنخواہ سے پراویڈنٹ فنڈ کی کٹوتی کا حکم

سوال: کوئی بھی سرکاری ملازم جب اپنی تنخواہ سے بلا جبر و اکراہ اپنی مرضی سے کچھ رقم کٹوائے اور وہ جمع ہوتی جائے تو اختتام ملازمت (ریٹائرمنٹ) کے وقت اس جمع شدہ رقم کے ساتھ حکومت کی طرف سے جو مزید رقم دی جاتی ہے ازروئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس صورت میں پراویڈنٹ فنڈ کے ساتھ حکومت کی طرف سے دی جانے والی مزید رقم تشبہ بالربوٰ ہے، اگرچہ ملازم اپنی اجرت وصول کرنے سے قبل یہ رقم کٹواتا ہے لیکن پھر بھی اپنی اجرت میں تصرف ہے اور سود خوری کا ذریعہ بننے کا قوی احتمال ہے لہٰذا ایسی رقم سے اجتناب ہی کیا جائے خواہ محکمہ سے وصول کرے یا نہ کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کل قرض جرّ نفعاً حرام اذا کان مشروطاً۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ باب الربوٰ۔ مطلب کل قرض جرّ نفعاً حرام)[1]

گاڑی دلوانے کے عوض اصل رقم سے زائد کا مطالبہ کرنا سود ہے

سوال:۔ آجکل ٹرانسپورٹ کے کاروبار میں یہ رواج ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اپنے پیسوں سے گاڑی خرید کر دیتا ہے اور اس سے یہ اقرار نامہ تحریر کرتا ہے کہ سال یا دو سال کے بعد دو لاکھ کی جگہ تین لاکھ دے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کاروبار کی مذکورہ صورت سودی ہے اسلئے کہ گاڑی خریدنے والا مشتری کا وکیل ہے اور گاڑی کی رقم مشتری کے ذمے قرض ہے جبکہ قرض پر نفع لینا شرعاً ربو (سود) ہے البتہ یہ جائز ہے کہ پہلے گاڑی اپنے لیے خریدے اور پھر تین لاکھ روپے میں مشتری پر فروخت کردے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کل قرض جرّ نفعاً حرام۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ فصل فی القرض)[2]

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندیؒ: پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس میں تشبہ بالربو بھی ہے اور ذریعہ سود بنا لینے کا خطرہ بھی ہے اسلئے اس سے اجتناب کیا جائے۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص ۴)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص ۲۵۴ کتاب الحوالة۔

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: القرض الذی جرّ منفعة قال الحنفیة فی الراجح عندهم کل قرض جرّ نفعاً حرام اذا کان مشروطاً۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۴ ص ۷۲۴ فصل فی القرض)

انعامی اسکیموں کا حکم

سوال:۔ کسی انعامی سکیم یا پرائز بانڈ یا انعامی ٹکٹوں کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور اس میں ملنے والے انعام کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس قسم کی انعامی سکیموں پر جوئے کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے کوئی انعامی سکیم یا دیگر کسی بھی قسم کی انعامی ٹکٹوں کا کاروبار شرعاً جائز نہیں اور اس سے ملنے والی انعامی رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي: اكتسب حراماً واشترى به .... تصدق بالربح وإلا لا هذا قياس وقال أبوبكر كلاهما سواء ولا يطيب له۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۱۱۹ مطلب إذا اكتسب حراماً ثم اشترى)[۱]

غیر ملکی کرنسی کو اضافی قیمت پر خریدنا

سوال:۔ آجکل غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت کا کاروبار عام ہے اور تاجر لوگ غیر ملکی کرنسی کم قیمت پر خرید کر زیادہ قیمت پر فروخت کرتے ہیں، مثلاً سعودی ریال ۱۴ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے۔ تو کیا اس طرح غیر ملکی کرنسی کی خرید و فروخت سود میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سود متحقق ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں اشیاء ایک ہی جنس سے ہوں اگر جنس مختلف ہو جائے تو ان میں تفاضل (زیادتی) جائز ہے۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک کی کرنسی مختلف الاجناس اشیاء میں داخل ہے اس لیے ان کی خرید و فروخت میں کمی بیشی جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک سعودی ریال ۱۴ روپے میں خرید کر ۱۵ روپے میں فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة أبو الحسن القدوري: فإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حل التفاضل والنساء وإذا وجدا حرم التفاضل والنساء وإذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النساء۔ (مختصر القدوري مع اللباب ج۱ ص۱۲۱ باب الربوٰ)

---

[۱] وفي الهندية: كان مال بمقابلة المعصية فكان الأخذ معصية والسبيل التصدق به وذلك بعد أن يرد الآخذ إن تمكن من رده على صاحبه وإلا يتصدق به إن لم يعرفه۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۹ الباب الخامس عشر في الكسب، كتاب الكراهية)

بینک کی تعمیر کے لیے زمین دینا

سوال: بینک بنانے کے لیے اپنی مملوکہ زمین حکومت کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حکومت کو بینک بنانے کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ زمین دینے والے کو زمین کے عوض سود سے حاصل شدہ رقم ملے گی اور دوسرا یہ کہ بینک کا موجودہ نظام اندرون ملک و بیرون ملک بڑے بڑے سودی کاروبار میں پھنسا ہوا ہے جبکہ زمین دینے کی صورت میں اعانت علی المعصیت لازم ہے۔ پس جس طرح سود سے اجتناب ضروری ہے اسی طرح سودی نظام کو سہارا دینا بھی مناسب نہیں۔ اس بناء پر حکومت کو بینک کے لیے زمین دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما قال الله تعالى: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (سورۃ المائدۃ آیت ۲) [1]

پرانے کرنسی نوٹ نئے نوٹوں کے ساتھ کم قیمت پر تبدیل کرنا

سوال: پرانے کرنسی نوٹوں کی تبدیلی کے لئے طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شخص پھٹے پرانے نوٹ نئے نوٹوں سے تبدیل کرانا چاہتا ہے تو بینک اس سے کچھ کٹوتی کرتا ہے مثلاً سو روپے کے پھٹے پرانے نوٹ کے بدلے میں نئے نوٹ پانچ یا دس روپے کم دیتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: مروجہ کرنسی کی حیثیت فلوس نافقہ کی ہے اور اس میں ثمنیت عرف کی وجہ سے آئی ہے۔ فلوس نافقہ کو باہمی تفاضل کے ساتھ بیچنے میں حضرات کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ہاں کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے جبکہ امام محمدؒ کے ہاں جائز نہیں۔ اگرچہ عمومی طور پر ربا (سود) سے بچنے کے لئے فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے تاہم پرانے نوٹوں کو بینک کے ساتھ بدلنے میں کافی گنجائش ہے۔

---

[1] قال العلامة ملا علی بن سلطان القاری رحمه الله: عن جابرؓ قال لعن النبی صلی الله علیه وسلم آكل الربوٰ وموكله وكاتبه وشاهدیه قال النووی فیه تصریح بتحریم كتابة المترابیین والشهادة علیهما وبتحریم الاعانة علی الباطل وقال هم سواء.

(المرقاة ج۶ ص۵۹ باب الربوٰ، الفصل الاول)

ومثله فی الجامع الصغیر ص۲۲۹ باب الربوٰ۔

لما قال العلامة علي بن ابي بكر المرغيناني رحمه الله: واذا عدم الوصفان الجنس والمعنى
المضموم اليه حل التفاضل والنساء لعدم العلة المحرمة والاصل فيه الاباحة واذا وجد
حرم التفاضل والنساء لوجود العلة واذا وجد احدهما وعدم الآخر حل التفاضل
وحرم النساء مثل ان يسلم هرويا في هرويين او حنطة في شعير فحرمة ربا الفضل
بالوصفين وحرمة النساء باحدهما۔ (الهداية ج۳ ص۸۱ باب الربوا) لـه

فصل کے بدلے اناج دینا

سوال: ایک شخص کو غلہ کی ضرورت ہے لیکن فصل ابھی تیار نہیں ہوئی، ایسی حالت میں اگر وہ کسی سے تیار غلہ خرید کر اس کے عوض کھیت میں کھڑی فصل دے دے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسی صورت میں تیار غلہ کے بدلے میں وہ غلہ لیا جاتا ہے جو کہ کھیت میں ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں صرف تخمیناً اس کا اندازہ کرکے فروخت کیا جاتا ہے چونکہ غلہ کی غلہ کے بدلے فروخت میں مقدار معلوم کرنا ضروری ہے ورنہ اس میں ربوا (سود) کا شبہ باقی رہتا ہے اس لیے مذکورہ صورت تبادلہ کی جائز نہیں۔

لما قال العلامة علي بن ابي بكر المرغيناني: ولا يجوز .... بيع المزابنة .... واما فلما
فالمزابنة ما ذكرنا والمحاقلة بيع الحنطة في سنبلها بحنطة مثل كيلها خرصاً لانه باع مكيلا بمكيل من
جنسه فلا يجوز بيع بطريق الخرص كما اذا كانا موضوعين على الارض۔ (الهداية ج۳ ص۵۹ باب ما يجوز
وما لا يجوز) لـه

لـه قال سليم رستم باز اللبناني: بيع المقايضة بيع العين بالعين اي مبادلة مال بمال غير
النقدين وشرط صحة المقايضة التساوي في التقابض ان اتفقا جنساً وقدراً كبيع حنطة
بحنطة واذا تقايضا لا تساوي كبيع كر حنطة بكر شعير۔
(شرح المجلة تحت المادة ۱۲۲ ص۶۲ كتاب البيوع)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۱۲۸ باب الربوا۔

لـه قال العلامة ابن نجيم المصري: والمزابنة اي لم يجز بيع المزابنة لنهيه صلى الله
عليه وسلم عن بيع المزابنة والمحاقلة۔ والمحاقلة بيع الطعام في سنبله بالبر
(البحر الرائق ج۶ ص۷۶ تحت قوله والمزابنة كتاب البيوع)

ومثله في فتح القدير ج۶ ص۴۰ باب البيع الفاسد۔

سونا چاندی قرض کی صورت میں زیادہ قیمت پر فروخت کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل اکثر زیور گر (سنار) حضرات سونا اور چاندی گاہک کو نقد مثلاً ۲۰۰۰/- روپے فی تولہ دیتے ہیں اور اگر قرض پر دیں تو ۲۵۰۰/- روپے فی تولہ دیتے ہیں تو کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب:- موجودہ کرنسی نوٹ نہ سونے چاندی کی طرح ثمن خلقی اور نہ سونے چاندی کی رسید بلکہ قانونی تحفظ اور تقرر کی بناء پر ثمن عرفی یعنی فلوس نافقہ کی حقیقت اختیار کر چکا ہے۔ جو جنسیت میں سونے چاندی سے الگ ہے، اسی طرح سونا چاندی مقدوری ہے، بخلاف موجودہ کرنسی کے کہ وہ عددی ہے اس لیے دونوں کا باہمی تجارت تفاضل اور ادھار دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ اسی مجلس میں دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو چکا ہو۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سونے چاندی کو نقد ۲۰۰۰/- روپے فی تولہ اور ادھار کی صورت میں ۲۵۰۰/- روپے فی تولہ فروخت کرنا جائز ہے مگر عند العقد سونے چاندی پر مشتری کا قبضہ کرنا صحت بیع کے لیے ضروری ہے بدون اس کے بیع صحیح نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ مفتی محمد تقی عثمانی: لیکن اس زمانے میں علماء اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت ایسی بھی تھی جو ان کاغذی نوٹوں کو ثمن عرفی کے طور پر مال قرار دیتی تھی۔

(فقہی مقالات جلد ۱ ص۲۳ دنیا کے کرنسی نظام میں اسلام)

وقال ایضاً: اسی طرح اب سونا کرنسی کے دائرہ سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ (فقہی مقالات جلد ۱ ص۴۱)

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: باع فلوساً بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما فلا یجوز۔

(الدر المختار ج ۴ ص۲۴۳ باب الربو مطلب فی استقراض الدراھم)

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین۔

(رد المحتار ج ۴ ص۲۴۵ باب الربو مطلب فی استقراض الدراھم)

اسٹیٹ لائف کمپنی کی دجل و تلبیس

اور

بیمہ کی شرعی حیثیت پر دارالعلوم حقانیہ کا اصل فتویٰ

سودی نظام کی محافظ حکومت اور ایک بیمہ کمپنی کی دجل و تلبیس کا تازہ شاہکار دیکھ لیں اور داد دیں کہ مدتی سے جو انہوں نے جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی حضرت مولانا محمد فرید مدظلہ سے [illegible] کے ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے جس پر مفتی صاحب موصوف کے دستخط اور فتویٰ نمبر دونوں جعلی ہیں۔

استفتاء کے جواب میں مفتی صاحب سے منسوب جعلی فتویٰ کی عبارت درج ذیل ہے:

جواب:۔ "اس وقت عام حالات سے واضح ہے کہ دینی مسائل کے اعتقادات بدلتی رہتی ہیں [illegible] رہتے ہیں بغیر کہ اکثریت جن علماء کی پیروی کرتی ہے اکثر کا فتویٰ بیمہ کو جائز قرار دیتا ہے۔

اس بات میں کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ شراکت کا مشروط بلا سود قابل اعتراض نہیں ہے لہٰذا اگر بیمہ کمپنی ان رقوم سے تجارت، صنعت، خدمات وغیرہ دیگر شعبوں میں سرمایہ کو منافع کی شکل میں کچھ دیتی ہے تو قابل اعتراض نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ صاحب نے اپنی غیر مقدس تحریر میں جن خیانت کا اظہار کیا ہے [illegible] ہے کہ تمام جن اصطلاحات راستہ [illegible] و مشہور اور مسلم شدہ حقائق ہیں اور ان میں کسی بحث و [illegible] کی گنجائش نہیں ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک اسلامی ملک میں رہتے ہوئے ہم اس کو بار بار پیچیدہ مسئلہ نہ بنایا جائے۔ اصل میں سود سے مراد وہ رقم ہے جو قرض دی جائے یا لی جائے۔"

اہل علم قارئین اور حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ اور ان کے طرز تحریر سے واقف حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ جعلی فتویٰ کی یہ عبارت کس قدر بودی اور جہالت پر مبنی ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت مفتی صاحب کا اصل فتویٰ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکا ہے ذیل میں وہی فتویٰ دوبارہ نذر قارئین ہے تاکہ سودی نظام کی محافظ حکومت کا شرمناک کردار اور بیمہ کمپنی کی جعل سازی اور دجل و فریب بے نقاب ہو جائے۔ (مرتب)

معینہ منافع پیش کرتی ہے۔ نیز معینہ مدت تک زندہ رہنے۔ اور تمام اقساط ادا کرنے کی صورت میں بیمہ دار شخص اقساط کی مجموعی رقم سے زائد زرِ بیمہ لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور کمپنی سے وہ اس کو یک مشت بھی لے سکتا ہے۔ اور بالاقساط بھی۔ اور یہ سود کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

وجۂ دوم : دوسری طرف یہ عقد میسر اور قمار پر مشتمل ہے۔ کیوں کہ اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے پہلے مر جائے تو اس صورت میں ایک خطیر رقم کا مالک وہ شخص بن جاتا ہے جو بیمہ دار شخص نے کمپنی کے سامنے نامزد کیا ہے۔ اور اس میں میسر اور قمار کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں محض ایک امر اتفاقی کی وجہ سے کثیر رقم نامزد شدہ شخص کی ملک میں آگئی۔ جیسی میسر اور میں آجاتی ہے اور چونکہ اسلامی شریعت نے سود اور قمار کو قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا بیمہ کا یہ معاہدہ بھی ان دونوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام قرار پائے گا۔ اسی طرح اگر بیمہ دار شخص معینہ مدت سے قبل عقدِ بیمہ کو فسخ کر کے اقساط کی ادائیگی کو روکنا چاہے۔ تو اس صورت میں کمپنی اس تمام رقم کی مالک قرار پائے گی۔ جو اقساط کی صورت میں اس نے کمپنی کو ادا کی ہے۔ اور یہ بھی میسر اور قمار ہے۔

وجۂ سوم : عقدِ بیمہ کے ناجائز اور حرام ہونے کے لیے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس بیمہ دار شخص کی موت کی صورت میں کمپنی کو اس کی ادا کردہ تمام رقم کا مالک صرف وہ شخص ہوتا ہے جو اس نے نامزد کیا ہے اور باقی تمام ورثاء اس رقم سے یکسر محروم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی قانونِ وراثت کی رو سے اس رقم میں وہ تمام ورثاء بھی حقدار ہیں۔ جو شرعاً اس کے جائز ورثاء ہوں۔ اس بنا پر اس عقد میں بعض تقادیر پر شرعی قانونِ وراثت کی صریح طور پر خلاف ورزی بھی ہو جاتی ہے۔ جو یقیناً ناجائز ہے۔

وجۂ چہارم : مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اس عقدِ بیمہ کے حرام اور ناجائز ہونے کے لیے چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس کمپنی کے ساتھ تعاون علی الاثم والعدوان بھی پایا جاتا ہے۔ جو قرآن کریم کی رو سے یہ عمل ناجائز ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ کیونکہ کمپنی نہ روئے قانون اس بات کی پابند نہیں ہے کہ اس رقم کو وہ لازماً جائز اور مباح کاموں میں صرف کرے گی۔ بلکہ وہ اس کو سودی لین دین کے معاملات میں بھی صرف کر سکتی ہے۔ بہر حال شرعی قوانین اور احکام کی روشنی میں بیمہ زندگی کے بارہ میں ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر جائز عقد نہیں بلکہ حرام ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

سوال ہو سکتا ہے کہ ہماری مندرجہ بالا معروضات پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بیمہ زندگی کا یہ معاہدہ اور معاملہ عقدِ مضاربت کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح مضاربت میں ایک طرف سے سرمایہ ہوتا ہے

اور دوسری طرف سے محنت اور منافع رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بیمہ زندگی میں بھی بیمہ شدہ شخص کی طرف سے سرمایہ ہوتا ہے اور کمپنی کی طرف سے محنت۔ اور منافع سرمایہ کار اور کمپنی دونوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ تو کیوں نہ ہم عقد بیمہ کو مضاربت کی طرح جائز قرار دیں۔

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بیمہ زندگی کا معاملہ تصور جدید ہی میں سے ہے اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی صریح نص وارد نہیں ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے معاملات کے احکام معلوم کرنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ایسے جدید معاملات کو ایسے عقود اور معاملات سے ملحق کیا جائے جن میں شریعت نے اپنا کوئی مخصوص حکم بیان کیا ہو۔ اور جس کے ساتھ یہ جدید قسم کے عقود اور معاملات زیادہ مشابہت رکھتے ہوں۔ اس طرح منصوص معاملات اور عقود میں سے جو بھی عقد اور معاملہ ایسا پایا جائے گا جس سے جدید معاملات اور عقود زیادہ مشابہ اور مطابق ہوں تو دونوں پر ایک قسم کا حکم جاری کیا جائے گا۔ مگر یہاں صورت یہ ہے کہ بیمہ زندگی کا الحاق عقد مضاربت سے حسب ذیل چند وجوہ سے صحیح نہیں ہے اگرچہ بظاہر دونوں کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ایک جیسے معاملات اور عقود ہیں۔ اور دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے۔ جن وجوہ سے ہم اس الحاق کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ بیمہ اور مضاربت میں کئی بنیادی فرق موجود ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے مثلاً مضاربت میں شرط صحت بالاجماع یہ تسلیم کی گئی ہے کہ اس میں منافع کی تقسیم نسبت کی بنیاد پر ہو۔ اور مضارب اور رب المال میں سے کسی ایک کو معین منافع نہیں ملیں گے بلکہ اس کا اشتراط عقد مضاربت کے لیے مفسد قرار دیا گیا ہے۔ بخلاف بیمہ کے کہ اس میں سرمایہ کار معین منافع و مقدار کی صورت میں سالانہ طے کرتے ہیں۔ نسبت کی بنیاد پر منافع کی تقسیم نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اس میں مضاربت کی طرح یہ نہیں ہوتا ہے کہ منافع میں سے نصف حصہ یا ثلث اور یا ربع وغیرہ اس ایک فریق کو ملے گا۔ اور باقیماندہ منافع دوسرے فریق کو ملیں گے۔ اس فرق کو سامنے رکھ کر اصول اجتہاد اور قواعد قیاس اس بات کے متقاضی ہیں کہ بیمہ کو مضاربت پر قیاس کر کے دونوں کا حکم ایک نہ قرار دیا جائے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ اور مضاربت میں ایک اور فرق بھی پایا جاتا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ۔

مضاربت میں اگر نقصان واقع ہو تو سرمایہ کار رب المال کو وہ نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

اور بیمہ میں اس قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے۔ یہاں سرمایہ کار کو منافع ہی منافع ملتے ہیں۔ اور نقصان سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ یعنی کہ اگر کوئی نقصان پیش آجائے تو کمپنی ہی اس کا ذمہ دار ہوگی بیمہ دار شخص پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے۔

۳۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار کا انتقال ہو جائے تو ورثاء کو صرف اتنا ہی سرمایہ مل سکتا ہے جتنا کہ ان کے مورث نے مضارب کو سپرد کیا تھا۔ اور اس سے زائد رقم ہرگز انہیں نہیں مل سکتی۔ برخلاف اس کے بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی موت کے بعد جس شخص کو زر بیمہ ملنے والا ہے وہ ایک بڑی رقم یعنی زر بیمہ کا حقدار قرار دیا جاتا ہے جو ایک ایسا مخاطرہ ہے جس سے شارع علیہ السلام نے روکا ہے کیونکہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول اور ضابطہ نہیں ہے۔ کیونکہ سوائے اتفاقات کے اس کا کوئی اصول یا ادب یا ضابطہ نہیں ہے۔ کیونکہ بعض اشخاص تو ایسے نکلیں گے کہ آج انہوں نے بیمہ کرایا۔ اور کل ان کے کسی وارث نے اس خطیر رقم بیمہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بعض ایسے اشخاص ہوں گے جو بیمہ کرانے کے ایک طویل مدت بعد اس رقم پر قبضہ کرنے کے حقدار ہوں گے۔

۴۔ اس کے علاوہ مضاربت میں اگر سرمایہ کار مر جائے تو مضارب کے پاس اس کی جو رقم ہے وہ تمام ورثہ کے مابین شرعی قانون وراثت کے مطابق تقسیم ہوگی۔ اس کے برخلاف بیمہ میں اگر بیمہ دار شخص کا انتقال ہو جائے تو زر بیمہ کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو بیمہ دار نے نامزد کیا ہو اور باقی وارثین اس میں اصلاً حقدار نہیں سمجھے جاتے ہیں یہ ایک طرف ان پر ظلم ہے اور دوسری طرف اس میں اسلام کے قانون وراثت کی صریح خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ ۔۔ ان جوہری فروق کے ہوتے ہوئے بیمہ کو مضاربت پر قیاس کرنا قیاس باطل ہے اور کوئی عالم اس کے جواز کا قائل نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ اس میں سود اور قمار کو پایا جاتا ہے جو قطعی طور پر حرام ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم یہاں تک بھی نہ کہیں کہ انہیں بعض وجوہ ایسے ہیں جو اس کے عدم حلت کے متقاضی ہیں تو اس سے بھی تو انکار ممکن نہیں ہے کہ اس عقد میں ایسی بھی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ جو اس کے عدم جواز اور حرمت کے متقاضی ہیں جیسا کہ اوپر بالتفصیل بیان کی گئیں تو حضور کے اس ارشاد کے بموجب دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔ اس عقد سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس میں احتیاط کا پہلو راجح ہے۔ حضور نے ایسے ہی معاملات کے بارے میں فرمایا ہے کہ ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ اسی سے علماء اصول حدیث اور اصول فقہ نے یہ قانون بنایا ہے کہ بوقت تعارض محرم کو مبیح پر ترجیح حاصل ہوگی۔

فقط واللہ اعلم

سود لینے دینے پر گواہ بننا اور حالت اضطرار میں سود دینے کا حکم

سوال :- (۱) ایک آدمی سود دیتا ہے، دوسرا لیتا ہے اور چند افراد اس سودی معاملے میں گواہ بن جاتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان تینوں کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص حالت اضطرار میں ہو تو کیا اس کے لیے سود پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں؟ دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- (۱) سودی لین دین ایسا حرام قطعی عمل ہے کہ جس پر قرآنی آیات، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت کا اجماع دال ہے، اس کی حرمت میں کسی کو بھی شک وشبہ نہیں، سود خوری کو اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر جرم قرار دیا گیا ہے، احادیث مبارکہ میں سود کھانے، سود دینے والے، لکھنے والے اور اس معاملے پر گواہ بننے والوں کو بھی برابر کی سزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور ان سب پر لعنت کی گئی ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب احادیث میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء۔

البنایہ میں ہے: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ آکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاہداہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اھ۔

اس لیے سودی لین دین کرنے، اس پر گواہ بننے اور اس کی دستاویز لکھنے سے پرہیز کیا جائے۔

(۲) اگر کوئی آدمی حالت اضطرار میں ہو اور کوئی دوسرا راستہ اس کی اپنی ضرورت شدیدہ کو پورا کرنے کے لیے نظر نہ آتا ہو اور ضرورت بھی اس درجے کی ہو کہ اس کی موت وحیات سے وابستہ ہو تو اس صورت میں مجبوری کے تحت گنجائش موجود ہے لیکن سود لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: قلت: وقد قالت الفقہاء بجواز اعطاء الرشوۃ للمضطر لدفع مضرۃ لا تندفع الا باعطائہ واما اخذ الرشوۃ فلا یجوز بحال والربو والرشوۃ من باب واحد فمقتضاہ ان یجوز اعطاء الربو للمضطر لدفع مضرۃ لا تندفع الا باعطائہ واما اخذ الربو فلا یجوز اصلاً اھ (امداد الاحکام ج۳ ص [illegible] کتاب الربو)

☆☆☆
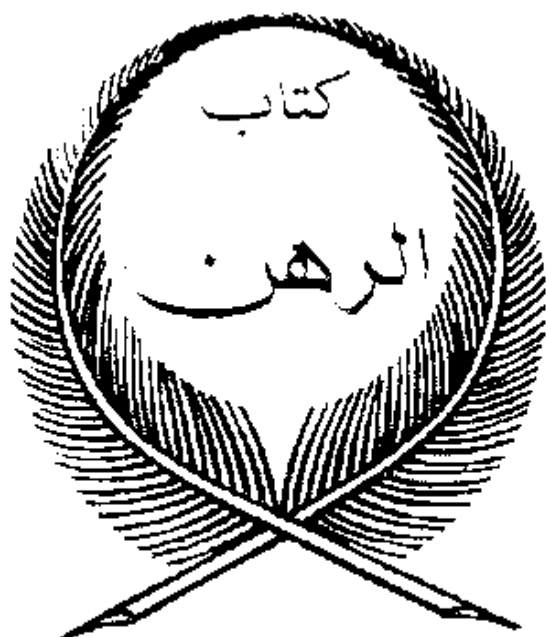
کتاب
الرھن

وان كنتم على سفرٍ

ولم تجدوا كاتباً

فرهان مقبوضة

کتاب الرّھن

(رہن کے مسائل واحکام)

مرہونہ زمین کے اخراجات کی ذمہ داری کا حکم

سوال:۔ اگر زمین مرہونہ ہو اور مرتہن نے بغیر کسی استفادہ کے سرکاری آبیانے اور ٹیکس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کچھ رقم ادا کی۔ کیا مرہونہ زمین کی واپسی کے وقت مرتہن کو راہن سے ان اخراجات کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر راہن کی اجازت سے مرتہن مرہونہ زمین پر رقم خرچ کرے تو اجازت کی وجہ سے مرتہن مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے ورنہ بصورت دیگر مرتہن کے کئے ہوئے اخراجات میں متبرع ہے، راہن سے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا ہے۔

لما قال الامام ابن البزاز الکردریؒ: اخذ السلطان الخراج والعشر من المرتہن لا یرجع علی الراہن لانہ ان تطوع فہو متبرع وان مکرھا فہذا ظلمہ السلطان والمظلوم لا یرجع الا علی الظالم۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۰ نوع نفقۃ الرہن)[1]

مرہونہ سے استفادہ کا حکم

سوال:۔ اگر مالک مرتہن کو مرہونہ سے فائدہ لینے کی اجازت دے دے تو کیا اس کی اجازت کو مدنظر رکھتے ہوئے مرتہن کے لیے مرہونہ سے استفادہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ مالک کی باقاعدہ اجازت اس کی مملوکہ چیز سے استفادہ لینے کو جائز کی صورت پیدا کرنے کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے لیکن مرتہن کو راہن کی طرف سے جو اجازت

---

[1] لما قال الشیخ سلیم رستم باز رحمہ اللہ: کل من الراہن والمرتہن اذا انفق علی الرہن ما لیس علیہ بلا اذن الآخر یکون متبرعا ولیس لہ ان یطالب الآخر بما انفق۔ (شرح مجلۃ الاحکام مادۃ ۷۲۵ ص ۳۹۹ کتاب الرہن)

ومثلہ فی الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۴۵۵ الباب الرابع فی نفقۃ الرہن۔

رکھی جاتی ہے اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما ہیں
جس کے تحت مالک اپنی ملکیت سے اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کو استفادہ کا موقعہ دیتا
ہے۔ راہن اور مرتہن کے باہمی معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت اظہر من الشمس
ہے کہ مرتہن کو یہ موقعہ اس کے قرض کے عوض دیا جاتا ہے جو کہ مالک دے چکا
ہے۔ مالک مرتہن کے احسان سے مجبور ہو کر بلا چون وچرا مرتہن کے سامنے
سر تسلیم خم کر کے اجازت دے دیتا ہے۔ اس کی یہ اجازت مجبوری کی اجازت ہے
جس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرامؒ نے تصریح کی ہے
کہ مالک کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے رہن سے انتفاع لینے کی
گنجائش نہیں ہے۔

قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ تحت قوله وسیجئی آخر الرہن قلت
والغالب من احوال الناس انهم یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه
الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو مما یعین المنع والله
تعالیٰ اعلم انتهیٰ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج۴ ص۲۳۳ کتاب الرہن) لہ

رہن سبب ملک نہیں

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس مزروعہ زمین بطور رہن ہو تو کیا اس سے مرتہن کی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے
یا نہیں اور راہن کو کب تک ملکیت کے دعویٰ کا حق حاصل ہے؟

الجواب:- رہن صرف ایک وثیقہ اور ذریعہ اعتماد ہے جس سے مرتہن
مرہونہ چیز کا مالک نہیں بن سکتا بلکہ اس کا مالک راہن ہی رہے گا۔ جب چاہے مرتہن
کو قرض ادا کر کے مرہونہ شے واپس لے سکتا ہے تاہم مالک قرض کی ادائیگی کے بغیر
مرہونہ کی واپسی کا حق نہیں رکھتا۔

لہ قال العلامة ابن عابدینؒ: والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عند الدفع
الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو
مما یعین المنع والله تعالیٰ اعلم۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۸۲ کتاب الرہن)

لما قال العلامة ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ: الرھن امانۃ عند المرتھن کالودیعۃ۔
(الفتاویٰ البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۵۶ کتاب الرھن الباب الرابع فی اعارتہ) [1]

مرتہن کا بلا اجازت مالک مرہونہ سے انتفاع موجب ضمان ہے

سوال:۔ اگر مرتہن نے مالک کی اجازت کے بغیر مرہونہ سے فائدہ حاصل کیا تو کیا مالک کو اس سے تاوان کے مطالبہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مفتیٰ بہ قول کی رُو سے جب مالک کی اجازت کے باوجود مرتہن کے لیے انتفاع لینا مرخص نہیں ہے تو اجازت کے بغیر یہ مالک کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے اس لیے مالک اس سے ضمان کے مطالبہ کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ: رجلٌ استقرض دراھم واسکن المقرض فی دارہٖ قالوا یجب اُجر المثل علی المقرض لان المستقرض انما اسکنہ فی دارہٖ عوضاً منفعۃ القرض لامجاناً فیجب اجر المثل علی المقرض۔
(الفتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۳۰۹ کتاب القرض) [2]

مرہونہ کے اجارہ کا حکم

سوال:۔ اگر مرتہن مرہونہ سے انتفاع لے کر راہن کو اجارہ دیا کرے تو کیا اس سے مرتہن کیلئے

---

[1] قال المحدث والفقیہ علی بن سلطان محمد القاریؒ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایغلق الرھن۔ أی عقدہ (الرھن) ای المرھون (من صاحبہ) أی مالک (الذی رھنہ) أی صاحبہ بحیث یزول عنہ منفعتہٗ بل یکون المرھون کالباقی فی ملک الراھن۔ (المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۶ ص۹۳ کتاب الرھن)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۴۶۵ الباب الثامن فی تصرف الراھن والمرتھن۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: رجلٌ استقرض دراھم واسکن المقرض فی دارہٖ قالوا یجب اجر المثل علی المقرض لان المستقرض انما اسکنہ فی دارہٖ عوضاً عن منفعۃ القرض لامجاناً۔ (رد المحتار ج۶ ص۶۳ کتاب القرض)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ تنقیح الحامدیۃ ج۲ ص۱۲۳ کتاب القرض۔

مرہونہ زمین چھڑائے بغیر کسی دوسرے پر فروخت کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے اپنی آبائی ملکیتی زمین عمرو کے پاس رہن رکھی، کچھ مدت کے بعد زید نے اپنی مرہونہ زمین عمرو سے چھڑائے بغیر خالد کو اس شرط پر فروخت کر دی کہ اگر میری یہ زمین جو کہ عمرو کے پاس رہن ہے ایک میں آگئی تو وہ زر رہن جس پر زمین رہن کی گئی ہے وہ مرتہن (عمرو) کو نہ دو گے بلکہ مجھے دو گے۔ اب زید اس بیع قطعی کرنے سے پشیمان ہے اور خالد سے کہتا ہے کہ مجھے بیع قطعی کا انتقال واپس کر دو، حالانکہ اب تک خالد کا اس زمین پر قبضہ ہوا ہی نہیں بلکہ مرتہن (عمرو) کے قبضہ میں ہے۔ اب اس بیع قطعی کا عند الشرع کیا حکم ہے؟ فاسد ہے یا صحیح؟ اگر فاسد ہے تو واجب الرد ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ کا جواب دو شق پر تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱) راہن کا مرہونہ زمین میں تصرف قبل از سقوط از دین فی المرہون دو قسم ہے۔ ایک وہ تصرف ہے جو قابل فسخ ہے مثلاً بیع، کتابت، اجارہ، ہبہ، صدقہ، اقرار وغیرہ۔ دوسرا وہ تصرف ہے جس میں فسخ کا احتمال نہ ہو جیسا کہ عتق، تدبیر، استیلاد۔ قسم دوم تصرف خارج از بحث ہے اور قسم اول کے تصرف یعنی جو فسخ کا احتمال رکھتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ تصرف بغیر رضائے مرتہن کے نافذ نہیں ہوتا اور مرتہن کا حق حبس مرہونہ میں باطل نہیں ہوتا۔ یعنی اس قسم کا تصرف اگر راہن کرے تو وہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو تب نافذ ہوگا۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنا زر رہن وصول نہ کر لے اس وقت تک مرہونہ کو اپنے پاس بند رکھے۔ اور جب راہن مرتہن کو اپنا دین ادا کر دے اور مرہونہ کو بند رکھنے کا حق باطل ہو جاتا ہے، تو راہن کا وہ سابق تصرف جو کہ موقوف تھا اب نافذ ہو جائے گا۔ یہ تفصیل فتاوی عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۴۶۲ کی مندرجہ ذیل عبارت سے لی گئی ہے۔

تصرف الراهن قبل سقوط الدين في المرهون اما تصرف يلحقه الفسخ كالبيع والكتابة والاجارة والهبة والصدقة والاقرار ونحوها او تصرف لا يحتمل الفسخ كالعتق والتدبير والاستيلاد۔ فما الذي يلحقه الفسخ لا ينفذ بغير رضاء المرتهن ولا يبطل حقه في الحبس واذا قضى الدين ويبطل حقه في الحبس نفذت التصرفات كلها۔

اسی طرح اگر مرتہن نے زرِ رہن کی وصولی کرنے سے پہلے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گی اور اب پھر راہن ضامن نہیں رہے گا مگر زرِ رہن بہر حال خود راہن کے ذمہ ہوگا اور اجازت دینے سے مرتہن کا حق باطل نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں اگر یہ تصرف بیع ہو تو اب بجائے مرہونہ کے اس کا ثمن زرِ بیع مرہون ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں اسی صفحہ جلد ۵ ص ۲۳۷ پر ہے:

ولو اجاز المرتہن تصرف الراہن نفذ وخرج من ان یکون رهنا والدین علی حاله وفی البیع یکون الثمن رهنا مکان المبیع .. الخ

فقہاء کی اس تحقیق کی روشنی میں صورت مسئولہ میں راہن نے جو تصرف کیا ہے وہ بیع کا تصرف ہے جس میں وہ اجازت مرتہن پر موقوف ہوگا۔ اب اگر عمرو مرتہن نے راہن زید کو اجازت دی ہو تو اس کا یہ تصرف نافذ ہوگا اور عمرو مرتہن کا زرِ رہن زید کے ذمہ لازم ہے اور اگر عمرو مرتہن نے اجازت نہ دی ہو تو یہ بیع موقوف ہے اور تا وصولی زرِ رہن عمرو مرتہن زمین مرہونہ کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔

(۲) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایسی شرائط جو ملائم عقد نہ ہوں ان سے عقد بیع فاسد ہوتا ہے جس کی تفصیل فقہاء نے یوں کی ہے۔ الدر المختار میں ہے: فلا بیع بشرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او فیه نفع لمبیع الخ۔ علامہ شامیؒ بصورت تنبیہ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں: قوله وفیه نفع لاحدهما المراد بالنفع ما شرط من احد العاقدین علی الآخر (ج ۴ ص ۱۲۱)

اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے یعنی بیع فاسد مفید ملک ہے اور ہر ایک پر بائع اور مشتری میں سے اس کا فسخ واجب ہے قبل القبض، اور اسی طرح بعد القبض بھی جب تک کہ مبیع مشتری کے ہاتھ میں باقی ہو۔ اور اس کے لئے مرافعہ الی القاضی کی شرط نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعاً واجب ہوتی ہے وہ قضاء قاضی کی محتاج نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کسی نے بائع یا مشتری میں سے کسی نے اس کے باقی رکھنے پر اصرار کیا تو قاضی کو جبراً اسے فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

علامہ   فرماتے ہیں: ویجب علی کل واحد منهما فسخه قبل القبض ویکون امتناعا عنه او بعده ما دام المبیع بحاله فی ید المشتری   للفساد لانه معصیة فیجب رفعها ولذا لا یشترط فیه قضاء قاض لان الواجب شرعا لا یحتاج

مرہونہ زمین کے محاصل راہن کو واپس کرنا لازم ہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ پارچنار ضلع مولیم میں قرضہ لینے دینے کے سلسلہ میں یہ رواج ہے کہ قرض رقم دینے والا اس کے عوض میں کچھ زمین رہن رکھ لیتا ہے اور اس مرہونہ زمین سے اسے مرتہن کو انتفاع لینے کی راہن کی طرف سے اجازت ہوتی ہے ۔۔۔ اس سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل بندہ نے ایک استفتاء بھیجا تھا جس کے جواب میں آنجناب نے راہن کی اجازت کے باوجود مرہونہ زمین سے انتفاع لینے کو ناجائز تحریر فرمایا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مرہونہ زمین سے فائدہ حاصل کیا ہو اور اسے استعمال بھی کیا ہو تو وہ اپنے آپ کو اس سے کس طرح فارغ الذمہ کر سکتا ہے اور اس کی عملاً کیا صورت ہوگی؟

الجواب:۔ مرہونہ زمین سے انتفاع لینا راہن کی اجازت کے باوجود بھی مفتیٰ بہ قول کے مطابق ناجائز و حرام ہے۔ اب اگر کسی نے ایسا کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیئے کہ مرہونہ زمین سے اس نے جو محاصل لیے ہیں وہ محاصل یا اس کی قیمت راہن کو واپس کر دے تب اس کا ذمہ فارغ ہوگا۔

لما قال العلامة عبد الحی اللکھنوی ؒ: (الجواب) بکر کو ان محاصل کا واپس کرنا لازم ہے اور بکر کو ان محاصل سے نفع حاصل کرنا جائز نہ تھا اور ایک روپیہ کے عوض میں ان محاصل کو نہیں رکھ سکتا، البتہ کل محاصل کے واپس کر دینے سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ (مجموعۃ الفتاویٰ اردو ج۲ ص۱۲۹ کتاب الرہن)

كتاب
الاجارة

اعطوا الاجیر أجره
قبل ان یجف عرقه

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کے احکام و مسائل)

عقدِ اجارہ میں تعیینِ مدت ضروری ہے

سوال: مؤجر نے مستاجر کو بغیر تعیینِ مدت کے دکان اجارہ پر دے دی، اب چند سال بعد ہر چیز کے نرخ بڑھ جانے کی وجہ سے دکان کا مالک بھی کرایہ بڑھانا چاہتا ہے لیکن مستاجر نہ تو دکان خالی کرنے کو تیار ہے اور نہ ہی پہلے کرایہ سے زیادہ دینے کو تیار ہے جبکہ مؤجر حکومتی قانون کی وجہ سے مجبور ہے، کیونکہ حکومت کا قانون ہے کہ جب تک مستاجر (کرایہ دار) خود دکان خالی نہ کرے مؤجر (مالکِ دکان) اس کو بیدخل نہیں کر سکتا اور کرایہ میں کمی بیشی کرنا بھی حکومت کے اختیار میں ہے، کیا اس صورت میں مستاجر گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: بشرطِ صحتِ سوال یہ اجارہ فاسد ہے، مؤجر کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مستاجر سے ہر ماہ کے شروع میں دکان خالی کرنے یا کرایہ بڑھانے کا مطالبہ کرے ورنہ بصورتِ دیگر عقدِ اجارہ فسخ کر سکتا ہے، اس مطالبہ میں مستاجر کا لیت و لعل کرنا حرام ہے اور انکار کی صورت میں مستاجر پر مؤجر کا مطلوبہ کرایہ دینا لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: آجر حانوتاً كل شهر بكذا أجاز في شهر واحد وفسد في الباقي لجهالتها والأصل أنه متى دخل كل فيما لا يعرف منتهاه تعين أدناه وإذا مضى الشهر فلكل فسخها بشرط حضور الآخر لانتهاء العقد الصحيح۔

(رد المحتار ج ۶ ص [illegible] باب الإجارة الفاسدة) ؎

؎ قال العلامة ابن بزاز رحمه الله: آجر داره كل شهر بكذا ينعقد عند رأس كل شهر ولكل خيار الفسخ عند رأس كل شهر فلو أبرأ المستاجر من أجرة الأبد لا يصح إلا عن شهر واحد۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۵ ص [illegible] كتاب الإجارات، الفصل الثاني في صفتها)

ومثله في مجلة الأحكام، مادة [illegible] ص [illegible] الفصل الرابع في المسائل التي تتعلق بمدة الإجارة۔

طویل مدت کے لیے زمین اجارہ پر دینا جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی ذاتی مملوکہ اراضی کسی دوسرے شخص کو پچاس سال کے لیے اجارہ پر دے دی ہے کیا اپنی مملوکہ زمین طویل مدت کے لیے اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنی مملوکہ زمین طویل مدت کے لیے اجارہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ دیگر شرائط فاسدہ سے اجارہ خالی ہو خواہ اُجرت کم مقرر ہوئی ہو یا زیادہ۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: والمنافع تارة تصير معلومة بالمدة كاستيجار الدور للسكنى والارضين للزراعة فيصح العقد على مدة معلومة اي مدة كانت لان المدة اذا كانت معلومة كان قدر المنفعة فيها معلوماً اذا كانت المنفعة لا تتفاوت وقوله اي مدة كانت اشارة الى انه يجوز طالت المدة او قصرت لكونها معلومة۔ (الهداية ج۳ ص۲۹۳ كتاب الاجارات)[1]

معروف اُجرت پر اجارہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے ہاں تین مزدور پچاس روپے یومیہ کے حساب سے مزدوری کرتے ہیں چونکہ کام کے وقت میں صبح کے کھانے کا وقت ہوتا ہے اس لیے صبح کا کھانا ہمارے گھر سے ملتا ہے، درمیان میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا اب مزدوروں کا مطالبہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک میں صبح کا کھانا نہیں ملتا اس لیے ہمیں پچاس کے ساتھ مزید دیہاڑی ملنی چاہیے، تو کیا ان مزدوروں کا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ماہ رمضان المبارک میں یہ اُجرت بڑھانا وقت جانبین کی طرف سے مقرر ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ مقدار معروف ہو تو تب بھی درست ہے ورنہ بصورت دیگر یہ اجارۂ فاسدہ کے حکم میں ہے جو صحیح نہیں۔

---

[1] قال العلامة اكمل الدين البابرتي: ولا فرق بين طويل المدة وقصيرها عندنا اذا كانت بحيث يعيش اليها العاقدان لان الحاجة التي جوزت الاجارة لها قد تمس الى ذلك۔
(العناية على هامش فتح القدير ج۸ ص۹ كتاب الاجارات)
ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۳۱۱ كتاب الاجارات۔

لما قال الشيخ سليم رستم باز: لو استاجر احد اجيرا على ان يعمل يوما يعمل من طلوع الشمس الى العصر او الى المغرب على وفق عرف البلدة في شان العمل۔

(شرح مجلة الاحكام لسليم، مادة ۴۹۴ ص ۲۶۳ الكتاب الثاني في الاجارة الباب الرابع في المسائل التي تتعلق بمدة الاجارة)

مجہول الوقت کا عقدِ اجارہ

سوال:- ایک ملازم نے مالک مکان سے پانچ سو روپیہ کرایہ پر مکان لے لیا، چند ماہ بعد اس نے مالک مکان سے کہا کہ میں تین ماہ کی چھٹی پر اپنے گھر جا رہا ہوں، واپس آکر اس مکان کو دوبارہ کرایہ پر لوں گا اور ملازم اپنا سامان اسی مکان میں رکھ کر چلا گیا، اب ان دونوں کے درمیان تنازع پیدا ہو گیا ہے، مالک مکان کا موقف یہ ہے کہ چونکہ تمہارا سامان اسی مکان میں پڑا رہا ہے اور جاتے وقت تم نے عقد کو ختم بھی نہیں کیا تھا لہٰذا تمہیں ان تین ماہ کا کرایہ بھی ادا کرنا پڑے گا جبکہ ملازم کا کہنا ہے کہ چونکہ میں نے جاتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ واپس آکر نئے سرے سے کرایہ پر لوں گا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اجارہ ختم ہو گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا موقف درست ہے؟ نیز کیا ملازم (کرایہ دار) ان تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا شرعاً پابند ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ کے مطابق جب مدت کا تعین نہیں ہوا ہے صرف اتنا ہی کہا گیا ہے کہ ماہانہ کرایہ پانچ سو روپے ہو گا تو اس صورت میں کرایہ دار اور مالک مکان ہر ایک کو مہینہ کے اختتام پر ایک دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا جب ملازم نے واضح طور پر مالک مکان سے یہ کہہ دیا کہ چھٹیوں کے بعد واپس آکر میں اس مکان کو

---

۱ قال العلامة قاضيخانؒ: رجل استاجر اجيرا يوما ليعمل له كذا فهو ان كان العرف بينهم انهم يعملون من طلوع الشمس الى العصر فهو على ذلك وان كان العرف انهم يعملون من طلوع الشمس الى غروب الشمس فهو على ذلك وان كان العرف مشتركا فهو على طلوع الشمس الى غروبها اعتبارا للعرف۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية جـ۲ ص۳۳۲ كتاب الاجارة فصل في اجارة الدواب والقهرمان فيما يجب وفيما لا يجب)۔

ومثله في الفتاوى الهندية جـ۴ كتاب الاجارة الباب الثالث في الاوقات التي يقع عليها عقد الاجارة۔

دو یا دو کے بعد پر لوں گا تو یہ اجارہ ملازم کے گھر جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہے البتہ یہ ملازم ان تین ماہ کا کرایہ دینے کا پابند نہیں ہے۔[۱]

لما قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله: لو استؤجرت دار كل شهر بكذا من دون بيان عدد الاشهر يصح العقد في شهر واحد فقط ويفسد في بقية الشهور لجهالتها والاصل انه متى دخلت لفظة كل فيما لا يعرف منتهاه تنصرف الى الادنى لكن عند ختام الشهر الاول لكل من الآجر والمستأجر فسخ الاجارة في اليوم وليلته من الشهر الثاني الذي يليه۔
(شرح مجلة الاحكام سليم مادة ۴۹۴ ص ۲۸۲ كتاب الثاني في الاجارات باب الرابع الفصل الاول في تعيين مدة الاجارة)

گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینا

سوال: آجکل بعض دکاندار لوگ گاڑی والوں کو ٹائر کرایہ پر دیتے ہیں کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: اجارہ نام ہے کسی چیز کے منافع سے اجرت کے عوض فائدہ حاصل کرنا بشرطیکہ اس میں تمام شرائط اجارہ موجود ہوں، جیسے اگر صورت مسئولہ میں مدت اور کرایہ معلوم و متعین ہو تو گاڑیوں کے ٹائر کرایہ پر دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما في مجلة الاحكام: يشترط ان تكون الاجرة معلومة ـ يشترط في الاجارة ان تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعا للمنازعة۔ (شرح المجلة لرستم باز مادة ۴۵۰، ۴۵۱ ص ۲۵۹ الفصل الثالث في شروط صحة الاجارة)[۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن استأجر دارا كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور الا ان يسمي جملة الشهور معلومة۔
(الهداية ج ۳ ص ۳۰۲ كتاب الاجارات ـ باب الاجارة الفاسدة)
ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷ كتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة ـ

[۲] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله في شرح الطحاوي: عقد الاجارة لا يجوز الا بتبيين شيئين من الجانبين جميعا اما بيان المنفعة فباحدى معان ثلاثة بيان الوقت وهو الاجل وبيان العمل وبيان المكان۔ (خلاصة الفتاوى ج ۳ ص ۱۰۳ الفصل السادس في الاجارة)
ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۲ ص ۳۰۱ كتاب الاجارة ـ

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں بونے والے درختوں کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی سے اس کی مملوکہ زمین دس بارہ سال تک کاشت کرنے کے لیے اجارہ پر لے لی ہے۔ اب اسی زمین میں درخت بھی اُگ آئے تو کیا شرعاً یہ درخت مؤجر (مالک زمین) کے ہیں یا مستاجر (کاشتکار) کے؟

الجواب:۔ اگر یہ درخت مالکِ زمین نے لگائے ہوں اور خدمت کاشتکار نے کی ہو تو یہ درخت مالکِ زمین کے ہوں گے اور خدمت کرنے والے کو خدمت کا معاوضہ ملے گا اور اگر درخت اجارہ دار نے مالکِ زمین کی اجازت سے لگائے ہوں تب بھی یہی حکم ہے اور اگر بلا اجازتِ مالک لگائے ہوں تو درخت اجارہ دار کے ہوں گے اور مالکِ زمین کو زمین سے انتفاع کا اجرِ مثل دیا جائے گا۔

قال العلامة محمد كامل الطرابلسي رحمه الله: وقد اطال صاحب التنقيح الكلام في تحقيق هذه المسئلة قال فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه على وجه الغصب فان كانت الارض ملكاً اعدها ربها للزراعة اعتبر العرف في الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدها للايجار فالزرع كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شئ عليه۔ (فتاویٰ کاملیہ ص۲۹ كتاب الاجارة) ؎

اجارہ کردہ چیز کی مرمت کا خرچہ مستاجر کے ذمہ لگانے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں زمیندار زمین کی کاشت کے لیے زرعی مشینری اجارہ پر لیتے ہیں، مالکِ مشین اور زمیندار کے مابین طے ہوتا ہے کہ آمدنی کا تیسرا حصہ مالکِ مشین کا ہوگا اور اگر مشین خراب ہو جائے تو مرمت کا خرچہ زمیندار

؎ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: فالحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه ولو على وجه الغصب فان كانت الارض ملكاً واعدها ربها للزراعة اعتبر العرف في الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعدها للايجار فالزرع كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شئ عليه۔
(تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۴۲ كتاب الغصب)
ومثله في رد المحتار ج۵ ص۱۹ كتاب الاجارة۔

کے ذمہ ہوگا، تو کیا اس طرح کا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس قسم کا اجارہ دو وجوہ کی بناء پر فاسد ہے (۱) اس میں اجرت متعین نہیں ہے (۲) یہ کہ مشین کی مرمت مستاجر (زمیندار) کے ذمے لگائی گئی ہے اور اس شرط کا لگانا اجارہ کو فاسد کرتا ہے لہٰذا مستاجر پر اجر مسمّی واجب نہیں بلکہ اجر مثل واجب ہے بشرطیکہ اجر مثل مقرر کردہ کرایہ سے زیادہ نہ ہو ورنہ بصورت دیگر مقرر کردہ کرایہ لازم ہوگا۔

قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: ولو استاجر دارًا وحانوتًا سنة بمائة درهم على ان يرمها المستاجر كان على المستاجر اجر المثل بالغًا ما بلغ لانه لما شرط المرمة على المستاجر صارت المرمة من الاجر فيصير الاجر مجهولًا فقلنا اذا كان فساد الاجارة بحكم شرط فاسد ـ (الفتاوی قاضیخان ج۲ ص کتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة)[1]

تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑی تو تنخواہ نہیں ملے گی۔ اجارہ فاسد ہے

سوال: ایک شخص نے اس شرط پر نوکر رکھا کہ اگر تین ماہ سے قبل نوکری چھوڑ دے گا تو تنخواہ نہیں دوں گا، مگر اس شخص یعنی نوکر نے تین ماہ سے پہلے ہی نوکری چھوڑ دی تو کیا یہ شخص نوکری کے ایام کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: اجارہ میں اس قسم کی شرط لگانا صحیح نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں ان دونوں کا اجارہ فاسد ہے، اس لیے نوکر کو اجر مثل دیا جائے گا بشرطیکہ اجر مسمّی سے کم ہو۔

---

[1] قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمہ اللہ: سئلت عمن استاجر دارًا باجر مجهول هل تفسد الاجارة فالجواب نعم قال فی جامع الفصولین کل جهالة تفسد البیع تفسد الاجارة ويفسد بها العقد سواء كانت الجهالة في الاجرة والمدة او العمل استاجر عليه ويجب اجر المثل فی فاسدها ولا یجاوز بها المسمّی اذ لا یجاوز المسمّی وعلم الاجر او لایجب بالغًا ما بلغ فلو استاجر بيتا سنة بمائة على ان يرمها المستاجر فعليه اجر مثله بالغًا ما بلغ اذ المرمة لما شرطت على المستاجر صارت من الاجر فجهل الاجر. (الفتاوى الكاملية ص۱۹۹ كتاب الاجارة، مطلب تفسد الاجارة بجهالة الاجر)

ومثله في رد المحتار ج۵ ص۳۲ باب الاجارة الفاسدة۔

وفی الهندیة: وان شكا انها الی بغداد حتی اذا بلغته بغداد فلها اجر عشرة دراهم والا فلا شیء له فالاجارة فاسدة وعلیه اجر مثلها بقدر ما سار علیها۔
(الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۴۲ الفصل الثانی فیما یفسد العقد فیه لمکان الشرط) [۱]

اجارۂ فاسدہ کی ایک اور صورت

سوال:- ایک شخص اپنا تجارتی مال بذریعہ ٹرک بنوں سے لاہور لے جانا چاہتا ہے، ٹرک کے مالک اور مال والے کے درمیان معاہدہ اس طرح ہوا کہ ٹرک کے راستے میں ٹیکس والوں کو ادائیگی رقم کی ذمہ داری قبول کرنے پر دس ہزار روپیہ لیں گے ورنہ بصورت دیگر صرف پانچ ہزار روپے کرایہ کے لیں گے۔ کیا ایسا عقد اجارہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- یہ اجارہ فاسدہ ہے اور اجارۂ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ کرایہ میں اجرت مثل یعنی اجرت مروّج ہو وہ دی جائے گی اور جو کچھ طے ہوا ہے وہ نہ دیا جائے گا لیکن اگر مروّج زیادہ ہو اور فریقین کے درمیان طے شدہ اجرت کم ہو تو طے شدہ اجرت ہی دی جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وتفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضی العقد فكل ما افسد البیع مما مر یفسدها كجهالة مأجور او اجرة او مدة او عمل وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار او مغارمها وعشر او خراج او مؤنة۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۶/۴۷ باب الاجارة الفاسدة) [۲]

حیوان کو نصف پر رکھنا

سوال:- اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو گائے یا بھینس کا بچہ اس شرط پر دے کہ وہ اس کی تربیت کرے اور پالے پوسے اور جب وہ بڑا ہو جائے تو اسے فروخت کرکے قیمت آپس میں برابر برابر تقسیم کریں گے، کیا ایسا

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم: وان بلغت بغداد فله كذا والا فلا شیء له فهی فاسدة وعلیه اجر مثل ما سار علیها۔ (البحر الرائق ج۸ ص۲۱ باب الاجارة الفاسدة)
ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۳۱۳ باب الاجارة الفاسدة۔

[۲] وفی الهندیة: والاجارة تفسدها الشروط التی لا یقتضیها العقد كما اذا شرط علی الاجیر الخاص ضمان ما تلف بفعله الخ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۴۲ الفصل الثانی فیما یفسد العقد)
ومثله فی البحر الرائق ج۸ ص۲۱ باب الاجارة الفاسدة۔

عقد اجارہ کرنا شرعاً جائز ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب:۔ یہ اجارہ قفیز الطحان کے حکم میں ہے لہٰذا اس پر اجارۂ فاسدہ کا حکم لگایا جائے گا۔ لعدم تعیین الاجرۃ ولعدم تعیین المدۃ۔ یا تعیین کو چاہئے کہ مدت اور اجرت کی تعیین کریں اور مدت ختم ہونے کے بعد اجیر کو متعین قیمت کے عوض نصف گائے دی جائے۔

وفی الهندیة: دفع بقرة الی رجل علی ان یعلفها وما یکون من اللبن والسمن بینهما انصافاً فالاجارة فاسدة وعلی صاحب البقرة للرجل اجر قیامه وقیمة علفه ان علفها من علفه۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۴ ص۴۴۵ کتاب الاجارة۔ الفصل الثالث فی قفیز الطحان وما هو فی معناه) ؎۱

مزدوری میں زمین دینا

سوال:۔ کیا مزدور کو مزدوری کے عوض میں زمین دینا جائز ہے جبکہ عقد میں رقم دینا طے کیا گیا ہو؟

الجواب:۔ عقد اجارہ کی اجرت میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو مال متقوم ہو لہٰذا مزدور کو مزدوری میں زمین دینا جائز ہے اگرچہ ابتداء عقد میں رقم دینے کا معاہدہ ہی ہو چکا ہو۔

وفی الهندیة: وما صلح ان یکون ثمناً فی البیع کالنقود والمکیل والموزون صلح ان یکون اجرة فی الاجارة وما لا یصلح ثمناً لا یصلح اجرة۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۴ ص۴۱۲ کتاب الاجارة فی الباب الاول) ؎۲

؎۱ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی فتاوی النسفی رجل دفع بقرة الی رجل بالعلف مناصفة وهی التی بالفارسیة گاؤ نیم سود بان دفع علی ان ما یحصل من اللبن والسمن بینهما نصفان فهذا فاسد والحادث کله لصاحب البقرة والاجارة فاسدة۔
(خلاصة الفتاویٰ ج۳ ص۱۱۴ کتاب الاجارات: وما یتصل بهذا)
ومثله فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۵ ص۳۶ کتاب الاجارة، النوع الثالث فی الدواب۔

؎۲ قال العلامة خالد الاتاسیؒ: ما صلح بدلاً فی البیع یصلح بدلاً فی الاجارة۔
(مجلة الاحکام مادة ۴۶۳ ج۲ ص۲۲۷ فی بدل الاجارة)
ومثله فی البحر الرائق ج۷ ص۲۹۸ کتاب الاجارة۔

اجارہ میں زمیندار کو کاشت کی عام اجازت دینا

سوال:- اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی زمین بایں طور عقدِ اجارہ پر دیدے کہ آپ جو چاہیں اس میں کاشت کریں، تو کیا از روئے شرع ایسا عقد کرنا جائز ہے؟

الجواب:- عقدِ اجارہ میں اگرچہ فصل وغیرہ کا تعین کرنا ضروری ہے بدون تعین کے اجارہ فاسد ہوگا، لیکن اگر مؤجر نے مستاجر کو اس بات کی عام اجازت دی ہو کہ وہ جو چاہے اس میں کاشت کر سکتا ہے تو اس صورت میں شرعاً یہ اجارہ صحیح اور درست متصور ہوگا۔

وفی الهندیة: ولابد فی اجارة الاراضی من بیان مایستاجر له من الزراعة والغرس والبناء وغیر ذلك فان لم یبین كانت الاجارة فاسدة الا اذا جعل له ان ینتفع بما شاء هكذا فی البدائع۔ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۴۲ کتاب الاجارة۔ الباب الخامس عشر فی بیان مایجوز من الاجارة ومالا یجوز) [1]

اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر پر نہ ہو

سوال:- بعض علاقوں میں آج کل یہ رواج ہے کہ ایک آدمی کسی زمیندار سے نصف آمدن پر زمین اجارہ کرتا ہے اور پھر اس زمین کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ دو تہائی پر اجارہ کرتا ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اجارہ پر لی ہوئی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- مستاجر کے لیے اجارہ علی الاجارہ جائز ہے بشرطیکہ اپنے مؤجر کے ساتھ نہ ہو اور اُجرتِ اولیٰ یا اس سے کم پر ہوں اور اگر اجرتِ اولیٰ سے زیادہ پر ہو تو اضافی رقم کو فقراء پر تصدق کرے۔ ہاں دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں: اوّل یہ کہ اجارہ ثانیہ خلافِ جنس

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولا یصح العقد حتی یسمی مایزرع فیها لانها قد تستاجر للزراعة ولغیرها ومایزرع فیها متفاوت فلابد من التعیین کی لایقع المنازعة او یقول ان یزرع فیها ماشاء لانه لما فوض الخیرة الیه ارتفعت الجهالة المفضیة الی المنازعة۔ (الهدایة ج۳ ص۲۹۶ کتاب الاجارات باب مایجوز من الاجارة ومایکون خلافاً فیها)

ومثلهٗ فی فتاوی الکاملیة ص۱۹۱ کتاب الاجارة۔

پھر جو دوم یہ کہ مستاجر اجارہ کی ہوئی چیز کی اصلاح کرے، مثلاً اگر مکان ہو تو اس کی مرمت اور سفیدی وغیرہ کرے یا زمین ہو تو اس کا ناہموار وغیرہ کو ٹھیک کرے۔ ان دو صورتوں میں اجارۂ دوم اجارۂ اول سے زیادہ پر بھی جائز ہے۔

وفی الهندية: واذا استأجر دارا وقبضها ثم آجرها فانه يجوز ان آجرها بمثل ما استأجرها او اقل وان آجرها باكثر مما استاجرها فهی جائزة ايضا الا انه ان كانت الاجرة الثانية من جنس الاجرة الاولى فان الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها وان كانت من خلاف جنسها طابت له الزيادة ولو زاد فی الدار زيادة كما لو وتد فيها وتدا او حفر فيها بئرا او اصلح ابوابها او شيئا من حوائطها طابت له الزيادة۔ (الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۲۵ كتاب الاجارة الباب السابع فی اجارة المستاجر) [1]

مستاجر یا مؤجر کی موت سے اجارہ کا ختم ہونا

سوال:- اگر دو آدمیوں کے درمیان چند سالوں کے لیے کوئی عقد اجارہ ہو جائے لیکن اسی مدت کے اندر مؤجر یا مستاجر کی موت واقع ہو جائے تو کیا اس کے بعد بھی عقد اجارہ باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگر متعاقدین نے عقد اجارہ اپنے لیے کیا ہو تو دونوں میں کسی ایک کی موت واقع ہو جانے سے عقد اجارہ فسخ ہو جائے گا لہٰذا ان کے پسماندگان کیلئے عقد کی تجدید ضروری ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: واذا مات احد المتعاقدين وقد عقد الاجارة لنفسه انفسخت الاجارة۔ (النهاية ج۳ ص۳۱۲ كتاب الاجارة۔ باب فسخ الاجارة) [2]

---

[1] قال ابن عابدينؒ: (قوله ان يستأجر لعله يؤجره) ای المستاجر بمثل الاجرة الاولى او بانقص فلو باكثر تصدق بالفضل الا فی مسئلتين كما مر فی باب ما يجوز من الاجارة۔ (رد المحتار ج۵ ص۹ مطلب اجارة المستاجر...)

ومثله فی خلاصة الفتاوى ج۳ ص۱۲۵ كتاب الاجارات فی الجنس الثانی۔

[2] قال العلامة ابو البركات النسفیؒ: وتنفسخ بموت احد المتعاقدين ان عقدها لنفسه وان عقدها لغيره لا۔ (كنز الدقائق ص۳۱۲ كتاب الاجارة)

ومثله فی الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۸۴ كتاب الاجارة۔

جعلی سند پر بھرتی ہونے والے ملازم کی تنخواہ کا حکم

سوال: حکومت نے سکولوں میں دینیات پڑھانے کے لیے اساتذہ کی بھرتی کا اشتہار شائع کیا اور یہ شرط لگائی کہ امیدوار کسی دینی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو، اس پر ایک شخص نے کسی دینی مدرسے کے مہتمم کو پیسے دے کر اپنے نام کی جعلی سند لی اور انٹرویو کے دوران پیش کر کے بھرتی ہو گیا۔ تو کیا اس طرح بھرتی ہونے والے اس استاد کو حکومت کی طرف سے جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ اس کے لیے شرعاً حلال ہے یا حرام؟

الجواب: عقد اجارہ سے ملنے والی اجرت کی حلت کا دارومدار اس کام کا اہل ہونے پر ہے، لہٰذا مذکورہ شخص اگر مفوضہ ڈیوٹی کا اہل ہو تو تنخواہ حلال ہوگی ورنہ حرام، لیکن جعلسازی، رشوت دینے اور جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوگا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: وأما ركنها فهو الايجاب والقبول والارتباط بينهما، وأما شرط جوازها فثلاثة اشياء: اجر معلوم وعين معلوم وبدل معلوم، ومحاسنها دفع الحاجة بقليل المنفعة، وأما حكمها فوقوع الملك في البدلين ساعة فساعة۔

(البحر الرائق ج۸ ص۳ کتاب الاجارۃ) ؎

امام مسجد میں اہلیت نہ ہو تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے

سوال: ایک شخص کافی عرصے سے ایک مسجد کا امام چلا آ رہا ہے لیکن اب اس کے مقتدیوں میں سے بعض لوگ اسے امامت سے معزول کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد کی امامت اجارہ کے حکم میں ہے، اگر اجیر میں ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت نہ رہے تو اجارہ فسخ کرنا جائز ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي الفتاوى الصغرى رجل استأجر

؎ قال العلامة ابن البزازؒ: لا يجوز عقده حتى يعلم البدل والمنفعة وبيان المنفعة بأحد ثلاث: بيان الوقت وهو الأجل، وبيان العمل والمكان، وفي الأجر بيان القدر۔

(البزازية على هامش الهندية ج۵ ص۱۰ كتاب الاجارات)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۳ ص۱۰۳ كتاب الاجارة۔

نکاح خوانی پر اُجرت لینے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا نکاح پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح پڑھنے پر اُجرت لینا فقہاء کرام کے ہاں مختلف فیہ ہے چونکہ اس میں ایک گونہ تعلیم و تلقین بھی ہے اور تعلیم و تلقین پر اجرت لینا متفق بہ قول کے مطابق جائز ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس میں اجرت کے جواز کو قول راجح قرار دیا ہے لہٰذا بنا برایں نکاح پڑھنے پر اُجرت لینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة قاضیخانؒ: اختلف المشائخ فی الدلالة فی النکاح هل یکون لها الاجر قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضلؒ لا اجر لها لانه لا منفعة للزوج من کلامها بغیر عقد و انما منفعة الزوج فی العقد والعقد ما قام بها وقال غیره من مشائخ لها اجر مثلها لان معظم الامر فی النکاح یقوم بالدلالة فان النکاح لا یکون الا بمقدمات تکون من الدلالة فکان لها اجر مثل بمنزلة الدلال فی البیع فانه یستحق الاجر (الفتاوی قاضیخان ج۳ ص۳ باب الاجارة الفاسدة)[1]

اجیر خاص کو ڈیوٹی کے اوقات میں کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں

سوال:۔ زید ایک سکول ٹیچر ہے کیا وہ سکول ڈیوٹی کے دوران کسی قریبی مسجد میں امامت کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: سکول ٹیچر چونکہ اجیر خاص ہوتا ہے اور اجیر خاص کے لیے ڈیوٹی کے اوقات میں دوسری ملازمت کرنا جائز نہیں اور نہ اس کی تنخواہ سے بقدر غیر حاضری کے کٹوتی کی جائے گی۔ البتہ چھٹی یا تفریح کے وقت میں اگر وہ کوئی دوسرا کام کرنا چاہے تو بلاشک کر سکتا ہے، تاہم مذکورہ بالا صورت میں اگر اس کا عملی تدریس متاثر نہیں

---

[1] وفی الهندیة: الدلالة فی النکاح لا تستوجب الاجر وبه یفتی الفضل فی فتاواه وغیره من مشائخ زماننا کانوا یفتون بوجوب اجر المثل وبه یفتی کذا فی جواهر الاخلاطی۔
(الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر مشغولا بغیره)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۱۵ کتاب الاجارة۔

ہوتے ہوں تو امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وليس للخاص ان يعمل لغيره ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ باب ضمان الاجير)

اجیر خاص اپنا کام دوسرے آدمی سے نہیں کرا سکتا

سوال: زید ایک سکول میں ٹیچر ہے لیکن بجائے زید کے اس کا بھائی عمرو سکول میں ڈیوٹی دیتا ہے، تو کیا زید کا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید اجیر خاص ہے اور اجیر خاص شرعاً کسی دوسرے شخص سے اپنا کام نہیں کرا سکتا ورنہ کسی حادثہ کی صورت میں تمام تر ذمہ داری اس کی ہوگی، لہٰذا زید کے لیے ایسا کرنا ناجائز ہے۔

قال العلامة خالد الاتاسيؒ: الاجير الذي استوجب على ان يعمل بنفسه ليس له ان يستعمل غيره مثلاً لو اعطى احد جبة لخياط على ان يخيطها بنفسه بكذا دراهم فليس للخياط على ان يخيطها لغيره بل يلزم ان يخيطها بنفسه وان خاطها بغيره وتلفت فهو ضامن۔ (شرح مجلة الاحكام ج۲ ص۵۹۳ الفصل الرابع في اجارة الآدمي)[2]

اجیر خاص کا استحقاق

سوال: اگر کسی علاقے کے سرکاری سکول میں طلباء نہ ہوں اور وہاں اساتذہ کا تقرر ہو چکا ہو جبکہ اساتذہ طلباء کی عدم موجودگی کی وجہ سے سکول حاضر نہیں ہوتے تو کیا ان اساتذہ کو گورنمنٹ سے

---

[1] قال العلامة المرغينانيؒ: والثاني الاجير الوحد لانه لا يمكنه ان يعمل لغيره لان منافعه في المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا يبقى الاجر مستحقاً وان نقص العمل۔ (الهداية ج۳ ص۳۰۸ كتاب الاجارات باب ضمان الاجير)

ومثله في شرح مجلة الاحكام لسليم رستم مادة ۴۲۲ ص۲۳۸ الكتاب الثاني في الاجارة الباب الاول

[2] قال العلامة المرغينانيؒ: واذا شرط على الصانع ان يعمل بنفسه فليس له ان يستعمل غيره لان المعقود عليه اتصال العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمنفعة في محل بعينه۔ (الهداية ج۳ ص۲۹۶ كتاب الاجارات باب الاجر متى يستحق)

ومثله في العناية على هامش فتح القدير ج۸ ص۲۵

تنخواہ لینا جائز ہے؟

الجواب:۔ سکولوں کے اساتذہ اجیرِ خاص کے حکم میں ہوتے ہیں لہٰذا سکولوں میں باقاعدگی کے ساتھ حاضر ہونے کی وجہ سے ہی تنخواہ کے مستحق ہوں گے بصورتِ دیگر عدمِ حاضری کی وجہ سے تنخواہ لینے کے حقدار نہیں ہوں گے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ والاجير الخاص الذي يستحق الاجرة بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استؤجر شهرا للخدمة او لرعي الغنم۔

(الهداية ج۳ ص۳۰۹ كتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير) ۱

ملازم کے لیے مقررہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص فوج میں ملازم ہے عموماً عصر کی نماز کے وقت افسرانِ بالا کی جانب سے گراؤنڈ میں حاضر ہونے کا حکم ہوتا ہے جبکہ ایک طرف نماز باجماعت کی فضیلت اور دوسری جانب افسروں کا حکم ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو نماز عصر سے پہلے گراؤنڈ پہنچنے کا حکم ملتا ہے، اس صورت میں اگر چند فوجی جوان مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو عنداللہ گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

الجواب:۔ ایسے شخص کے لیے ڈیوٹی کے معین وقت پر پہنچنا ضروری ہے تاہم اگر مسجد کی جماعت نہ ملے تو چند افراد مل کر کمرے میں ہی جماعت سے نماز پڑھ لیں تو درست ہے لیکن فرض نماز چھوڑنا بھی جائز نہیں اور نہ ہی وقت سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ ملازم کو ڈیوٹی کے اوقات میں فرائض کے علاوہ دیگر امور میں مشغول رہنا صحیح نہیں ہے۔

وفي الهندية: وفي الفتاوى الفضلي رحمه الله:۔ اذا استأجر رجلا يوما يعمل كذا فعليه ان يعمل ذلك العمل في تمام المدة ولا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة

---

۱ قال العلامة ابو البركات النسفي رحمه الله:۔ والخاص يستحق الاجر بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استؤجر شهرا للخدمة او لرعي الغنم۔

(كنز الدقائق ص۳۱۴ كتاب الاجارات۔ باب ضمان الاجير)

ومثله في الجوهرة النيرة ج۱ ص۲۷۳ كتاب الاجارة۔

وفی فتاوی اهل سمرقند وقد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ ان یؤدی السنة ایضاً واتفقوا انه لا یؤدی نفلاً وعلیه الفتوی کذا فی الذخیرة۔ (فتاوی الهندیة ج۴ ص۴۱۸ کتاب الاجارة، الباب الثالث فی الاوقات التی یقع علیها عقد الاجارة) ملہ

مال چوری ہونے کی صورت میں اجیرِ خاص پر ضمان کا حکم

سوال: زید ایک دکان کا مالک ہے اور دکان کا کاروبار چلانے کیلئے اس نے ایک منشی رکھا ہوا ہے، منشی سے کسی نے دھوکے سے مال چوری کر لیا تو کیا منشی چوری ہونے والے مال کا ضامن ہوگا یا کہ زید یہ نقصان برداشت کرے گا؟

الجواب: اجیرِ خاص کے ہاتھوں میں مال بحکمِ امانت ہے اور چوری کی صورت میں امین پر ضمان نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چوری ہونے والے مال کا منشی ضامن نہیں ہے بلکہ اس کا بوجھ زید پر ہے، تاہم اگر اس چوری میں منشی ملوث ہو تو ضمان لیا جائے گا۔

قال العلامة خالد الاتاسیؒ: والاجیر الخاص امین حتیٰ انه لا یضمن المال الذی تلف فی یده بغیر صنعه وکذا لا یضمن المال الذی تلف بعمله بلا تعدٍ ایضاً۔

(مجلة الاحکام، مادة ۶۱۰ ص۲۴۹ الفصل الثالث فی ضمان الاجیر) ملہ

ملہ قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله ولیس للخاص ان یعمل لغیره) بل ولا ان یصلی النافلة قال فی التاتارخانیة وفی فتاوی الفضل واذا استاجر رجلا یوماً یعمل کذا فعلیه ان یعمل ذلک العمل الی تمام المدة ولا یشتغل بشئ آخر سوی المکتوبة وفی فتاوی سمرقند وقد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ انه ان یؤدی السنة ایضاً واتفقوا انه لا یؤدی نفلاً وعلیه الفتوی۔ (رد المحتار ج۶ ص۷۰ باب ضمان الاجیر، مطلب لیس للاجیر الخاص ان یصلی النافلة)

ومثله فی مجلة الاحکام مادة ۴۲۵ ص۱۲۰ کتاب الاجارة، فی بیان مسائل ایجار الآدمی، ومثله فی ...

۲ قال العلامة ابن عابدینؒ: قال فی جامع الفصولین استؤجر رجل لحفظ خان او حوانیت فضاع منها شئ قیل ضمن عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ لو ضاع من خارج الحجرة لانه اجیر مشترک وقیل لا فی الصحیح وبه یفتی لانه اجیر خاص۔

(رد المحتار ج۶ ص۷۱ باب ضمان الاجیر، مطلب فی الحارس والخانی)

ومثله فی الهدایة ج۳ ص۳۱۰ کتاب الاجارات، باب ضمان الاجیر۔

ٹیوب ویل کا پانی اجارہ پر دینے کا حکم

سوال:- اگر ٹیوب ویل کے مالک اور مالک زمین کے درمیان اس شرط پر عقد ہو جائے کہ مالک زمین اپنی زمین کے لیے پانی کے عوض ٹیوب ویل کے مالک کو پچاس روپے فی گھنٹہ دے گا، تو کیا ایسا عقد شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں مدت اور اجرت دونوں متعین ہے اور جب اجرت اور مدت متعین ہو تو ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی لہٰذا ایسا معاملہ کرنا درست ہے۔

قال العلامة ابن بزاز الکردری: ولا یجوز عقدها حتی یعلم البدل والمنفعة وبیان المنفعة باحد ثلاث بیان الوقت وهو الاجل وبیان العمل والمکان فالاجر بیانه النقد وهو علی غالب نقد البلد۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۵ کتاب الاجارات الاول فی المقدمة) [1]

دینی مدارس کے لیے کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں

سوال:- بعض دینی مدارس کے مہتمم حضرات کسی شخص کو چندہ کے لیے بھیج دیتے ہیں جبکہ ان کے درمیان یہ طے ہوتا ہے کہ جمع ہونے والے چندہ میں سے تیسرا حصہ اس سفیر کو ملے گا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- عقد اجارہ میں یہ ضروری ہے کہ اجرت متعین ہو جبکہ صورت مسئولہ کے عقد اجارہ میں اجرت متعین نہیں اس لیے یہ عقد فاسد ہے،
البتہ سفیر کو مدرسہ میں ملازم رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کی جائے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: فی شرح الطحاوی عقد الاجارة لایجوز الا ان یبین البدل من الجانبین جمیعا اما بیان المنفعة فباحدی معان ثلاثة بیان الوقت وهو الاجل وبیان العمل وبیان المکان اما الاجرة ان کان دراهم او دنانیر فالشرط بیان القدر۔
(خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۱۱ کتاب الاجارات الفصل الاول فی المقدمة۔ طبع)
ومثله فی مجلة الاحکام، مادة ۴۵۰، ص۲۵۴ الفصل الثالث فی شروط صحة الاجارة۔

لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع مما مر یفسدها کجہالۃ ماجور واجرۃ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۶ باب الاجارۃ الفاسدۃ) ۔

سوال بمدارس میں ایک معروف

مدرسین دینی و عصری مدارس کیلئے چھٹیوں کی تنخواہ لینا جائز ہے

عرف ہے کہ مدرسین حضرات شعبان کے شروع سے لے کر شوال کے آخر تک چھٹیوں پر ہوتے ہیں، اس کے علاوہ سال کے درمیان میں بھی کبھی تو با اجازت مہتمم اور کبھی بغیر اجازت کے چھٹی کر لیتے ہیں لیکن اس کے باوجود مہتمین حضرات ان کو باقاعدہ تنخواہ دیتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایام تعطیلات ایام عمل کے تابع ہوتے ہیں اس لیے چھٹیوں کی تنخواہ لینا ناجائز نہیں ہے، جب مدرسہ کے مہتمم اور معطین کے درمیان شرائط طے شدہ ہوں تو دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے لیکن اس میں معطین چندہ کی اجازت قولاً یا حالاً ضروری ہے اس لیے کہ مہتمین حضرات ان معطین کے وکیل ہوتے ہیں اور اگر معطین کی اجازت و رضا نہ ہو تو مہتمم اپنے گھر سے تنخواہ دے گا۔ البتہ بیماری، عیدین اور دوسری ضروریات کی چھٹیوں کے بارے میں اگر مدرسہ کا کوئی مدون قانون ہو تو اس پر عمل درآمد ہوگا ورنہ جو عمل اور دیگر اہل مدارس کے نزدیک معروف ہو اس پر عمل ہوگا اور معروف یہ ہے کہ اساتذہ سے چھٹیوں کی تنخواہ نہیں کاٹی جاتی، تاہم جانبین پر لازم ہے کہ تنخواہ دیتے اور لیتے وقت اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: ومنہا البطالۃ فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشوراء

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وقد ضبطہا الشیخ ابو الحسن الکرخیؒ فی مختصرہ فقال: ان کان ما وقع علیہ عقد الاجارۃ مجہولاً فی نفسہ او فی اجرۃ او فی مدۃ الاجارۃ او فی العمل المستاجر علیہ فالاجارۃ فاسدۃ وکل جہالۃ تدخل فی البیع تفسدہ من جہۃ الجہالۃ فکذلک ہی فی الاجارۃ۔ اھ

(البحر الرائق ج۸ ص۲۱ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ومثلہ فی فتاویٰ قاضیخان ص۴۱۲ کتاب الاجارۃ۔

وشهر رمضان في درس الفقه لمدارسها صريحة في كلامهم والمسئلة بحالها وجهين نادرًا كانت مشروطة لم يسقط من المعلوم شيء والا فينبغي ان يلحق ببطالة القاضي و قد اختلفوا في اخذ القاضي ما رتب من بيت المال في يوم بطالته.

(الاشباه والنظائر ص۹۵) ـه

مسلمان کا کفار کے ساتھ نوکری کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل ترکستان، امریکہ، برطانیہ اور جاپان وغیرہ ممالک میں نوکری کی غرض سے جاتے ہیں اور وہاں کافروں کے ساتھ نوکری کرتے ہیں، ایا کسی مسلمان کو کفار کے ساتھ نوکری کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مسلمان کی عزت وعظمت کا بہت خیال رکھا ہے، اس لئے مسلمانوں کو بھی اپنی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہیئے، اس بناء پر جس نوکری میں ایک مسلمان کی تذلیل وتحقیر ہوتی ہو تو وہ اس کو نہیں کرنی چاہیئے، لیکن اگر ایک مسلمان کو کسی کافر کے ہاں کوئی ایسی نوکری ملتی ہو جس میں اس کی اہانت اور ذلت نہ ہوتی ہو تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اگرچہ خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

قال العلامة ابوبكر الكاساني: ولو استأجر الذمي مسلما ليخدمه ذكر في الاصل انه يجوز واكره للمسلم خدمة الذمي لان الخدمة فيها استخدام واستذلال فكان اجارة المسلم نفسه منه اذلالا لنفسه وليس للمسلم ان يذل نفسه خصوصا بخدمة الكافر. (بدائع الصنائع ج۴ ص۱۸۹ فصل واما شرائط الركن) ـه

له قال ابن عابدين: حيث كانت البطالة في يوم الثلاثاء والجمعة وفي رمضان والعيدين يحل الاخذ، وكذا لو بطل في يوم غير معتاد لتحرير درس الا اذا نص الواقف على تقييد الدفع باليوم الذي يدرس فيه. قال الفقيه ابو الليث من يأخذ الاجر من طلبة العلم في يوم لا درس فيه ارجو ان يكون جائزا. (رد المحتار ج۴ ص۳۷۲ كتاب الوقف)

ومثله في شرح المجلة لرستم باز: المادة ۴۲۵ ص۲۴۲ الفصل الرابع في اجارة الآدمي)

له قال العلامة قاضيخان: مسلم آجر نفسه من نصراني ان استأجره لعمل غير الخدمة جاز، وان آجر نفسه للخدمة قال الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل لا يجوز، وذكر في الاصل انه يجوز ويكره له خدمة الكافر. (الفتاوى قاضيخان ج۳ ص۳ كتاب الاجارات)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۳ ص۱۴۹ كتاب الاجارات الفصل العاشر في الخطر والاباحة.

ن من السحت عسب التیس ومهر البغی ولانه عمل لا یقدر علیه وهو الاحبال فلا یجوز اخذ الأجرة علیه ولان اخذ المال بمقابلة الماء وهو نجس لا قیمة له فلا یجوز والمراد هنا استیجار التیس لینزو علی الغنم ویحبلها باجر.

(البحر الرائق ج ۸ ص۲۰ باب الاجارة الفاسدة)[1]

فوٹوگرافی پر اجرت لینا

سوال:- فوٹوگرافی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی بھی جاندار کی تصویر بنانا یا بنوانا سخت گناہ کا کام ہے، البتہ ضرورت (یعنی عمرہ یا حج کے لیے پاسپورٹ وغیرہ بنوانے کے لیے) کے موقع پر رخصت ہے مگر پھر بھی اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله:- ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاهی لانه استیجار علی المعصیة والمعصیة لا تستحق بالعقد۔

(الهدایة ج ۳ ص ۳۰۳ کتاب الاجارات)[2]

قلنگ وصول کرنا

سوال:- بعض علاقوں میں مال مویشی والے لوگ کسی پہاڑ یا زمین پر جاکر قیام کرتے ہیں اور اپنے مویشیوں کو چراتے ہیں جبکہ گاؤں والے یا مالکان اراضی "قلنگ" کے نام سے کچھ رقم ان سے وصول کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر قلنگ خود رو گھاس کا معاوضہ ہے تو پھر جائز نہیں کیونکہ اس میں مالک کی محنت کو کوئی دخل نہیں، اور اگر مذکورہ زمین یا پہاڑ پر رہائش اور قیام کرنے کا معاوضہ ہو تو باقاعدہ عقد اجارہ کی صورت میں یہ مال جائز رہے گا۔

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله لا تجوز الاجارة لعسب التیس) لانه عمل لا یقدر علیه وهو الاحبال۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۵۵ مطلب فی الاستیجار علی المعاصی)

ومثله فی الهدایة ج ۳ ص ۳۰۳ کتاب الاجارات۔

[2] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: ولا یجوز علی الغناء والنوح والملاهی۔

(کنز الدقائق ص ۳۳۳ کتاب الاجارات)

ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۵۵ مطلب فی الاستیجار علی المعاصی۔

ما قال العلامة ابن عابدینؒ: وتصح اجارۃ ارض للبناء والغرس وسائر الانتفاعات كطبخ آجر وخزف ومقيل ومراح واشتين مكان القيلولة والمراح بالضم مأوى الماشية حتى تلزم الاجرة بالتسليم امكن زراعتها ام لا۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲ باب ما يجوز من الاجارة وما يكون خلافا فيها)؎1

بینک کی چوکیداری کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا بینک کی چوکیداری کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بینکوں کا موجودہ نظام اگرچہ سودی نظام ہے جو شرعاً ممنوع ہے مگر چوکیداری کا تعلق چونکہ براہ راست بینک کے سودی معاملات سے نہیں ہے اس لیے بینک کی چوکیداری میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر ہو سکے تو اجتناب ہی کیا جائے۔

وفی الهندية: مسلم آجر من مجوسي ليوقد النار لا بأس به كذا في الخلاصة۔ (الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع في فساد الاجارة اذا كان المستأجر مسلماً)؎2

بینک کی ملازمت کرنا

سوال:۔ کیا بینک کی ملازمت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ آجکل اکثر بینکوں میں سودی کاروبار کا طریقہ رائج ہے جبکہ قرآن وسنت میں سود کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں اور سودی معاملات کے لکھنے لکھوانے اور شہادت دینے والوں کو بھی سود خوروں کے برابر قرار دیا ہے اس بناء پر بینک کا ملازم یا تو کاتبین میں سے ہوگا یا شاہدوں میں سے ہوگا جو کہ لعنت کے زمرے میں

؎1 قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: فاذا عرفت ذلك ظهر لك صحة الاجارات الواقعة في زماننا من ان يستأجر الارض مقيلاً ومراحاً قاصداً بذلك لزوم الاجرة للتمكن منه مطلقاً سواء شملها الماء وامكن زراعتها ام لا۔ (البحر الرائق ج۷ ص۳۰۵ باب ما يجوز من الاجارة وما يكون خلافا فيها)

ومثله في شرح مجلة الاحكام، تحت المادة ۴۲۷ ص۲۴۱ الباب الرابع في مسائل ... الاجارة۔

؎2 قال العلامة سراج الدين: آجر نفسه من مجوسي ليوقد له النار لا بأس۔ (فتاوى سراجية على هامش قاضيخان ج۲ ص۱۱۶ كتاب الاجارة، باب ما يكره من الاجارة وما لا يكره)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۳ ص۱۲۶ كتاب الاجارة الفصل العاشر في الحظر والاباحة۔

دخل ہے اس لیے بینک کی ملازمت سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما ورد فی الحدیث: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربوا وموکلہ قال قلت وکاتبہ وشاھدیہ قال انما نحدث بما سمعنا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷ باب الربوا) ؎۱

خلافِ شرع کام کرنے کی اُجرت لینا

سوال:- کیا حجامت کا پیشہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں داڑھی کو مونڈنے اور انگریزی طرز کے بال بنانے پڑتے ہیں اور اس پر اجرت بھی لی جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:- حجامت کا پیشہ اختیار کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں البتہ سر کے بال خلافِ شرع بنانا اور داڑھی مونڈنا گناہ ہے اور گناہ کے کام پر اجرت لینا ناجائز ہے، لہٰذا اس قسم کے ناجائز کاموں سے پرہیز کیا جائے۔

قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاری: ولا یجوز الاستیجار علی شیء من الغناء والنوح والمزامیر۔ (خلاصة الفتاوی ج ۳ ص ۱۱۶ کتاب الاجارات جنس آخر فی الاستیجار) ؎۲

تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:- اگر برکت، بیماری سے شفا یا کسی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے قرآن مجید کی کوئی آیت لکھ کر تعویذ بنا دیا جائے تو کیا اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذات پر اُجرت لینا جائز ہے بشرطیکہ تعویذ خلافِ شرع امور کے لیے نہ ہو۔

؎۱ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ قال قلت وکاتبہ وشاھدیہ قال انما نحدث بما سمعنا وقال ہم سواء۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۲ ص ۲۴۴ باب الربوا)
ومثلہ فی صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۱ کتاب اللباس باب من لعن المصور۔

؎۲ قال العلامة المرغینانی: ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاہی لانہ استیجار علی المعصیة والمعصیة لا تستحق بالعقد۔ (الهداية ج ۳ ص ۳۰۱ باب الاجارة الفاسدة)
ومثلہ فی رد المحتار ج ۶ ص ۵۵ باب الاجارة الفاسدة۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : لان المتقدمین المانعین الاستئجار مطلقاً جوزوا الرقیة بالاجرة ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحاوی لانها لیست عبادة محضة بل من التداوی۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۵۷ باب الاجارة الفاسدة مطلب تحریر فی عدم جواز الاستئجار الخ)[۱]

دلالی کی اجرت لینا جائز ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل کاروباری طور پر دلالی کا رواج بہت زیادہ ہے اور اس پر اجرت بھی لی جاتی ہے، تو کیا دلالی کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دلالی پر اجرت لینا اگرچہ فقہاء کے نزدیک مختلف فیہ ہے مگر ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے قولِ جواز پر فتویٰ دیا گیا ہے بشرطیکہ اجرت متعین ہو اور دیگر مفاسد سے خالی ہو۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : وفی الدلال والسمسار یجب اجر المثل وما تواضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذا فذاك حرام علیهم۔ وفی الحاوی سئل محمد بن سلمة عن اجرة السمسار فقال ارجو انه لا بأس به وان کان فی الاصل فاسداً لکثرة التعامل وکثیر من هذا غیر جائز فجوزوہ لحاجة الناس الیه کدخول الحمام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۶۳ باب الاجارة الفاسدة۔ مطلب فی اجرة الدلال)۔[۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ : واما حدیث الرهط الذین رقوا اللدیغ بالفاتحة واخذوا الجعل فسألوا النبی صلی الله علیه وسلم فقال احق ما اخذتم علیه اجراً کتاب الله فمعناہ اذا رقیتم به کما نقله العینی فی شرح البخاری عن بعض مشائخنا وقال ان الرقیة بالقرآن لیست بقربة ای لان المقصود بها الاستشفاء دون الثواب۔
(تنقیح الحامدیة ج ۲ ص ۱۳۹ کتاب الاجارة)
(ومثله فی صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۵۴ باب الرقی بالقرآن والمعوذات)

[۲] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : وفی الاصل اجرة السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فیه الوقت ولا مقدار لما یستحق بالعقد لکن للناس فیه حاجة جاز وان کان فی الاصل فاسداً۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۱۵ کتاب الاجارات جنس اخر فی المتفرقات)
(ومثله فی الاشباہ والنظائر ج ۳ ص ۳ کتاب الاجارات۔)

ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے

سوال:- سکولوں کے اساتذہ نے حکومت کو اپنے کچھ مطالبات پیش کیے لیکن حکومت نے ان کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا، بار بار کی یاددہانی کے باوجود بھی حکومت نے نہ مانا تو اساتذہ مجبور ہو کر ہڑتال کر دی اور طالب علموں کو پڑھانا چھوڑ دیا لیکن خود سکولوں میں باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے، تو کیا ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- چونکہ جمہوری حکومتوں میں ملازمین کو ہڑتال کرنے کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ان ہڑتالی اساتذہ کے لیے ہڑتال کے دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے، نیز اساتذہ چونکہ اجیر خاص کے حکم میں ہوتے ہیں اور اجیر صرف حاضری دینے سے بھی تنخواہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

قال العلامة خالد الاتاسیؒ: لو استوجر استاذ لتعلیم علم او صنعة وسمیت الاجرة فان ذکرت مدة انعقدت الاجارة صحیحة علی المدة حتی ان الاستاذ یستحق الاجر بوجوده حاضراً مهیئاً للتعلیم تعلم التلمیذ او لم یتعلم۔ (مجلة الاحکام، مادہ ۵۹۶ ص ۲۲۵ کتاب الاجارة۔ الفصل الرابع فی اجارة الآدمی)[1]

مریض کی تشخیص کرنے پر ڈاکٹروں کی فیس کا حکم

سوال:- آجکل پرائیویٹ ہسپتالوں کی بہتات ہے جہاں ڈاکٹر حضرات مریض کی صرف تشخیص کی بھاری فیس لیتے ہیں، کیا مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا بھاری فیس لینا جائز ہے؟

الجواب:- مریض کی تشخیص پر ڈاکٹروں کا فیس لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة خیر الدین الرملیؒ: سئل فی رجل داء فی انفه اتفق مع طبیب علی

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وهو الموافق لتصریح المتون بانه یستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل۔ (ردالمحتار ج۶ ص۶۹ باب ضمان الاجیر۔ مطلب لیس للاجیر الخاص ان یصلی النافلة)

ومثله فی الفتاوی الکاملیة ص۱۹۵ کتاب الاجارہ۔ مطلب فی الاجیر الخاص۔

مداواته وجعل له اجرة ولم یضرب لذلک مدة وداواه فما الحکم (الجواب) للطبیب اجرة مثله وما انفق فی ثمن الادویة لفساد الاجارة علی الوجه المذکور۔

(فتاوی خیریة علی هامش تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۰۲ کتاب الاجارة) ؎۱

اجارہ پر لی ہوئی زمین میں افیون کاشت کرنا

سوال:- ایک شخص نے کسی کو اپنی زمین اجارہ پر دیدی، مستاجر نے اس میں افیون کاشت کر دی، تو کیا اس پر اجرت لینا جائز ہے؟

الجواب:- صورت مسئولہ کے مطابق اس طرح زمین پر اجرت لینا حرام نہیں ہے جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے واضح ہے کیونکہ مالک زمین نے ارتکاب معصیت کے لیے زمین تو نہیں دی ہے جبکہ افیون کی ایک خاص مقدار کا ادویات میں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: ولا بأس للمسلم ان یؤاجر داره من ذمی لیسکنها وان شرب فیها الخمر او عبد فیها الصلیب او ادخل فیها الخنازیر فذلک لا یلحق المسلم۔ (فتاوی قاضی خان مع هندیة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الاجارات، باب الاجارة الفاسدة) ؎۲

عذر کی صورت میں اجارہ فسخ کرنا

سوال:- مستاجر یا موجر میں سے اگر کوئی اجارہ فسخ کرنا چاہے تو شرعاً اس کی کیا تفصیل ہے؟

؎۱ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: سئل فی رجل به داء فی ظهره اتفق مع طبیب علی مداواته وجعل له اجرة ولم یضرب له مدة وداواه ویرید الطبیب اجرة مثله وما انفقه فی ثمن الادویة فهل له ذلک (الجواب) نعم والمسئلة فی الخیریة من الاجارة۔

(تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۰۱،۱۰۲ کتاب الاجارة)

ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۸۱ باب فسخ الاجارة۔ مطلب فسق المستاجر لیس عذراً فی فسخ.

؎۲ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: واذا استاجر الذمی من المسلم دارًا لیسکنها فلا بأس به وان شرب الخمر او عبد فیه الصلیب لم یلحق المسلم شیئ کما لو اجر داره من فاسق یعصی الله فیها (خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۴۲ کتاب الاجارات۔ الفصل العاشر فی الحظر والاباحة)

ومثله فی الهندیة ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا کان المستاجر ...الخ

الجواب:۔ مؤجر یا مستاجر میں سے کسی ایک کو بھی اگر واقعتاً عذر پیش آئے تو وہ یکطرفہ طور پر اجارہ فسخ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے باربرداری کے لیے جانور کرایہ پر لیا تھا پھر اس کی آنکھیں ضائع ہوگئیں جس کی وجہ سے وہ جانور بیکار ہوگیا تو اس صورت میں بھی مستاجر اجارہ فسخ کرسکتا ہے۔

وفی الہندیۃ: واذا تحقق العذر ومست الحاجۃ الی النقض هل ینفرد صاحب العذر بالنقض او یحتاج الی القضاء والرضاء اختلفت الروایات فیه والصحیح ان العذر اذا کان ظاهرا ینفرد وان کان مشتبها لا ینفرد کذا فی فتاویٰ قاضی خان۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۴ ص۴۶۰ کتاب الاجارۃ۔ الباب التاسع عشر فی فسخ الاجارۃ بالعذر) ۔ [له]

نااہلی اجارہ فسخ کرنے کیلئے عذر ہے

سوال:۔ کسی مدرسہ کا مہتمم اپنے ایک مدرس کو تعلیمی سال کے درمیان میں اس وجہ سے فارغ کرنا چاہتا ہے کہ تمہاری پڑھائی سے طلباء مطمئن نہیں ہیں جبکہ مدرس کا کہنا ہے کہ مہتمم خود یا دوسرے مدرسین میرے درس میں آکر دیکھیں اگر واقعتاً وہ میری تدریس میں نقص محسوس کریں تو بے شک مہتمم صاحب مجھے تدریس سے فارغ کردیں ورنہ بصورت دیگر میری بے عزتی ہے، اندریں اس قضیہ میں آپ کا فیصلہ ہے مستفید فرمائیں مہربانی ہوگی؟

الجواب:۔ اگر مدرس واقعی تدریس کرنے کا اہل نہ ہو تو مہتمم مدرسہ کو اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہے تاہم اس میں صرف مہتمم کے بیان کا اعتبار نہیں ہے کہ مدرس تدریس کی اہلیت نہیں رکھتا، اس میں مدرس کی بات معقول نظر آتی ہے کہ خود مہتمم صاحب میری اہلیت کا جائزہ لیں یا کسی دوسرے مدرس سے فیصلہ کروائیں، عام مدارس کے قواعد وضوابط کی روشنی میں کسی مدرس کو دوران سال فارغ کرنا مروت کے خلاف ہے۔

وفی الہندیۃ: اذا استاجر استاذا لیعلمه هذا العمل فی بعض السنة فمضی نصف سنة فلم

[له] قال العلامة ابن نجیم: الاجارۃ عقد لازم لا تنفسخ بغیر عذر الخ ... وقعت علی استهلاک [illegible] کتاب [illegible] فلصاحب الورق فسخها بلا عذر۔ (الاشباه والنظائر ج۲ ص۱۱۲ کتاب الاجارۃ)

ومثله فی خلاصۃ الفتاویٰ علی هامش الہندیۃ ج۴ ص۱۳۳ کتاب الاجارۃ، فصل فیما ینتقض به الاجارۃ وما لا ینتقض بها۔

یعلم شیئاً فللمستاجر ان یفسخ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۴ ص... کتاب الاجارۃ الباب الثانی عشر فی فسخ الاجارۃ بالعذر) لہ

اجارہ پر دی ہوئی چیز کی بیع موقوف ہے

سوال:- زید نے ایک دکان جو کہ دو بھائیوں کی ملکیت ہے دس سال کیلئے اجارہ پر لی ہے اور سارا کرایہ پیشگی ادا کر دیا ہے اور فریقین کے مابین یہ شرط طے پائی ہے کہ ان دس سالوں کے درمیان مالک دکان نہ تو دکان فروخت کریں گے اور نہ ہی رہن پر دیں گے لیکن پانچ سال کے بعد ایک بھائی نے اپنا نصف حصہ زبیر کے ہاتھ فروخت کر دیا اب زبیر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ چونکہ طے شدہ دس سال کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اب نئے سرے سے دوبارہ معاہدہ ہوگا اور مجھے آٹھ ہزار سالانہ کرایہ دو گے، تو کیا اس طرح زبیر کو معاہدہ اول فسخ کرنے اور کرایہ بڑھانے کا شرعاً حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ کے مطابق مالک دوکان کی بیع نافذ ہے لیکن دس سال ختم ہونے سے پہلے نہ تو مشتری اس پر قبضہ کر سکتا ہے اور نہ ہی مالک دوکان کرایہ دار کو نکال سکتا ہے اسی طرح از سر نو کرایہ بڑھانے کا مطالبہ کرنا بھی بے جا ہے۔ البتہ دس سال پورا ہونے کے بعد بیع بھی نافذ العمل ہوگی اور کرایہ بھی بڑھایا جا سکے گا۔

قال العلامۃ خالد الاتاسیؒ: لو باع الآجر المأجور بدون اذن المستاجر کان البیع نافذاً بین البائع والمشتری وان لم یکن نافذاً فی حق المستاجر حتی انہ بعد انقضاء مدۃ الاجارۃ یلزم البیع فی حق المشتری ولیس لہ الامتناع عن اخذ المبیع الا اذا طلب تسلیمہ لہ من البائع قبل انقضاء مدۃ الاجارۃ الخ۔ (شرح المجلۃ الاحکام ج۲ ص... الفصل الثانی فی تصرف العاقدین فی الاجرۃ بعد العقد) ؎۲

لہ قال العلامۃ ابن بزازؒ: استاجر معلماً لیعلم ولدہ القرآن والحرفۃ فی سنۃ فمضت ستۃ اشہر ولم یعلم شیئاً لہ فسخ الاجارۃ۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۵ ص۳۹ کتاب الاجارۃ۔ نوع فی تعلیم القرآن والحرف)

ومثلہ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۲۹ کتاب الاجارۃ۔

؎۲ قال العلامۃ محمد کامل الطرابلسیؒ: سئلت عن مستاجر دار ثم باعہا الآجر حتی تبطل الاجارۃ بہذا البیع قبل ورود رفع الحنفیۃ علیٰ مثل ہذا السؤال فاجاب بما نصہ لا یبطل الاجارۃ بہذا البیع بل یبقیٰ وحکم البیع انہ موقوف یعمل نافذ ولیس للمشتری فسخہ والمشتری بالخیار ان علم او لم یعلم فی الاصح۔ وفی الثانیۃ یتوقف علی الاجازۃ المستاجر فی اصح الروایات۔

(فتاویٰ کاملیہ ص۱۹۳ کتاب الاجارہ مطلب استاجر دارا ثم باعہا کان البیع موقوفاً)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۳ ص۱۴۲ کتاب الاجارات۔

میوزک سنٹر کے لیے دوکان کرایہ پر دینے کا حکم

سوال :۔ آجکل اکثر مارکیٹوں میں میوزک سنٹروں کے لیے مخصوص دوکانیں بنائی جاتی ہیں اور پھر کرایہ پر دی جاتی ہیں، کیا یہ کرایہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ معاصی کے امور کے لیے مکان یا دوکان کرایہ پر دینے میں چونکہ گناہ میں اجیر بذاتِ خود شریک نہیں اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکان یا دوکان کے اجارہ لینے میں کوئی قباحت نہیں جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اجارہ قبیح ہے تاہم چونکہ اس میں تعاون علی الاثم کا ایک گونہ ہونا موجود ہے اس لیے اس قسم کے افعالِ قبیحہ کے لیے مکان یا دوکان کو اجارہ (کرایہ) پر دینا کراہت سے خالی نہیں۔

وفی الهندية : ولو استأجر الذمی من المسلم داراً يسكنها فلا بأس بذلك وان شرب فيها الخمر او عبد فيها الصليب او ادخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم فی ذلک بأس لان المسلم لا يؤاجرها لذلک انما آجرها للسكنى كذا فی المحيط۔ (الفتاوی الهندية ج۴ ص۴۵۰ الفصل الرابع فی فساد الاجارة اذا كان المستاجر مشغولاً بغيره)[1]

پگڑی دے کر دوکان یا مکان کرایہ پر لینے کا حکم

سوال :۔ آجکل کاروباری لوگوں میں یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ ایک بھاری رقم (جس کو عرف میں پگڑی کہا جاتا ہے) دے کر دوکان کرایہ پر لیا جاتا ہے۔ کیا پگڑی دے کر دوکان کرایہ پر لینا جائز ہے ؟

الجواب :۔ دوکانات یا دیگر کاروباری مکانات پر پگڑی دینے کی دو صورتیں ہوتی ہیں :
(۱) پگڑی اگر دوکاندار کو بصورتِ رشوت یا تاوان دی جاتی ہو تو مالک دوکان اور کرایہ دار دونوں

---

[1] قال العلامة سراج الدين رحمه الله : ومن آجر بيتاً ليتخذ فيه بيت نار او بيعة او كنيسة او يباع فيه الخمر لا بأس به عند ابی حنيفة خلافاً لهما۔
(فتاوی سراجية علی هامش قاضيخان ج۲ ص۱۲۷ كتاب الاجارة باب ما يكره من الاجارة وما لا يكره)
ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۴۸ كتاب الاجارات الفصل العاشر فی المحظور والاباحة۔

کے لیے ادا کرنا لازم نہیں ہے، دوسرا اگر اجرت معجل کی صورت میں ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة محمد خالد الاتاسی رحمه الله: تلزم الاجرة بالتعجیل یعنی لو سلم المستاجر الاجرة نقدا ملکها الآجر ولیس للمستاجر استردادها سواء کانت الاجارة منجزة او مضافة۔ (شرح المجلة للاحکام مادة ۴۶۶ ص ۵۱۲ الفصل الثانی فی بیان المسائل المتعلقة بسبب لزوم الاجرة وکیفیة استحقاق الاجرة) ۔ لہ

آفات کی وجہ سے اجرت ساقط ہونا

سوال: ایک شخص نے دو کنال زمین اجارہ پر لے کر اس میں گندم کاشت کی، اس کے بعد حکومت نے قریبی قصبے کو سیلاب سے بچانے کے لیے اس زمین سے بہت ساری مٹی اٹھائی جس سے زمین کو بہت نقصان پہنچا اور فصل بالکل تباہ ہو گئی، تو اس صورت میں اجارہ کی رقم مؤجر کو دینا پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: حکومت کے مٹی اٹھانے کی وجہ سے اگر یہ زمین ناقابل کاشت ہو گئی ہو تو ناقابل کاشت ہونے کے بعد والی مدت کی اجرت ساقط ہو جائے گی اور ناقابل کاشت ہونے سے قبل کی اجرت ساقط نہ ہو گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولو استاجرها للزراعة فاصطلم الزرع آفة وجب ما قبل الاصطلام ویسقط ما بعده۔ (رد المحتار ج۵ ص۶۵ باب ضمان الاجیر، مبحث اختلاف المؤجر والمستاجر) ۔ لہ

وقال العلامة ابن نجیمؒ: فی شرح الطحاوی الاجرة لا تخلو اما ان تکون معجلة او مؤجلة او منجمة او مسکوتا عنها فان کانت معجلة فان له ان یطالب بها وان کانت مؤجلة فلیس له ان یطالب قبل الاجل وان کانت منجمة فله ان یطالب عند کل نجم۔ (البحر الرائق ج۷ ص۳ کتاب الاجارات)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۳ ص۱۱۲ کتاب الاجارة۔

۲ـ قال العلامة حافظ الدین البزازی الکردری: استاجرها للزراعة فزرعها فاصاب الزرع آفة او غرق الارض فعلیه الاجر الکامل ولو غرق قبل الزرع فلا اجر علیه قال فی المحیط والفتوی علی انه اذا بقی بعد هلاک الزرع مدة لا یتمکن من اعادة الزراعة لا یجب الزراعة الاجر علی المستاجر والا یجب اذا تمکن من زراعة مثل الاول۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج۵ ص۴۹ الباب الثالث فی الضیاع والعقار)

ومثله فی الهندیة ج۴ ص۴۴۷ الباب فی فسخ الاجارة بالعذر۔

جن شروط سے بیع فاسد ہوتی ہے انہی شروط سے عقدِ اجارہ بھی فاسد ہوتا ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی سے بیس ہزار روپے سالانہ اجارہ پر زمین لے کر پانچ ہزار روپے پیشگی دیئے اور یہ شرط لگائی کہ اگر مستاجر میعاد پوری ہونے سے قبل زمین چھوڑنا چاہے تو بھی مالکِ زمین کو پانچ ہزار روپے پورے دینے پڑیں گے، تو کیا ایسا اجارہ شرعاً درست ہے؟

الجواب:۔ یہ اجارہ شروطِ فاسدہ کی وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تعیینِ مدت نہیں ہے، ہاں اگر ایسا قائل کا وعدہ صلبِ عقد میں ہوتا ہے تو ناجائز نہیں ہے لیکن بقدرِ مدت کے رقم ملے گی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع (مما مر) يفسدها كجهالة مأجور او اجرة او مدة او عمل وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار او مغارمها وعشر او خراج او مؤنة. (ردالمحتار ج۵ ص۴۶ باب الاجارة الفاسدة)[1]

گودام سے چوری ہونے والے مال میں چوکیدار پر ضمان نہیں

سوال: گودام جہاں مختلف لوگوں کا غلہ اور دیگر سامان رکھا ہوتا ہے وہاں سے اگر کسی کا سامان گم ہو جائے تو ضمان کس پر ہے جبکہ گودام کی حفاظت کے لیے چوکیدار بھی موجود ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں گودام کے چوکیدار پر ضمان نہیں ہے اور نہ ہی مستاجر ضامن ہے۔

قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله: قال في جامع الفصولين استوجر

---

[1] قال العلامة محمد كامل الطرابلسي: ففي التنوير وشرحه للعلائي تفسد الاجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما افسد البيع يفسدها كجهالة مأجور او اجرة او مدة او عمل الخ (الفتاوى الكاملية ص۱۹۲ كتاب الاجارة. مطلب تفسد الاجارة باشتراط الترميم ونحوه)

ومثله في البحر الرائق ج۸ ص۲۱ كتاب الاجارة. باب الاجارة الفاسدة.

رجل لحفظ خان، وحوانیت فضاع شیء قیل یضمن عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ لو ضاع من خارج الحجرة لانه اجیر مشترک وقیل لا فی الصحیح وبه یفتی لانه اجیر خاص الا یری انه لو اراد ان یشغل نفسه فی صنع آخر لم یکن له ذلک ولو ضاع من داخلها بان نقب اللص فلا یضمن۔

(شرح مجلة الاحکام مادة ۶۱۱ ص ۳۷۹ الفصل الثالث فی ضمان [illegible])[1]

کسی سفارتخانے سے ویزہ کے لئے لوانے پر رقم لینا جائز نہیں

سوال: ایک شخص کسی غیر ملکی سفارت خانے سے ویزہ لینا چاہتا ہے جس پر کل دس ہزار روپے خرچ آتا ہے لیکن چند وجوہات کی بنا پر وہ ویزہ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اب ایک دوسرا آدمی اُسے یہ کہتا ہے کہ اگر تم مجھے تیس ہزار روپے دے دو تو میں تمہارے لیے ویزے کا انتظام کر سکتا ہوں، اور دونوں کے درمیان تیس ہزار روپے پر معاہدہ ہو گیا، تو کیا اس صورت میں یہ رقم لینا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ویزہ اس شخص کا حق بنتا ہو مگر بغیر رشوت کے حاصل نہیں کر سکتا ہو تو پھر دینے والے کے لیے رشوت حرام نہیں ہے البتہ لینے والے کے لیے حرام ہے ہاں اگر اس آدمی کو باقاعدہ طور پر ایک یا دونوں کے لیے اجیر بنا دیا جائے تو پھر لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: اھل بلدة ثقلت علیھم المؤنات فاستاجروا رجلاً باجر معلوم لیذھب الی السلطان ویرفع القصة لیخفف عنھم السلطان نوع تخفیف فاخذ الاجر من عامة اھل البلدة من الاغنیاء والفقراء قالوا ان کان بحال لو ذھب الی باب السلطان یتھیأ له اصلاح الامر فی یوم او یومین

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: نقب حانوت رجل واخذ متاعه لا یضمن حارس الحوانیت علی ما علیه الفتوی لان الامتعة محروسة بابوابها وحیطانها والحارس یحرس الابواب۔

(البزازیة علی هامش الهندیة ج ۵ ص ۴۲ نوع المتفرقات)

ومثله فی تنقیح الحامدیة ج ۲ ص ۱۱۲ کتاب الاجارة۔

جازت الاجارة وان كان بحال لا يحصل المقصود بيوم او يومين وانما يحصل في مدة فان وقتوا الاجارة وقتاً جازت الاجارة وله كل المسمى وان لم يوقتوا افسدت الاجارة وكان له اجر المثل على اهل البلدة على قدر مؤنتهم ومنافعهم۔ [1]

(فتاویٰ قاضی خان ج۲ ص۱۸ باب الاجارة الفاسدة)

مسئلہ قفیز الطحان کا حکم

جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں آٹا پیسنے والی مشینیں عام ہیں لوگ آٹا پسوانے کے لیے گندم وغیرہ لاتے ہیں، اور مالک مشین نقد کی بجائے بیسواں یا تیسواں حصہ آٹا پیسنے کے عوض اجرت کے طور پر لیتے ہیں، کیا ایسا اجارہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ صورت قفیز الطحان سے ہے یعنی کسی ایسی چیز کو اجرت میں متعین کرنا ہے جو اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے اجارہ سے منع فرمایا ہے، اس کے صحیح یا ناجائز ہونے پر بہت سی صورتیں موقوف ہیں، ہاں اگر تعیین کے بغیر پسائی سے پہلے یا بعد میں اجرت دی جائے تو بالاتفاق جائز ہے۔ مشائخ بلخ نے اپنے علاقہ میں ضرورتاً عوام و خواص کی بناء پر روئی کے بارے میں جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس کا ذکر ہے۔ لیکن آجکل چونکہ علاقہ میں یہ طریقہ مروج ہے، قفیز الطحان کا مسئلہ جو کہ ناجائز ہے گا عرف کی وجہ سے اس کی کوئی گنجائش نہیں آئے گا۔

---

[1] وفي الهندية: وفي الكبرى اهل بلدة ثقلت عليهم مؤنات العمل فاستأجروا رجلاً باجرة معلومة ليذهب ويرفع امرهم الى السلطان الاعظم ليخفف عنهم بعض الجبف واخذ الاجرة من عامتهم غنيهم وفقيرهم ذكر ههنا انه ان كان بحال لو ذهب الى باب السلطان تهيأ له اصلاح الامر يوماً او يومين جازت الاجارة وان كان بحال لا يحصل ذلك الا بمدة فان وقتوا للاجارة وقتاً معلوماً فالاجارة جائزة والاجر صنعله به وان لم يوقتوا فهي فاسدة وله اجر مثله۔

(الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۵۰ باب الثاني والثلاثون في المتفرقات)

ومثله في شرح مجلة الاحكام لسليم رستم مادة ۴۴۵ ص۲۴۲ الفصل الرابع في اجارة الآدمي۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن دفع الى حائك غزلاً لينسجه بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا استاجر حماراً يحمل عليه طعاماً بقفيز منه فالاجارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير في معنى قفيز الطحان وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عنه۔

(الهداية ج۳ ص۳۰۵ باب الاجارة الفاسدة كتاب الاجارات) سله

شامی کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال:- جناب مفتی صاحب! شامی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت مطلوب ہے: وعن المحيط ما اخذ تعالى انيه ان كان بعقد الاجارة فحلال عند ابی حنیفة لان الحر التي في الاجارة الفاسدة طيب۔ کیا واقعی امام صاحبؒ زنا پر اجرت کو حلال سمجھتے تھے؟

الجواب:- اولاً تو امام صاحبؒ کی طرف اس کی نسبت ہی صحیح نہیں، اس لیے کہ امام صاحبؒ جیسی متقی اور پاکباز شخصیت یہ بات کیسے کہہ سکتی ہے کہ زنا جیسے قبیح عمل پر اجرت لینا حلال ہے۔

قال العلامة الرافعیؒ لعل فيه وبعيد عن الامام المعروف بالورع (التقريرات ج۲ ص۲۲۳ باب الاجارة الفاسدة) البتہ بصورت صحت توجیہ یہ ممکن ہے کہ اجارہ میں اصل معقود علیہ زنا نہیں بلکہ ایک امر مباح مثلاً گھر کا کام کاج ہے مگر اس کے ساتھ زنا بطور شرط ٹھہرائی جائے جس سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن اصل عقد کی وجہ سے اجرت حلال ہے اگرچہ اس کے ضمن میں زنا بھی ہوتا ہے۔

سله قال العلامة الحصكفي رحمة الله: ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه اي بنصف الغزل او استاجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه او ثوراً ليطحن بره ببعض دقيقه فسدت في الكل لانه استاجره بجزء من عمله والاصل في ذلك نهيه صلى الله عليه وسلم عن قفيز الطحان وقدمناه في بيع الوفاء والحيلة ان يفرز الاجر اولاً او يسمى قفيزاً بلا تعيين ثم يعطيه قفيزاً منه فيجوز۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۵۶ باب الاجارة الفاسدة)

ومثله في الهندية ج۴ ص۴۴۴ الفصل الثالث في قفيز الطحان۔

اجارہ پر جانور پالنے کا طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل یہ طریق عام ہے کہ مالدار آدمی کسی تنگدست کے لیے جانور خریدتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اسے پالو، اس کا جو بچہ ہوگا وہ ہم دونوں کا مشترک ہوگا۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے جواز کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ میں چونکہ اجرت مجہول ہے اس لیے یہ معاملہ درست نہیں، البتہ اس کے جواز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مالدار آدمی جانور کے ساتھ اس کی قیمت لگا دے اور جو نصف نصف کرے اور پالنے والا اس کو قبول کر کے نصف قیمت ادا کرنے لگے تو اسے نصف قیمت کی ادائیگی سے بری کر دے اور پھر اس سے کہے کہ تم اس کی پرورش کرو اور اس سے جو بچے ہوں گے وہ ہم دونوں کا مشترک ہوگا۔ اگر وہ منظور کر لے تب تو دونوں اس جانور کے بچے میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

مشروط میعاد سے قبل دوکان خالی کرنے پر کل میعاد کے کرایہ کا حکم

سوال: کسی شخص نے ایک دوکان تین سال کے لیے کرایہ پر لی، مالک دوکان نے کرایہ دار سے پہلے کہا تھا کہ تم اس میں پورے تین سال تک کاروبار کرو یا کم، کرایہ تین سال کا ہی ادا کرو گے۔ کرایہ دار نے یہ شرط قبول کر کے کاروبار شروع کر دیا، ایک سال کے اندر دو مرتبہ دوکان سے چوری ہو گئی، کرایہ دار نے مالک دوکان اور اس کے بیٹوں پر شک کیا ہے لیکن اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں کہ دعویٰ کو ثابت کر سکے۔ اب وہ اس خوف کی بناء پر دوکان خالی کرنا چاہتا ہے مگر مالک دوکان پورے تین سال کا کرایہ لینے پر مصر ہے، حالانکہ مقررہ میعاد پوری ہونے میں ابھی دو سال باقی ہیں۔ تو کیا مالک دوکان بقیہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگرچہ دوکان کا مالک بقیہ میعاد کے کرایہ کا حقدار ہے مگر بسبب چوری کی پھر دوکان خالی کر دینے کے بعد والی میعاد کا کرایہ وصول نہیں کر سکتا ورنہ اس کو یہ حق حاصل ہے۔

قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یہ خالی کرنا اگر کسی عذر سے ہے تو کل کرایہ وصول نہ کیا جاوے گا ورنہ وصول کیا جاوے گا۔

(امداد الفتاویٰ ج ۳ ص 345 کتاب الاجارہ)

رشوت کے ذریعے حاصل کیے ہوئے ٹھیکہ کی کمائی کا حکم

سوال: ایک شخص نے رشوت دے کر کسی کام کا ٹھیکہ حاصل کیا، اور شرعی حدود کی خلاف ورزی کیے بغیر وہ کام پورا کرکے کچھ کمایا، تو کیا یہ کمائی اس شخص کے لیے حلال اور جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: رشوت یا دیگر غیر شرعی طریقوں سے حاصل کیا ہوا ٹھیکہ یا کوئی بھی کام لینا جائز نہیں، اور پھر شرعی حدود کی خلاف ورزی کیے بغیر وہ عمل کرکے کچھ کمانا اس عامل کیلئے قابل اعتراض نہیں، اگرچہ رشوت دینا اور لینا حرام ہے۔

وفی الهندیة: سئل محمد بن مقاتل رحمه الله تعالیٰ عن رجل سرق ماءً وساقه الی ارضه وکرمه فاجاب انه یطیب له ما خرج بمنزلة رجل غصب شعیرا او تبنا وسمن به دابته فانه یجب علیه مثل ما غصب وما زاد فی الدابة طیب له۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۶۲ کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون فی المتفرقات)

کمیشن لینے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! عصر حاضر میں کمیشن کا بہت رواج ہے، مثلاً ایک کاریگر کسی شخص کے لیے دوکان سے سامان لینے جاتا ہے، وہ شخص کاریگر پر اعتماد کرتا ہے کہ یہ عمدہ سامان کم قیمت پر خریدے گا جبکہ بائع (دکاندار) کاریگر کو کمیشن دے کر کم قیمت کا سامان اس پر مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ شرعاً اس کمیشن کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دوکاندار یا بائع کی طرف سے خریدار کاریگر کو کوئی رقم وغیرہ دینا ناجائز نہیں ہے، تجار کی طرف سے یہ اکرام تجارت کو فروغ دینے کیلئے کیا جاتا ہے اور یہ اصول تجارت میں شمار ہے، البتہ اس کاریگر کے لیے یہ رقم لینا اس وقت جائز ہے جبکہ وہ باقاعدہ [illegible] جو وہ چیز خریدے اور پہلے سے کمیشن لینے کی شرط نہ لگائے اور طمع سے دل کو خالی کرے، یعنی دل میں یہ فیصلہ کرے کہ اگر یہ دوکاندار مجھے کمیشن نہ بھی دے تو میں سوائے طبعی رنجش کے دیگر اثر سے متأثر نہ ہوں گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهو ما یدفع له بلا شرط ولا طمع فاهدی الیه بعد ذلک فهو حلال لا بأس به۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۶۲ فی اقسام الرشوة)

وما قاله العلامة الكاساني في البدائع من ... انه لا يجوز وهو قول ابي يوسف
ومحمد ... الاجرة ... ولكن الآن ان ابا حنيفة استحسن الجواز بالنص وهو قوله جل وعلا
... بالمعروف من غير فصل بين ما اذا كانت الوالدة منكوحة او مطلقة وقوله عز وجل
على الوارث مثل ذلك اي الرزق والكسوة وذلك يكون بعد موت المولود ... ولا يجوز ... لكن الجهالة
(تمنع صحة العقد لعينها بل لافضائها الى المنازعة وجهالة الاجرة في هذا الباب لا تفضي الى المنازعة لان العادة
جرت بالمسامحة مع الاظار والتوسيع عليهن شفقة على الاولاد فاشبهت جهالة القفيز من الصبرة ...

(بدائع الصنائع جزء ۴ ص ۱۹۳ كتاب الاجارة، مطلب فيما يرجع الى المعقود عليه)

کام میں رکاوٹ پیدا ہونے کے خوف سے ٹھیکیدار کا افسران بالا کو رشوت دینا

سوال: جناب مفتی صاحب! درج ذیل مسئلے کے متعلق قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیے۔

(۱) ایک آدمی سرکاری ٹھیکہ لیتا ہے تو سرکاری آفیسر اس سے بارہ یا پندرہ فیصد روپے کمیشن لیتے ہیں اور اگر کوئی ٹھیکیدار کمیشن نہ دے تو اس کے کام میں رکاوٹ پیدا کر دیتے ہیں، پھر سرکاری آفیسر اس کمیشن کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کام کی نگرانی کرتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ٹھیکیدار بامر مجبوری مذکورہ کمیشن دیتا ہے کیونکہ اس کا ذریعہ معاش یہی ہے۔ تو کیا ٹھیکیدار کے لیے اس طرح ٹھیکہ لینا جائز ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۲) روزہ کی خاطر اگر کوئی عورت ایسی گولی استعمال کرے کہ اس کا حیض رک جائے تو کیا روزہ کی خاطر حیض روکنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) ٹھیکہ دینے کے بدلے جو افسران ٹھیکیدار سے کمیشن کے نام پر پیسے لیتے ہیں وہ رشوت میں داخل ہے۔ کام کی نگرانی کرنا ان کا فریضۂ منصبی ہے اس کے بدلے وہ حکومت سے تنخواہ لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر ٹھیکیدار ٹھیکہ لینے کا حقدار ہو اور بغیر رشوت کے اسے ٹھیکہ نہ دیا جاتا ہو تو بحالت مجبوری اس کو تو رشوت دینا رخصت ہے مگر افسران بالا کے لیے لینا ہرگز حلال نہیں۔ ٹھیکیداری کرنا ایک مباح کام ہے اصول اور دیانتداری سے کرنا چاہیے۔

(۲) حیض بند کرنے کے لیے گولیاں استعمال کرنا کوئی ممنوع عمل نہیں، البتہ اس سے بعد میں کوئی مرض پیدا ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر طبی لحاظ سے ایسا کرنا مضر ہو تو اس سے اجتناب کرنا ہی مناسب ہے۔

تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے کی طرح ہے۔ جس طرح عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے اسی طرح نمازِ جنازہ بھی چونکہ عبادات میں شمار ہے اس لیے اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ تاہم اگر میت کے ورثاء اپنی خوشی سے جنازہ پڑھانے والے کو بلا تعین اور بلا معروف اور مروّج ہونے کے کچھ دینا چاہتے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دینے اور لینے والے دونوں کی نیت بھی درست ہو۔ اور ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ. قال تاج الشريعة في شرح الهداية ان القرآن بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقاري...... ولولا الاجرة ما قرأ احد لاحد في هذا الزمان۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۵ كتاب الاجارة مطلب في الاستيجار على الطاعات)

گولڈن ہینڈ شیک سکیم کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل بعض سرکاری اور نیم سرکاری اداروں نے اپنے ملازمین میں ایک سکیم متعارف کرائی ہے کہ جو افراد مقررہ مدت سے پہلے نوکری چھوڑ دیں تو ادارہ ان کو بقیہ مدت کا معاوضہ اور دیگر مراعات دے گا۔ تو کیا نوکری چھوڑنے کے عوض یہ معاوضہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سرکاری وظیفہ کا شمار حقوقِ مجردہ میں ہوتا ہے جس کے عوض مالی معاوضہ یا کسی قسم کی مراعات لینا حرام و ناجائز ہے، مگر موجودہ ملکی قوانین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا

لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ: (الجواب) نمازِ جنازہ پڑھانے کی وجہ سے روپیہ پیسہ لینا درست نہیں ہے کہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ و عبادت ہے اور عبادت پر روپیہ پیسہ لینا جائز نہیں جیسے کہ تلاوتِ قرآن مجید پر روپیہ پیسہ لینا درست نہیں ہے۔ اور دینے والا اگرچہ معاوضہ اور اجرت کا نام نہ لیویں لیکن بحکم المعروف کالمشروط جب کہ یہ دینا بعد نمازِ جنازہ و تلاوتِ کلام اللہ معروف ہو گیا ہے اور نمازِ جنازہ پڑھنے پڑھانے والے اور قرآن شریف پڑھنے والے اسی خیال اور نیت سے پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ ہم کو روپیہ ملے گا لہٰذا یہ لینا دینا ناجائز ہے۔ (عزیز الفتاویٰ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ ص ۲۶۵ کتاب الاجارات)

نائی (حجام) کو دوکان کرایہ پر دینے کا حکم

سوال:- کیا کسی نائی (حجام) کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز ہے جبکہ یہ لوگوں کے داڑھی مونڈتے اور بال یہودیوں کی طرح بناتے ہیں، حالانکہ ارشاد قرآنی ہے: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ الخ یعنی گناہ کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو، اس لحاظ سے کسی نائی (حجام) کو دوکان وغیرہ کرایہ پر دینے والا تعاون علی المعصیت کا مرتکب تو نہیں ہوگا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں!

الجواب:- حجامت کا پیشہ ایک ضروری عمل ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن اس میں شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے، اگر اس میں خلاف شرع عمل کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کام (حجامت وغیرہ) کے لیے دوکان یا مکان کرایہ پر دینا بھی تعاون علی المعصیت ہے جو بنص قرآنی حرام ہے لہٰذا خلاف شرع حجامت بنانے والے نائی (حجام) کو مکان یا دوکان کرایہ پر دینا صحیح نہیں البتہ اس کی آمدنی درست ہے۔

اجارہ فاسدہ کے جواز کی صورت

سوال:- ایک شخص نے اپنی گاڑی کسی ڈرائیور کو اس شرط پر دی کہ تم اس کو چلاؤ جو منافع ہوگا اس میں سے ۲۰ فیصد میرا ہوگا اور ۸۰ فیصد آپ کا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ اجارہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اجارہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ مقدار اجرت اور مدت وغیرہ متعین ہو اگر کہیں اجرت یا مدت میں جہالت آجائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اسلئے کہ جہالت مفضی الی النزاع ہوتی ہے اور عموماً جھگڑا اور فساد پیدا کرتی ہے، صورت مسئولہ میں اجرت اگرچہ مجہول ہے جس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہونا چاہیئے مگر آجکل چونکہ اس طرح کے معاملات بکثرت ہوتے ہیں اور لوگ ایسے معاملہ کو مفضی الی النزاع نہیں سمجھتے اسلئے مذکورہ معاملہ بھی درست ہے کیونکہ فساد نہ ہونے کی صورت میں معاملہ فی ذاتہ درست اور صحیح ہوتا ہے البتہ کسی فاسد وصف کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس فساد کی علت ختم ہو جائے تو وہ معاملہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے۔ فقہی ذخائر میں اس قسم کی نظائر موجود ہیں اور ویسے بھی عموم بلوی کی وجہ سے احکام تبدیل ہوتے ہی رہتے ہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي: الفاسد من العقود ما كان مشروعاً بأصله دون وصفه۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۵ باب الاجارة الفاسدة)

بداخلاقی کی بنا پر مدرسے سے خارج کیے گئے مدرس کیلئے پورے سال کی تنخواہ کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:-

(۱) کسی بھی دینی مدرسہ میں ایک مدرس سال بھر کا اجیر ہوتا ہے، کیا اس کا وظیفہ سالانہ اجرت کی بنیاد پر ہوتا ہے یا ماہانہ اجرت کی بنیاد پر، اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۲) یہ کہ ایک مدرسہ کے مدرس کو مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے اور دیگر غیر اخلاقی حرکات کی وجہ سے مدرسہ سے نکال دیا ہے، تو کیا ایسا مدرس سال کے باقی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:- دینی مدارس کے مدرس کی حیثیت اجیرِ خاص کی ہے اور وہ اجرت کا تب مستحق ہوتا ہے جب وہ مدرسہ کے عمل کے لیے اپنے آپ کو مدرسہ کے حوالے کر دے اور ساتھ ہی اس میں مدرسہ کی طرف سے تفویض کردہ کام کرنے کی صلاحیت بھی ہو، اگر کسی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت مفقود ہو جائے اور وہ نااہل ثابت ہو جائے اور مدرسہ کی انتظامیہ اس کو نااہلیت کی بنا پر ذمہ داری (ملازمت) سے سبکدوش کر دے تو وہ سال کے بقیہ دنوں کی تنخواہ کا حقدار نہیں، اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ بلاضرورت اور بغیر کسی معقول عذر کے اس کو قبل از وقت مقررہ سبکدوش کر دے تو وہ سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا حقدار ہے۔

(۲) لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر مدرس کو اخلاقی جرائم اور دیگر ناپسندیدہ حرکات کی وجہ سے مدرسہ سے نکالا گیا ہو تو اس کو سال کے باقی دنوں یا مہینوں کی تنخواہ کا مستحق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگرچہ دینی مدارس میں عرف کی بنا پر ایک مدرس اپنی پوری صلاحیت اور اہلیت کے ساتھ سال بھر کا اجیر ہوتا ہے اور اگر مدرسہ کی انتظامیہ اس کو بلاضرورت و بلا عذر کے نکالنا چاہے تو اس مدرس کو بقیہ ایام کی تنخواہ دی جائے گی۔

لما فی مجلة الاحکام: الاجیر یستحق الاجرة اذا کان فی مدة الاجارة حاضراً للعمل ولا یشترط عمله بالفعل ولکن لیس له ان یمتنع عن العمل واذا امتنع لا یستحق الاجرة۔ (درر الحکام فی شرح مجلة الاحکام ج۱ ص۴۵۸)

لما فی احسن الفتاوی: اگر مدرس کو واقعۃً نااہلیت کی بنا پر معزول کیا گیا ہے تو وہ شعبان تک کی تنخواہ کا مستحق نہیں۔ (احسن الفتاوی ج۷ ص۲۹۶)

وفی احسن الفتاویٰ : طلباء کم ہونے کا عذر قابل قبول نہیں۔ اگر مہتمم نے باضرورت مدرس رکھا ہے تو پورے سال کی تنخواہ اپنے پاس سے دے کیونکہ عقد تدریس مسانہہ ہے۔
(احسن الفتاویٰ ج ۷ ص۲۹۵)

وھکذا فی احسن الفتاویٰ : مدرسین سے عقد مسانہہ ہے لہٰذا بہر صورت ابتداءِ شوال سے انتہاء رمضان تک پوری تنخواہ دی جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص۲۸۲)

یہاں یہ یاد رہے کہ احسن الفتاویٰ سے مذکورہ ذکر حوالجات کا مقصد یہ ہے کہ مدرس میں صلاحیت اور اہلیت ہونے کے باوجود اہل اہتمام اس کو بلا وجہ شرعی معزول کریں تو مابعد کے مہینوں کی تنخواہ کا مدرس حقدار ہے، ورنہ نااہلیت کی وجہ سے برطرفی کی صورت میں مابعد کے مہینوں کی تنخواہ نہیں۔

ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ دینی مدرسہ کے ایک مدرس نے مدرسہ کی سالانہ تعطیلات کے بعد مدرسہ کی انتظامیہ کو اپنا استعفاء پیش کر دیا۔ تو کیا عند الشرع اور قوانین مدارس وغیرہ کی رو سے یہ مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے مگر اس کے لیے فقہاء کی عبارتوں سے چند شرائط بھی معلوم ہوتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مدرس کے ساتھ پہلے سے یہ طے نہیں کیا گیا ہو کہ آپ کو ایامِ تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی، جو کچھ تنخواہ تمہارے لیے مقرر ہے وہ صرف ایامِ تدریس ہی میں تمہیں دی جایا کرے گی۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مدرس ایامِ تعطیل کے بعد بھی کام کرنے (تدریس) کا ارادہ رکھتا ہو اور اپنی طرف سے کام کو چھوڑ بھی نہیں۔

تو جب یہ دو شرطیں موجود ہوں تو پھر مدرس ایامِ تعطیل کی تنخواہ کا مستحق ہے کیونکہ یہ تعطیلات بھی ایک طرح سے تدریس ہی کے حکم میں ہیں کہ ان میں آئندہ تدریس کے لیے مدرس کو آرام اور استراحت ملتی ہے جو آئندہ کام کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اگر تقرری کے وقت ہی مدرس سے یہ طے کر لیا جائے کہ آپ کو صرف تدریس کے دنوں کی تنخواہ

ملے گی ایام تعطیل کی نہیں تو اس صورت میں مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ کا حقدار نہیں ہوگا۔ شرعی قانون یہ ہے کہ الشرط املک۔ — اسی طرح اگر عرف وہاں متعلقین مدارس کا یہ ہو کہ عام مدرسین اور ملازمین کو تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ نہ ملا کرتی ہو تو اس صورت میں بھی ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی کیونکہ المعروف کالمشروط اور العادۃ محکمۃ۔

نیز اگر کوئی مدرس مزید کام کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوئے خود استعفا پیش کر کے کام کرنا چھوڑ دے تو پھر بھی وہ تنخواہ کا مستحق اس بنا پر نہیں ہے کہ تدریس کا کام اس نے کیا ہے نہ تعطیلات آئندہ کے لیے کام کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

درمختار جلد ۳ صفحہ [illegible] میں ہے: وهل يأخذ المدرس ايام البطالة كعيد و رمضان؟ لم أره وينبغي الحاقه ببطالة القاضي واختلفوا فيها والاصح انه يأخذ لانها للاستراحة، اشباه عن قاعدة العادة محكمة اھ

علامہ شامی اس عبارت کے تحت لکھتے ہیں: قال في الاشباه وقد اختلفوا في اخذ القاضي ما رتب له في بيت المال في يوم بطالته فقال في المحيط انه يأخذ لانه يستريح لليوم الثاني وقيل لا اھ وفي المنية القاضي يستحق الكفاية من بيت المال في يوم البطالة في الاصح وفي الوهبانية انه الاظهر فينبغي ان يكون كذلك في المدرس لان يوم البطالة للاستراحة وفي الحقيقة تكون للمطالعة والتحرير عند ذوي الهمة. اھ رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۴۲۵

ان عبارتوں میں استحقاق کے لیے علت استراحت بیان کی گئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استحقاق اس وقت ہوتا ہے جب آئندہ کام کرنے کا ارادہ ہو اور کام کو خود نہ چھوڑ دے تو تعطیل کا حکم چونکہ تدریس کا ہوگا اور گویا یہ کہا جائے گا کہ مدرس تعطیل کے ایام میں برسرکار ہے اور گویا وہ تدریس ہی میں مشغول ہے اس لیے وہ تنخواہ کا بھی مستحق ہوگا۔

صورت مسئولہ میں چونکہ مدرس نے خود استعفا دے کر آئندہ کام نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس لیے تعطیل کے ایام اس کے حق میں آئندہ تدریس کے لیے ممد و معاون ثابت نہیں ہو سکتے ہیں اور حقیقتاً تدریس میں مشغول بھی نہیں ہے اس لیے ایام تعطیل کی تنخواہ کا بھی مستحق نہیں ہوگا۔

داخلہ و ماہانہ فیس کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ آج کل بعض دینی مدارس میں بھی سالانہ یا ماہانہ فیس لی جاتی ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے جبکہ فیس کی رقم

زمین اجارہ پر دینے کی ایک قسم

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لوگ اپنی زمین کاشتکاروں کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ مثلاً دس کنال زمین پر ہر چھ ماہ بعد فی کنال پانچ من گندم اور پانچ من مکئی کاشتکار مالک زمین کو دے گا جو فصل کی کاشت پر اٹھنے والے اخراجات کاشتکار کے ذمہ ہوں گے اور اسے مکمل اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جو فصل چاہے کاشت کرے مگر مالک زمین کو وہ غلات کے طور پر گندم اور مکئی ہی دے گا۔ تو کیا ایسا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں بیان کردہ صورت مزارعت کی نہیں بلکہ اجارہ کی ہے اور اجارہ میں ہر وہ چیز اجرت بن سکتی ہے جس کا تجارت میں ثمن بننا صحیح ہو، چونکہ گندم اور مکئی دونوں مال متقوم ہیں اس لئے ان کو اجرت قرار دینا صحیح ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: وما صلح ثمنا یصلح اجرة۔ (الہدایة ج۳ کتاب الاجارة)

اسی طرح زمین کو اجارہ پر دینا بھی شرعاً درست ہے اس لئے کہ اجارہ کا مقصد کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ ایضاً: ویجوز استیجار الارض للزراعة لانها منفعة مقصودة ولهذا جرى التعارف والتعامل۔ (الہدایة ج۳ کتاب الاجارة)

مگر اس معاملہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ:-

(۱) مدت اجارہ کا تعین ہو۔

(۲) جو چیز کاشت کرنی ہو وہ بیان کر دی جائے یا کاشتکار کو مکمل اختیار دیا جائے جیسا کہ صورت مسئولہ میں درج ہے۔

(۳) اجرت میں گندم یا مکئی کے ساتھ اسی زمین کی پیداوار کی قید نہ لگائی جائے اور نہ اسی زمین کے کسی خاص حصے کی پیداوار کی شرط لگائے البتہ جو گندم یا مکئی اجرت کے طور پر لینی ہو اس کی صفت اعلیٰ، ادنیٰ یا متوسط کا پہلے سے تعین کر لیا جائے تاکہ عقد اجارہ میں کوئی نامناسب حالات پیدا نہ ہو جائیں۔ (فقط واللہ اعلم)

کتاب
الشفعة

جار الدار احق بالدار من غیرہ

کتاب الشفعۃ

(شفعہ کے احکام و مسائل)

شفعہ کے حقدار

سوال:- از روئے شرع شفعہ کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟

الجواب:- شریعت مقدسہ نے سب سے پہلے شریک فی نفس المبیع کو شفعہ کا حقدار قرار دیا ہے، اس کے بعد شریک فی حقوق المبیع کو جبکہ آخر میں جار (ہمسایہ) کو شفعہ کا حقدار ٹھہرایا ہے۔

لما قال الشیخ ابو الحسن احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثم للجار۔

(مختصر القدوری ص۱۰۲ کتاب الشفعۃ)[1]

تبادلہ میں حق شفعہ کا اثبات

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی زمین کے کسی قطعہ کا دوسرے شخص کی زمین سے تبادلہ کرے تو کیا اس تبادلہ سے حق شفعہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر شفیع زمین کو لینا چاہے تو اس کے ذمہ زمین کی ادائیگی لازم ہوگی یا قیمت دینا ہوگی؟

الجواب:- جہاں تک شفعہ کے اثبات کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ عقار کے تبادلہ میں ہر ایک کو شفعہ کا حق حاصل رہتا ہے اس لیے کہ حق شفعہ کے تمام تر وجوہات یہاں بھی موجود ہو سکتے ہیں، تاہم زمین ذوات القیم ہونے کی وجہ سے زمین کی جگہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔

لما قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ومن اشتری دارًا بعوض

---

[1] قال العلامۃ ابو البرکات محمود النسفیؒ: وتجب للخلیط فی نفس المبیع ثم فی حق المبیع کالشرب والطریق ان کان خاصًا ثم للجار الملاصق۔

(کنز الدقائق ص۴۲۱ کتاب الشفعۃ)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۱۹،۲۲۰ کتاب الشفعۃ۔

اخذھا الشفیع بقیمتہ لانہ من ذوات القیم...... وان باع عقاراً بعقار اخذ الشفیع کل واحد منھما بقیمۃ الآخر لانہ بدلہ وھو من ذوات القیم فیأخذہ بقیمتہ۔ (الھدایۃ ج ۴ ص ۳۹۶ کتاب الشفعۃ) [۱]

حق شفعہ کو فروخت کرنا

سوال:۔ اگر شفیع مشتری سے حق شفعہ کے عوض مال طلب کرکے اپنا حق شفعہ چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کرے تو شفیع کے لیے مشتری سے ایسی رقم لینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ حق شفعہ کے ساقط کرنے کے عوض رقم لینا حرام اور واجب الرد ہے کیونکہ یہ حق مجرد ہے [illegible]۔ تاہم اگر شفیع ایسی حرمت پر اقدام کرے تو اس سے حق شفعہ ساقط ہوکر مشتری کی ملکیت خریدی ہوئی جائیداد میں مؤکد ہوجاتی ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وان صالح من شفعتہ علی عوض بطلت شفعتہ ورد العوض۔ (الھدایۃ ج ۴ ص ۴۰۴ کتاب الشفعۃ) [۲]

قبل البیع مصالحت سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر بائع خرید و فروخت سے قبل ہی شفیع نے مشتری سے معاہدہ کرکے مصالحت کی ہو تو کیا بیع کے بعد دوبارہ شفیع کو دعوی شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق شفعہ کا ثبوت بیع پر مرتب ہوتا ہے اور قبل البیع چونکہ اس کی

---

[۱] قال الشیخ ابوبکر بن علی الحداد الیمنیؒ: ومن اشتری داراً بعوض اخذ الشفیع بقیمتہ لانہ من ذوات القیم وان اشتراھا بمکیل او موزون اخذھا بمثلہ لانہ من ذوات الامثال۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۳۱۲ کتاب الشفعۃ)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۱ کتاب الشفعۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابوالبرکات محمود النسفیؒ: وتبطل بالصلح من شفعتہ عن عوض وعلیہ ردہ۔ (کنز الدقائق ص ۴۰۵ کتاب الشفعۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۵ ص ۱۸۴ الباب التاسع فیما یبطل بہ حق الشفعۃ۔

کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اس لیے خرید و فروخت سے قبل ایسی مصالحت استاطِ شفعہ پر مؤثر نہیں بلکہ بیع کے بعد شفیع کو بدستور حقِ شفعہ حاصل رہے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدین ابو بکر الکاسانیؒ: ولا یصح تسلیم الشفعة قبل البیع لانه اسقاط الحق واسقاط الحق قبل وجوبه وبعد وجود سبب وجوبه محال۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۱۹ کتاب الشفعة)[1]

متعدد شفعاء میں سے بعض کے اسقاط سے دوسرے متاثر نہیں ہوتے

سوال: اگر متعدد افراد شفعہ کا حق رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں تو کیا اس سے دوسرے شرکاء پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: حقِ شفعہ میں ہر حقدار کا استحقاق مستقل ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کے اپنے حق سے دستبردار ہونے سے دوسرے حقدار کا حق زائل نہیں ہوتا بلکہ قبل القضاء کسی ایک شریک کا اسقاط کر لینے سے دیگر تمام شرکاء کو فائدہ ہوگا جس کی رو سے دوسرے شرکاء اس کے حصے کے بھی حقدار ہوں گے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: ولو سقط بعضهم حقه قبل القضاء لهم کان لمن بقی ان یأخذ الکل لان السبب لاستحقاق الکل قد وجد .... بخلاف ما اذا اسقط حقه بعد القضاء حیث لا یکون له ان یأخذ نصیب التارک لانه بالقضاء قطع حق کل واحد منهم فی نصیب الآخر۔

(تبیین الحقائق ج ۵ ص۲۴۱ کتاب الشفعة)[2]

---

[1] وذکر فی الهندیة: تسلیم الشفعة قبل البیع لا یصح وبعده یصح۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۱۸۱ الباب التاسع فیما یبطل به الشفعة)

ومثله فی شرح المجلة لشیخ سلیم رستم باز مادة ۱۰۲۴۔

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: (اسقط بعضهم حقه) من الشفعة (بعد القضاء) فلو قبله فلمن بقی اخذ الکل لزوال المزاحمة (لیس لمن بقی اخذ نصیب التارک) لانه بالقضاء قطع حق کل واحد منهم فی نصیب الآخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۲۲۱ کتاب الشفعة)

ومثله فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۸ ص۱۲۸ کتاب الشفعة۔

دھوکہ دہی سے حق شفعہ متاثر نہیں ہوتا

سوال: بسا اوقات بائع اور مشتری باہم کسی ایک رقم پر اتفاق کرکے شفیع پر اتنی بڑی رقم ظاہر کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حق کا لینا شفیع کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ اس صورت میں اگر شفیع ناقابل تحمل قیمت کی وجہ سے شفعہ چھوڑ دے اور بعد میں کسی معتبر ذریعہ سے ان کا دھوکہ ظاہر ہو کر اصل قیمت معلوم ہو جائے تو کیا سابقہ اسقاط کے بعد بھی شفیع اپنا حق شفعہ استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسے دھوکے سے حق شفعہ کے اسقاط پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جب بھی شفیع پر بائع اور مشتری کے دھوکہ کی حقیقت ظاہر ہو تو سابقہ اسقاط کا اعتبار نہیں رہتا اب بھی شفیع اپنا حق استعمال کرکے مشتری سے مبیعہ لے سکتا ہے۔

لما قال الامام ابو الحسین احمد بن محمد ابن جعفر البغدادی القدوریؒ: واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف فسلم الشفعة ثم علم انها بیعت باقل من ذلك او بحنطة او شعیر قیمتها الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة۔ (مختصر القدوری ص۱۲۴ کتاب الشفعة)[له]

مشترکہ زمین کا کچھ حصہ خریدنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا

سوال: ایک زمین جو کہ چند اشخاص کے مابین مشترک ہے، ان میں سے ایک نے دوسرے ساتھی کا حصہ خرید لیا تو باقی شرکاء نے اس پر حق شفعہ کا دعویٰ کر دیا، تو کیا از روئے شرع یہ مشتری اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ حق شفعہ میں شریک ہوگا یا بسبب شراء اس کا حق ساقط متصور ہوگا؟

الجواب: مشترکہ زمین میں کسی شراکت دار کا حصہ خریدنا کوئی ایسا فعل نہیں جس سے مشتری کی بیزاری سمجھی جائے، بلکہ بسا اوقات کسی زمین یا گھر کی خریداری سے حق شفعہ کا اثبات مقصود ہوتا ہے اس لیے خریدار دوسرے شفعاء کے ساتھ شفعہ

له لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا بلغ الشفیع انها بیعت بالف درهم فسلم ثم علم انها بیعت باقل او بحنطة او شعیر قیمتها الف او اکثر فتسلیمه باطل وله الشفعة۔ (الهدایة ج۴ ص۳۹۶ کتاب الشفعة)

ومثله فی کنز الدقائق ص۴۰۳ کتاب الشفعة۔

میں شریک رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر اختلاف الاملاك۔

(الهداية ج۴ ص۳۸۹ كتاب الشفعة) [1]

وقف شدہ زمین پر کسی کو شفعہ کا حق نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی جائداد جزوی یا کلی طور پر کسی مسجد یا مدرسہ کے لیے باقاعدہ وقف کر دے تو کیا اس کے شرکاء یا ہمسایہ کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق شفعہ کے ثبوت کے لیے مالی معاوضہ کا ہونا بنیادی شرائط میں سے ہے، وقف میں یہ حیثیت مفقود ہوتی ہے اس میں واقف کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لیے مسجد، مدرسہ یا کسی دوسرے رفاہی ادارہ کے لیے وقف کی ہوئی جائیداد پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشي: الشفعة تمليك البقعة جبرا على المشتري بما قام عليه .... ولا شفعة في الوقف۔

(تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۵ ص۲۱۷، ص۲۲۳ كتاب الشفعة) [2]

برساتی نالے سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا وہ خشک نالہ جس میں صرف بارش کا پانی بہتا ہو سے حق شفعہ ثابت

---

[1] قال الشيخ ابو الحسن احمد بن محمد البغدادي القدوري: واذا اجتمع الشفعاء فالشفعة بينهم على عدد رؤسهم ولا يعتبر باختلاف الاملاك۔ (مختصر القدوري ص۱۲۳ كتاب الشفعة)

ومثله في شرح مجلة الاحكام للشيخ سليم رستم باز ص۵۴۶ مادة ۱۰۱۳۔

[2] لما قال الشيخ سليم رستم باز: الشفعة هي تمليك الملك المشترى بما قام على المشتري من الثمن۔ (شرح مجلة الاحكام مادة ۹۵۰ ص۵۲۹)

وقال ايضا: ولا تجري الشفعة في السفينة وسائر المنقولات وعقار الوقف والاراضي الاميرية۔ (شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۱۷ ص۵۴۹)

ومثله في كنز الدقائق ص۴۰۳ وتنقيح الحامدية ج۲ ص۱۸۲ كتاب الشفعة۔

ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے جہاں کسی کو شرکت فی حقوق المبیع پر شفعہ کا حق دیا ہے وہاں اس میں یہ شرط بھی رکھی ہے کہ حقوق خاص اسی کا استحقاق ہو۔ چونکہ مشترک نالے میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے اس سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة ابو البرکات احمد بن محمود النسفیؒ: ثم الخليط في نفس المبيع ثم الخليط في حق المبيع كالشرب والطريق ان كان خاصا. (كنز الدقائق ص۳۸۲ كتاب الشفعة) [1]

تاخیر سے حق شفعہ کا بطلان

سوال: طلب مواثبت واشہاد کی تکمیل ونیز دلیل کے ثبات کے بعد طلب خصومت میں کتنی مدت تک تاخیر سے ایسے حق پر اثر نہیں پڑتا؟

الجواب: مفتیٰ بہ قول کی رو سے بغیر کسی معقول عذر کے ایک مہینہ تک تاخیر کرنا قابلِ تحمل ہے، اتنی مدت میں اپنے حق کے حصول سے غفلت اختیار کرنا حق چھوڑنے کے مترادف ہے، نیز بلا وجہ اتنی تاخیر کرنا بسا اوقات مشتری کی ایذا رسانی کا باعث بنتی ہے۔

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعيؒ: قال شيخ الاسلام: الفتوى اليوم على أنه اذا أخر شهرا سقطت الشفعة لتغير احوال الناس في قصد الاضرار بالغير. (تبيين الحقائق ج۵ ص۲۴۲ كتاب الشفعة) [2]

---

[1] لما قال العلامة سليم رستم بازؒ: والثاني ان يكون خليطا في حق المبيع كالاشتراك في حق الشرب الخاص والطريق الخاص.

(شرح مجلة الاحكام مادة ۱۰۰۸ ص۵۹۵)

ومثله في بدائع الصنائع ج۵ ص۱۱ كتاب الشفعة.

[2] وذكر في الهداية عن محمدؒ وزفرؒ رحمهما الله وهو رواية عن ابي يوسفؒ ان يمهل ويؤجل للخاصمة شهرا من غير عذر تبطل شفعته وتفتى على قولهما. (الفتاوى الهندية ج۵ ص۱۷۲ الباب الثالث فيما يبطل به الشفعة)

ومثله في تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۸۳ كتاب الشفعة.

غیر مسلم کو حق شفعہ حاصل ہے

سوال:- ہمارے گاؤں میں ایک عیسائی صاحب آباد ہیں، اس کے قریب ایک مسلمان نے اپنی زمین کسی دوسرے مسلمان پر فروخت کی۔ اب اس غیر مسلم عیسائی نے اس زمین پر شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے، تو کیا کسی غیر مسلم کو مسلمان کی زمین پر شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام نے جس طرح ایک مسلمان کو شفعہ کا حق دیا ہے تو اسی طرح کافر (غیر مسلم) کو بھی شراکت یا جوار کی وجہ سے مبیعہ پر شفعہ کا حقدار قرار دیا ہے[1] اس لیے صورت مسئولہ میں اس عیسائی کا دعویٰ شفعہ درست ہے۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله: أما اسلام الشفیع فلیس بشرط لوجوب الشفعة فتجب لأهل الذمة فیما بینهم وللذمی علی المسلم لأن هذا حق التملك علی المشتری بمنزلة الشراء منه والکافر والمسلم فی ذلك سواء لأنه من الأمور الدنیویة۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۵ فصل شرائط الشفعة)

حمل کو بھی حق شفعہ حاصل ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! آج سے تقریباً ۱۴، ۱۵ سال پہلے میں نے ایک قطعہ زمین خریدا تھا، اب اس پر ایک نوجوان (جس کی عمر بھی ۱۴، ۱۵ سال کے لگ بھگ ہے) شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ جس وقت میں نے زمین خریدی تھی یہ لڑکا اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا، کیا اس لڑکے کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- آپ کی خریداری کے وقت اگر یہ لڑکا پیدا ہو چکا تھا تو اس کو بالغ ہونے تک شفعہ کا حق حاصل ہے اور اگر پیدا نہیں ہوا تھا لیکن ماں کے پیٹ میں تھا پھر بھی شریعت اسلامی اس کو شفعہ کا حقدار قرار دیتی ہے بشرطیکہ آپ کے زمین خریدنے

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: وتثبت الشفعة عند المالکیة والشافعیة والظاهریة للذمی الکافر علی المسلم کما قال الحنفیة..... واتفق الفقهاء علی أن الشفعة تثبت للذمی علی الذمی۔ (الفقه الإسلامی وأدلته ج۵ ص۸۰۳ المبحث الثالث الشفیع)

ومثله فی اللباب شرح الکتاب (المیدانی) ج۲ ص۱۱۲ کتاب الشفعة۔

اور بچے کی ولادت میں کم از کم چھ ماہ کی مدت ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر حق شفعہ باطل ہے۔

وفی الهندیة: والحمل فی استحقاق الشفعة والکبیر سواء فان وضعت لاقل من ستة اشهر منذ وقع الشراء فله الشفعة وان جاءت به لستة اشهر فصاعدا منذ وقع الشراء فانه لا شفعة له لانه لم یتیقن وجوده وقت البیع۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۱۹۱ الباب الثانی عشر فی شفعة الصبی) [1]

حق شفعہ سن بلوغ تک موقوف ہوگا

سوال: جناب مفتی صاحب! میری صغر سنی میں میری زمین کے قریب کچھ زمین فروخت ہوئی تھی، اُس زمانے میں میرا کوئی ولی نہیں تھا اور اب میں بالغ ہو چکا ہوں تو کیا اس زمین پر مجھے شرعاً حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ ایک صاحب نے مجھے کہا ہے کہ مدت طویلہ گذر جانے کی وجہ سے آپ کا حق شفعہ باطل ہو چکا ہے مہربانی فرما کر شریعت کے مطابق میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب: شریعت اسلامی میں یہ ہے کہ جب شفیع نابالغ ہو تو اُس کے باپ دادا کو شفیع کے لیے حق شفعہ کا مطالبہ کرنا چاہیئے لیکن جس کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو یہ حق اس کے سن بلوغ تک باقی رہتا ہے، اس طرح اگر حقیقتاً اُس وقت آپ کا کوئی ولی نہیں تھا اور آپ اب بالغ ہوتے ہیں تو آپ کو شفعہ کا حق حاصل ہے، ایسی صورت میں مدت طویلہ کا گذرنا آپ کے حق شفعہ کو باطل نہیں کرتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: الجواب نعم وفی الاصل الوصی یطلب الشفعة للصغیر ویقوم مقامه فی تولیها کالاب والجد..... فان لم یکن له احد من هؤلاء فهو علی شفعته اذا ادرک فاذا ادرک وقد

---

[1] قال العلامة محمد الشهیر الطوری رحمه الله: صح تسلیمهم الشفعة من الاب والوصی والوکیل یعنی ان الحمل والصغیر فی استحقاق الشفعة کالکبیر لاستوائهما فی سببه فیقوم بالطلب والاخذ والتسلیم من یقوم مقامهما الخ (البحر الرائق ج۸ ص۱۴۷ فی آخر کتاب الشفعة)

ثبت له خیار البلوغ والشفعة ...اھ (تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۸۳ کتاب الشفعة) لے

بیع فاسد پر شفعہ کرنا

سوال:- کیا بیع فاسد میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ مبیعہ بائع کی ملکیت سے کلی طور پر نکل چکا ہو، بیع فاسد میں مبیعہ چونکہ بائع کی ملکیت میں حق فسخ کے استفادہ تک باقی رہتا ہے اس لیے حق فسخ یا مبیعہ کو واپسی کے استفادہ تک شفیع کو شفعہ کرنے کا شرعاً اختیار نہیں۔

لما فی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۲۴: یشترط ان یزول ملک البائع عن المبیع بناءً علیه لا تجری الشفعة فی البیع الفاسد ما لم یسقط حق استرداد البائع۔

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۷۱۳ الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعة) ۲ے

شفعہ کا ہبہ یا بیع صحیح نہیں

سوال:- کیا کوئی شخص اپنا حق شفعہ کسی پر فروخت یا بلا عوض ہبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- شفعہ ایک ایسا حق ہے جو نہ تو فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بطور ہبہ کسی کو دیا جا سکتا ہے، اگر کسی نے ایسا کر دیا تو اس کا حق شفعہ اس سے ساقط ہو جائے گا۔

قال العلامة علاء الدین الحصکفی رحمه الله: ویبطلها صلحه منها عن عوض ...

لے قال العلامة علی بن محمد الحمادی: ذکر فی الخانية: ان الصغیر هو کالکبیر فی طلب الشفعة ثم علیهم لا بالاولاد ولا جداد ...... علی الترتیب السابق فی فصل البیع وفی الاصل او وصی یطلب شفعة الیتیم ویقوم بلوازمها کالاب والجد وان لم یکن واحد منهم فهو علی شفعته اذا ادرک ...... وقال محمد لا تبطل الشفعة ویشهد علی الاخذ بعد البلوغ فاذا بلغ وقد ثبت له خیار البلوغ۔ (آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین ج۲ ص۲۲۱ فصل فی الشفعة)

۲ے قال الشیخ وهبة الزحیلی: الشرط الثالث ان یکون العقد صحیحاً اتفق الفقهاء علی هذا الشرط لان المطلوب هو زوال حق البائع فی المبیع فلا تثبت الشفعة فی المشتری شراءً فاسداً۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۲۱ المبحث الثانی شروط الشفعة)

ومثله فی الهندية ج۵ ص۱۶۱ کتاب الشفعة - الباب الاول۔

بیع شفعۃ لہا۔ قال ابن عابدینؒ: لانہا لیست بحق متقرر فی المحل بل مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ۔ (رد المحتار ج۴ ص۲۲۰ کتاب الشفعۃ باب ما یبطلہا) ؎۱

بیع وفاء پر شفعہ کا حکم

سوال: کیا بیع الوفاء میں شفیع مبیع پر شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شفعہ کے لیے ضروری ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت سے مکمل طور پر نکل جائے، چونکہ بیع الوفاء میں مبیع ابھی تک بائع کی ملکیت میں ہے اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بیع الوفاء میں شفیع کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

قال الشیخ وہبۃ الزحیلیؒ: الشرط الاول: خروج العقار عن ملک صاحبہ خروجاً باتاً یجب ان یزول ملک البائع عن العقار المبیع من طریق البات النہائی۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۵ ص۸۱۵ البحث الخامس شروط الشفعۃ) ؎۲

اموال منقولہ پر شفعہ صحیح نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا اموال منقولہ میں حق شفعہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: شفعہ وہ حق ہے جو ایک شخص کو اموال غیر منقولہ میں خریداری یا تبادلہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے لہذا اموال منقولہ میں حق شفعہ ثابت نہیں اس لیے کہ حق شفعہ کی مشروعیت جس فلسفہ ضرر کی وجہ سے ہوئی ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

وفی مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۱۷: یشترط ان یکون المشفوع ملکاً عقاراً

؎۱ قال العلامۃ المیدانی رحمہ اللہ: وان صالح من حق شفعتہ علی عوض اخذہ او باعہ ایاہ بطلت الشفعۃ لوجود الاعراض ویرد العوض لبطلان الصلح والبیع لانہا مجرد حق التملک فلا یصح الاعتیاض عنہ لانہ رشوۃ۔
(اللباب شرح الکتاب (للشیخ المیدانی) ج۲ ص۱۱۲ کتاب الشفعۃ)

؎۲ وفی الہندیۃ: ومنہا زوال ملک البائع عن المبیع فاذا لم یزل لا تجب الشفعۃ کما فی البیع بشرط الخیار۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۱۶۱ کتاب الشفعۃ، الباب الاول)

بناءً عليه لا تجري الشفعة في السفينة وسائر المنقولات وعقارات الوقف والأراضي الأميرية. (وكذا في شرح مجلة الأحكام ج۲ ص۷۶۲، المقصد الثاني في بيان شرائط الشفعة)[1]

قتلِ عمد کے عوض لی گئی زمین پر شفعہ کرنا

سوال: ایک شخص نے کسی آدمی کو قتل کر دیا، علاقائی جرگہ نے راضی نامہ کرتے ہوئے قاتل کی طرف سے کچھ زمین اور ایک لاکھ روپے نقد مع سونا مقتول کی اولاد کو دینے کا فیصلہ کیا۔ اب اس زمین کے قریب ایک مال دار آدمی کی زمین ہے اور اس نے عدالت میں شفعہ کا دعویٰ کر دیا ہے اور کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے اس زمین کی قیمت ۲۰ ہزار روپے ظاہر کی جبکہ حقیقت میں وہ زمین تین چار لاکھ روپے کی ہے۔ تو کیا اس طرح قتلِ عمد پر صلح کے عوض لی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: ثبوتِ شفعہ کے لیے چونکہ مشفوعہ زمین کے عوض معاوضہ کا ہونا ضروری ہے جو صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، اس بنا پر فقہائے کرام نے قتلِ عمد کی صلح میں دی ہوئی زمین پر حقِ شفعہ کو معدوم قرار دیا ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی اس زمین پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة علي حيدر رحمه الله: والصلح عن دم العمد فلا تثبت الشفعة لأنه لو تثبت الشفعة فيه لزم أن يأخذ الشفيع إما بقيمته وعيانًا ولا يمكن الأخذ بالقيمة لأن البائع لم يكن التزم بملكيته

---

[1] قال الشيخ وهبة الزحيلي: اتفق المسلمون على أن الشفعة حق في العقار من دور وأرضين وبساتين وما يتبعها من بناء وشجر واختلفوا فيما عداها فقررت المذاهب الأربعة أنه لا شفعة في منقول كالحيوان والثياب والعروض التجارية اهـ. (الفقه الإسلامي وأدلته ج۵ ص۷۹۵ المبحث الثاني: محل الشفعة)

[2] ومثله في اللباب شرح الكتاب ج۲ ص۴۳ كتاب الشفعة.

حتی لا یستطیع الشفیع اخذہ بالقیمۃ۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج۲ ص۷۲۰ المادۃ ۱۰۲۱ الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعۃ) ؎۱

حق مہر میں دی گئی زمین پر شفعہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص بوقت نکاح اپنی بیوی کو حق مہر میں کچھ زمین دیدے تو کیا اس زمین پر کسی کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق شفعہ کے ثبوت کے لیے معاوضہ مالی ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے احناف کے ہاں حق مہر میں دی گئی زمین پر کسی کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابوالحسن القدوری رحمہ اللہ: ولا شفعۃ فی الدار التی یتزوج الرجل علیھا او یخالع المرأۃ بھا۔ (الکتاب الشہیر بمختصر القدوری علی صدر اللباب ج۲ ص۹۴ کتاب الشفعۃ) ؎۲

صلح میں دی گئی جائیداد پر شفعہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی آدمی پر ایک لاکھ روپے کا دعویٰ کیا جبکہ مدعا علیہ اس سے منکر ہے لیکن مدعی کچھ زور آور ہے، اس پر علاقائی جرگے نے دونوں کے

؎۱ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: لکن اختلفوا فی التملک بعوض غیر مالی کالمھر وبدل الخلع واجر طبیب او محام مثلاً او اجرۃ دار او عوض فی الصلح عن دم عمد فقال الحنفیۃ والحنابلۃ یشترط ان یکون عقد المعاوضۃ مال بمال فلا شفعۃ اذا کان العوض غیر مال کما فی ھذہ الاحوال لان الشیٔ فی المعاوضۃ غیر المالیۃ یشبہ الموھوب والموروث۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۵ ص۸۲۰ المبحث الخامس شروط الشفعۃ)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۵ ص۱۶۱ کتاب الشفعۃ۔ الباب الاول۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ولا تجب الشفعۃ فی دار جعلت مھر امرأۃ او اجرۃ او عوض عتق اھ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۱۶۱ کتاب الشفعۃ۔ الباب الاول۔

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۳۶ کتاب الشفعۃ۔ باب ما تثبت ھی فیہ او لا تثبت۔

درمیان اس طرح فیصلہ کیا کہ مدعا علیہ مدعی کو پانچ کنال زمین دے گا۔ چنانچہ مدعا علیہ نے مدعی کو دیدی ہے۔ اب ایک تیسرا آدمی اس زمین پر شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقِ شفعہ کے ثبوت کے لیے اموالِ غیر منقولہ کا باہمی معاملہ مالی کے عوض ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں معاملہ مالی ہے اگرچہ ایسا مصالحتاً ہی ہوا ہے لیکن اس کے باوجود شفیع شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: ومنها عقد المعاوضة وهو البيع او ما هو في معناه فلا تجب الشفعة فيما ليس ببيع ولا بمعنى البيع حتى لا تجب بالهبة والصدقة والميراث والوصية ...... وتجب الشفعة في الدار التي هي بدل الصلح سواء كان الصلح على الدار عن اقرار او انكار او سكوت لوجود معنى المعاوضة۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۱۰ کتاب الشفعة وجوب الشفعة)[1]

طلبِ اشہاد کے وقت حدودِ اربعہ بیان کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص طلبِ اشہاد گواہوں کے سامنے کر رہا ہو تو کیا اس کو جید پر حقِ شفعہ کے اثبات کی وجہ اور مبیع کا حدودِ اربعہ بیان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ جب شفیع طلبِ مواثبت کے بعد گواہوں کے سامنے طلبِ اشہاد کر رہا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبیعہ کا حدودِ اربعہ اور اپنا تعلق بیان کرے تاکہ بات میں کوئی پوشیدگی باقی نہ رہے۔

قال العلامة عبد الرحمن شيخ زادهؒ: او يشهد على المشتري وهو في يده بان يقول انا اطلب منك الشفعة في دار اشتريتها من فلان حدودها كذا او انا شفيعها بالشركة في الدار والطريق نصا بالجوار يذكر حدودها لان افلهنا

---

[1] وفي الهندية: منها عقد المعاوضة وهو البيع او ما هو بمعناه فلا تجب الشفعة فيما ليس ببيع ولا بمعنى البيع ...... ولكن تجب في الدار المصالح عنها عن اقرار۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۱۶۰ كتاب الشفعة۔ الباب الاول)

فی خلاف ان یبین حدود الارض مع کل واحدة من مراتب الثبوت ۔

(مجمع الانہر ج ۲ ص کتاب الشفعة) ۔ ۱ھ

طلب اشہاد میں تعداد شہداء کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! کیا طلب اشہاد کے لیے گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اور کیا اس میں بھی دیگر معاملات کی طرح تعداد شہداء اور دیگر شرائط کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ طلب مواثبت کے بعد شفیع کے لیے ضروری ہے کہ وہ گواہوں کے سامنے مبیع کے پاس یا بائع و مشتری میں سے کسی کے سامنے اپنے شفعہ کو طلب کرے مگر گواہوں کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دو شرطوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے (۱) یا تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے (۲) یا پھر عدالت کی شرط لازمی ہے ۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک کوئی شرط ضروری نہیں متاخرین نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے ۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی : ویشترط فی هذا الطلب ان یکون علی فور الطلب الاول والاشهاد علیه بان یشهد الشفیع علی رغبته بالشفعة رجلین او رجل و مرأتین ۔

(الفقه الاسلامی و ادلته ج ۵ ص مراحل طلب الشفعة) ۔ ۲ھ

۱ھ قال العلامة علی حیدر افندی : یعنی علی المشتری سواء کان المشتری قابضاً للمشفوع ام کان غیر قابض فی حضور نصاب الشهادة من الشهود انک اشتریت العقار الفلانی المحدود بالحدود الفلانیة ومالی خلیط فی حق المبیع مثلاً انا شفیعها وقد طلبت الشفعة وانا اطلبها الآن ایضاً واشهد ایها الشاهدان اشهدا ۔ (درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج ۲ ص تحت المادة ۱۰۲۹ الفصل الثالث)

۲ھ قال العلامة الکاسانی رحمه الله : هل تشترط فیه العدد والعدالة فعلی الخلاف المعروف فعلی قول ابی حنیفة یشترط احد شطری الشهادة العدد فی المخبر رجلان او رجل وامرأتان واما العدالة وقال ابو یوسف و محمد لا یشترط فیه العدد ولا العدالة

(بدائع الصنائع ج ۵ ص فصل فی بیان ما یتأکد به حق الشفعة)

ومثله فی مجموعة قوانین اسلام ج ۶ ص کتاب الشفعة

حق شفعہ میں شریک فی الشرب مقدم ہے

سوال:۔ ایک جگہ زمین کا ایک ٹکڑا فروخت ہوا، اس پر دو آدمیوں نے حق شفعہ دائر کر دیا ہے مگر دونوں کے اسباب مختلف ہیں، ان میں سے ایک آدمی بائع کے ساتھ راستے میں شریک ہے اور دوسرا پانی میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے کس کو شفعہ کا صحیح حقدار سمجھا جائے گا؟

الجواب:۔ شفعہ کے ثبوت کے لیے اگرچہ دونوں اسباب مساوی ہیں لیکن باعتبار ضرر راستے کا شریک زیادہ مقدم ہے۔ اس لیے علماء نے شریک فی حق الشرب کو راستے کے حق میں شریک پر مقدم کیا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پانی کا شریک حق شفعہ میں دوسرے پر مقدم ہے۔

فی مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۱۲: حق الشرب مقدم علی حق الطریق۔

قال العلامۃ علی حیدرؒ: تحتہ یعنی حق الشرب وحق الطریق وان کانا متساویین من حیث کونہما من اسباب الشفعۃ لکن فی حال اجتماعہما یقدم حق الشرب علی حق الطریق۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۶۹۹ قبل الفصل الثانی فی بیان شرائط الشفعۃ) [1]

مہر مسمّٰی کے عوض میں ملنے والی زمین شفعہ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص نے شادی کے وقت بیوی کو حق مہر میں پچاس ہزار روپیہ لکھوایا، اب عورت نے حق مہر کا مطالبہ کیا ہے تو شوہر نے نقدی نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو کچھ زمین دے دی، اس پر اس کے شوہر کے بھائی نے جو اس کے ساتھ اس زمین میں شریک ہے حق شفعہ کا دعویٰ کر لیا ہے تو کیا اس کو شرعاً شفعہ کا حق حاصل ہے؟

---

[1] قال العلامۃ ابراہیم الحلبی رحمہ اللہ: لو شارکہ احد فی الشرب وآخر فی الطریق فصاحب الشرب اولیٰ من صاحب الطریق۔

(الدر المنتقی علی هامش مجمع الانہر ج ۲ ص ۴۷۲ کتاب الشفعۃ)

ومثلہ فی شرح المجلۃ لخالد الاتاسی ص ۵۸۲ المادۃ ۱۰۱۲ قبل الفصل الثانی۔

الجواب:۔ حق مہر میں بیوی کو جو زمین دے دی جائے اگرچہ شرعاً اس پر شفعہ ثابت نہیں ہوتا، مگر صورتِ مسئولہ میں معاملہ الگ ہے، یہ زمین عورت کو اس پچاس ہزار روپے نقد حق مہر کے عوض دی گئی ہے جو کہ ایک مالی معاملہ ہے، اس لیے شوہر کے بھائی کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

وفی الہندیۃ: ولو تزوجہا علی مہر مسمی ثم باعہا بذلک المہر لا تجب للشفیع فیہا الشفعۃ ولکن اذا تزوجہا علی غیر مہر ففرض لہا القاضی مہرا ثم باعہا بذلک المفروض تجب للشفیع فیہا الشفعۃ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۱۶۲ کتاب الشفعۃ، الباب الاول) ۱؎

تحفہ کے عوض میں ملنے والی زمین پر شفعہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے دوست کو اپنے خرچہ میں امریکہ کا ویزہ دلایا تو دوست نے تحفہ کے طور پر اپنی جائیداد میں سے کچھ اس کے نام ہبہ کر دی، واہب کے بھائی کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے اس پر شفعہ کر دیا، تو کیا واہب کے بھائی کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہبہ کی ہوئی زمین پر اگرچہ شفعہ صحیح نہیں مگر صورتِ مسئولہ میں چونکہ معاملہ مالی ہے اس لیے فقہاء کرام نے شفعہ کو حقِ شفعہ کے ثبوت کی تصریح کی ہے بشرطیکہ جانبین نے اپنے موہوبہ پر قبضہ کر لیا ہو۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: لا تجب بالہبۃ والصدقۃ والمیراث والوصیۃ ..... وان کانت الہبۃ بشرط العوض فان تقابضا وجبت الشفعۃ لوجود معنی المعاوضۃ عند التقابض۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۰ فصل شرائط وجوب الشفعۃ) ۲؎

۱؎ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: اذا جعلت بدل الصلح والمہر والاجرۃ لعقد تثبت فیہ الشفعۃ لانہ مبادلۃ مال بمال لانہ بدل ما فی ذمتہ من المہر۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۴۶ کتاب الشفعۃ باب ما تثبت فیہ الشفعۃ او لا تثبت)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲ کتاب الشفعۃ، فصل فی شرائط وجوب الشفعۃ۔

۲؎ وفی مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۱۰۲۲: الہبۃ بشرط العوض فی حکم البیع بناء علیہ لو وہب وسلم احد داره المملوکۃ لآخر بشرط العوض یکون لجاره الملاصق شفیعا

(درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۶۴۳ الفصل الثانی فی شرائط الشفعۃ)

ومثلہ فی درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۲ ص ۶۴۴ الفصل الثانی فی شرائط الشفعۃ۔

زمین کا تبادلہ کرنے پر حقِ شفعہ ثابت ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ زمینوں کا تبادلہ کیا اور دونوں کے شفعاء بھی موجود ہیں۔ اب ان دونوں میں سے کس زمین پر شفعہ کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ چونکہ دونوں بدلین اموالِ غیر منقولہ ہیں اور معاوضہ مالی ہے اس لیے دونوں کی زمین قابلِ شفعہ ہے لہٰذا دونوں کے شفعاء کو حقِ شفعہ حاصل ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: منها معاوضة المال بالمال فلا تجب فی معاوضة المال بغیر المال..... ومنها معاوضة عین المال بالمال فلا تجب فی معاوضة عین المال بما لیس بعین المال۔ (بدائع الصنائع ج۵ فصل شرائط وجوب الشفعة) ۔[1]

بحیثیت کرایہ دار کسی کا حقِ شفعہ ثابت نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنا مکان کسی ایسے شخص پر فروخت کرے جو بداخلاق اور بدکردار ہو تو کیا اس کا پڑوسی جو کہ اس کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو اس پر شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہ حنفی میں شفعہ کے استحقاق کے لیے شفیع کا اپنے ذریعہ شفعہ کا مالک ہونا ضروری ہے صورتِ مسئولہ میں شفیع چونکہ مکان کا اصلی مالک نہیں بلکہ کرایہ دار ہے اس لیے اس کو شفعہ کا حق حاصل نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: وملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یأخذ بها بالشفعة لأن سبب الاستحقاق جوار الملك والسبب انما ینعقد سببا عند وجود الشرط۔ (بدائع الصنائع ج۵ فصل شرائط وجوب الشفعة) ۔[2]

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: وان بیع عقار بعقار (مقایضة) وکان شفیعهما واحدا اخذ الشفیع کل واحد من العقارین بقیمة الآخر لانه بدله وهو من ذوات القیم فیأخذه بقیمته وان اختلف شفیعهما یأخذ شفیع کل منهما ماله فیه الشفعة بقیمة الآخر۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۰۱ المبحث الرابع فی احکام الشفعة)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: اتفق الفقهاء على شرط کون الشفیع مالکا ما یشفع به قبل البیع واختلفوا فی استمرار الملك حتی القضاء بالشفعة على رأیین فقال الحنفیة یشترط استمرار ملك الشفیع حتی یقضی له بالشفعة الخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۲۲ المبحث الخامس شروط الشفعة بالشرط الرابع)

رجسٹری یا انتقال نہ ہونے کی صورت میں شفعہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنی دس کنال زمین فروخت کی لیکن ابھی تک قانونی طور پر باضابطہ رجسٹری نہیں ہو سکی، تو کیا شفعہ کا حق دار اس زمین پر شفعہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی نقطہ نظر سے بیع ایجاب وقبول سے تام ہو جاتی ہے، مروجہ قانون کے مطابق رجسٹری یا انتقال کی ضرورت نہیں، شفعہ کے لیے نفس ایجاب وقبول ہی کافی ہے۔

وفی مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۲۴: الشفعة لا تثبت الا بعقد البیع البات الصحیح۔
(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ج۲ ص۶۹۳ الفصل الثانی فی شرائط الشفعة)[1]

مشتری کے مرنے سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک آدمی مثلاً زید نے عمرو کے متصل کچھ زمین خریدی مگر عمرو کو اس کی خبر نہ ہوئی اور اس دوران میں زید کا انتقال ہو گیا، ایک ہفتہ بعد عمرو کو زمین خریدنے کی خبر ہوئی، اب عمرو شفعہ کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ میت پر شفعہ کرے یا اس کے ورثاء پر؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ مشتری (خریدنے والے) کے مرنے سے شفیع کا حق شفعہ باطل نہیں ہوتا بلکہ شفعہ کا دعویٰ کرنا بدستور باقی ہے، البتہ مشتری کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء سے حق شفعہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔

قال الامام القدوریؒ: واذا مات المشتری لم تسقط الشفعة۔
(مختصر القدوری ص۹۲ کتاب الشفعة)[2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: الشرط الاول خروج العقار عن ملك صاحبه خروجاً باتاً یجب ان یزول ملك البائع من العقار بالبیع من طریق البیع البات النهائی اللازم الذی لاخیار فیه۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۵ ص۸۱۸ المبحث الخامس شروط الشفعة)

[2] وفی الهندیة: ولا تبطل بموت المشتری وللشفیع ان یأخذ من ورثته۔ الخ
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۱۸۲ الباب التاسع فیما یبطل به حق الشفعة بعد ثبوته ومالا یبطل)
ومثله فی الهدایة ج۴ ص۴۰۶ کتاب الشفعة، باب ما تبطل به الشفعة۔

شفیع برابر ہوں تو دونوں شفعہ کا حق رکھتے ہیں

سوال:۔ ایک گھر دو گھروں کے درمیان واقع ہے تینوں گھروں کا پشت اور دروازے گلی ایک طرف ہیں اور راستہ بھی سب کا ایک ہے۔ اب درمیان والا گھر ایک پڑوسی نے خرید لیا ہے تو کیا دوسرا پڑوسی شفعہ کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں دوسرے پڑوسی کو شفعہ کرنے کا حق حاصل ہے اور شفعہ کرنے کے بعد یہ خریدا ہوا گھر دونوں پڑوسیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔

وفی الهندية: ولو ان رجلاً اشترى داراً وهو شفيعها الآخر ثم جاء شفيع مثله قضى القاضي بنصفها وان جاء له شفيع آخر اولى منه فان القاضي يقضي له بجميع الدار وان جاء شفيع دونه فلا شفعة له۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۱۶۸ الباب [illegible] الدار [illegible])

کسی کے حق شفعہ کو ختم کرنے کے لیے اصل رقم سے زائد لکھوانا

سوال:۔ آجکل مکان یا زمین کی خرید و فروخت میں یہ بات عام ہے کہ مشتری یا بیع کسی کے شفعہ کرنے کے خوف سے بیع نامہ میں اصل رقم سے کئی گنا زیادہ قیمت مثلاً دس لاکھ کی بجائے چالیس لاکھ روپے لکھوا لیتا ہے اور بائع بھی اس پر راضی ہوتا ہے۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں مشتری کا ایسا کرنا شفیع کے حق شفعہ کو دھوکا اور فریب سے ساقط کرنے کے مترادف ہے اس لیے اس کا یہ عمل موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد عثمانیؒ: اس طرح کرنا جائز نہیں (امداد الاحکام ج۴ ص۱۶۳)

ثم قال العلامة الحصكفيؒ: ولكن لو كان المشتري غائباً فطلب الحاضر البعض لا يأخذه إلا كله [illegible] وطلب قضى له بيه) فلو مثل الاول قضى له بنصفه ولو فوقه فبكله ولو دونه منعه الخ۔ قال العلامة ابن عابدينؒ تحت قوله (فلو مثل الاول) اي لو كان الذي حضر مثل الاول كشريكين او جارين الخ (رد المحتار على الدر المختار ج۶ ص۲۲۲ كتاب الشفعة)

وبمثله في خلاصة الفتاوى ج۴ ص۱۶۸ كتاب الشفعة الفصل الثالث في المتفرقات۔

مسودۂ قانونِ شفعہ پر مجلسِ شوریٰ میں کی گئی تقریر

قانونِ شفعہ کا مسودہ ایوان میں پیش ہونے پر ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو وزیر عدالت مشورہ پر گرما گرم بحث ہوئی کہ اس مسودہ کو عوام کی رائے سے حاصل کرنے کے لیے مشتہر کیا جائے۔ اسی گفتگو کی تقریر اسے نذرِ قارئین کیا جاتا ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس بحث میں ایوان میں مختصر مگر پرمغز اور مدلل تقریر کی جسے قانونِ شفعہ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔

مرتب

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق: یہ ایک اسلامی قانون کا مسودہ ہے اور یہ پہلا اسلامی قانون ہے جو اس ایوان میں آیا ہے جو اصولی طور پر مجلسِ شوریٰ کا اہم مقصد اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنا ہے اور اس سمت میں یہ ایک اہم قدم ہے۔ مجلسِ شوریٰ کے لیے جو رہنما اصول مقرر کیے گئے ہیں ان میں یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کے نفاذ کو تیز کرنے میں مدد دینا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ بھی دو اور اسلامی قانون جو گواہی اور دیت و قصاص کے متعلق تھے وہ بھی سٹینڈنگ کمیٹی کی نظرِ کرم سے مؤخر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اگر اب اس مسودہ کی تاخیر یا التواء کے لیے بھی آج تحاریک پیش کی جا رہی ہیں تو اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو یہ افسوسناک معاملہ ہوگا اور اس کا برا اثر پڑے گا۔ ہماری حالت تو اسلامی نظام کے نفاذ کے بارہ میں یہ ہو گئی ہے کہ

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

یہاں کچھ حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس مسودہ کو عوام کی رائے جاننے کے لیے مشتہر کیا جائے، اگرچہ یہ مقصد پہلے بھی حاصل ہو چکا ہے، لیکن اس سلسلے میں میں عرض کرتا ہوں کہ کیا اسلام ہمیں یہ حق دیتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو نافذ کرنے کے لیے عوام سے

اجازت لی جائے اور اس کے بارے میں عوام سے استصواب کریں؟ خدا اور رسولؐ کے طے شدہ قوانین اور احکام کے بارے میں اسلام ہمیں ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بارے میں عوام سے پوچھیں۔ ہمارے عوام بہت اچھے ہیں لیکن اگر خدانخواستہ عوام نے استصواب کے نتیجے میں کسی اسلامی قانون کو مسترد کر دیا تو گویا یہاں حاکمیت عوام کی ہے یا حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یہ عوام والی بات کے دور سے تو ہم گذر چکے ہیں اور اس کا خمیازہ بھی ہم نے بہت بھگت لیا ہے۔ یہ اہم ترین مسئلہ ہے نہ تو اس لحاظ سے میری گذارش یہ ہے کہ اسے اہم ترین مسئلہ سمجھا جائے۔ یہاں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں جان و مال اور جائیداد کے حقوق کے تحفظ اور سلاطین کے ظلم و تعدی اور زیادتی سے بچنے کا سوال ہے۔ اسلام کی نگاہ میں مال اور جائیداد کا تحفظ اور کسی کے ظلم و زیادتی سے بچانا اور بچنا ایک اہم ترین سوال ہے۔ تو اس لحاظ سے میں تمام معزز ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دینی جذبہ اور پوری گرمجوشی کے ساتھ اس مسودے کا خیر مقدم کریں اور اس پر بحث کریں۔ یہ پہلا مسودہ ہے جو عرصہ دراز کے بعد اسلامی قوانین پر مبنی یہاں آیا ہے۔ آپ سب خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سامنے ایسا مسودہ آیا ہے۔ اس میں اگر کچھ خامیاں اچھائیاں اور اختلافات ہیں بھی تو وہ ترامیم کی شکل میں پیش کی گئی ہیں یا پیش کی جائیں گی اور ان کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان معروضات کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(رپورٹنگ وفاقی کونسل سیکرٹریٹ)

۱۲ اپریل ۱۹۸۴ء کی شام کی نشست میں مولانا سمیع الحق نے شفعہ کے مسودہ پر تقریر کی، وفاقی کونسل کے سیکرٹریٹ کی طرف سے شائع شدہ تقریر حسب ذیل ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب چیئرمین! میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا، کافی حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ شفعہ کے اس قانون کے بارے میں کچھ بنیادی نکتے اٹھائے گئے ہیں میں ان کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ سب سے پہلے فاضل مقرر کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ قرآن مجید میں

یؤذنه فهو احق به۔ (الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة۔ حدیث ۸۸۸ کتاب الشفعة)
(ترجمہ) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے فیصلہ دیا شفعہ میں مشترک حصہ میں جب تک وہ تقسیم نہ ہوا ہو خواہ وہ مکان ہو یا باغ تو اس میں شفعہ کا حق ہوگا شریک کو جو ملکیت میں شریک ہو" پھر اس میں قضٰی رسول اللہؐ کا لفظ ہے کہ صرف فرمایا نہیں بلکہ فیصلہ دیا حضورؐ نے، قضٰی کا مطلب فیصلہ دینا ہے جس کا ایک فاضل رکن نے مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے،۔

لقوله علیه السلام، بالشفعة فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلاشفعة۔ (الهدایة ج۴ ص۳۸۶ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا ہر اس چیز میں فیصلہ کیا جو ہنوز تقسیم نہ کی گئی ہو اور شرکت باقی ہو لیکن جب اس کی حدود متعین اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اب دیر بنائے شرکت (شفعہ) نہیں رہا۔"

شفعہ ان تمام جائیدادوں میں ہے جب تک وہ تقسیم نہ ہوئی ہوں۔ آگے حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا۔ فاذا وقعة الحدود و صرفت الطرق فلاشفعة۔ مثلاً اگر چار بھائیوں کی مشترکہ زمین ہے اور انہوں نے اسے تقسیم کر لیا اور اس کی حد بندی کر دی یا حقوق میں اشتراک ہے اور راستے الگ کر دیئے گئے تو پھر اس پر شفعہ کا کوئی حق نہیں۔۔۔ اس سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دو بھائیوں میں زمین مشترک تھی، ایک ملکیت میں شراکت کی وجہ سے ان کو شفعہ کا حق تھا لیکن جب زمین تقسیم ہو گئی تو ان کا حق شفعہ نہیں رہا اب اگر رشتہ داری کی وجہ سے بھی ان کو شفعہ کا حق مل سکتا ہوتا تو حضورؐ یہ نہ فرماتے کہ اب حق شفعہ نہیں رہا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دو سگے بھائیوں میں، یا باپ اور بیٹے میں بھی اگر زمین تقسیم ہو گئی تو پھر دیر بنائے شراکت (شفعہ کا حق نہیں ہوگا کیونکہ ملکیت میں اب شراکت نہیں ہے) پھر جوار (پڑوسی) کی وجہ سے اگر وہ چاہے گا تو حق جوار کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق حاصل ہوگا جس میں اجنبی اور رشتہ دار سب برابر ہیں۔ یہ تو شریک کے بارے میں حدیث ہے، اسی طرح جار (پڑوسی) کے حق شفعہ کو دیکھئے۔ امام ابو داؤدؒ کی کتاب (سنن ابی داؤد) صحیح اور مستند ہے تمام مسلمانوں کے نزدیک، اس میں حضورؐ سے روایت ہے کہ جار الدار احق بدار الجار والارض جو مکان کا پڑوسی ہے یا جو زمین کا پڑوسی ہے وہ اس پڑوسی ہونے کی وجہ سے حقدار ہے اگرچہ شریک فی الملک نہ ہو اور شریک فی الحقوق بھی نہ ہو مگر اس کا حق ہوگا۔ اب ترتیب کیا ہے تینوں کی؟ وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعین فرما دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الشریك احق من الخلیط

والخليط احق من الشفيع ـ (دوسرا قول) (ہدایہ ج ۴ ص ۳۹۵ کتاب الشفعۃ)

یہاں اجتہاد کی باتیں ہو رہی ہیں مگر یہ جتنی باتیں ہیں اجتہاد کی وہاں ہوتی ہیں جہاں حضور اکرم سے پوری ایضاح نہ حاصل ہوئی ہو، مگر حضور نے تو سب کچھ بتا دیا۔ حقدار اور ان کی ترتیب بھی متعین کر دی کہ ملکیت میں شرکت دار ہو تو اس کا پہلا نمبر ہے خلیط سے، خلیط وہ ہے جس کے صرف حقوق ہوں۔ پھر فرمایا کہ الخليط احق من الشفيع، جب خلیط اور پڑوسی کا مقابلہ آئے گا تو جو حقوق میں شریک ہے جو ملکیت میں شریک ہے ان کا حق پہلے ہوگا اس کے بعد جو محض دیوار سے اس سے ملا ہے۔

اسی طرح سنن اربعہ ابو داؤد و ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مذکور ہے:

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجار احق بشفعة جاره ينتظر بها وان كان غائبا اذا كان طريقهما واحدا (ابو داؤد، مسند احمد، ابن ماجه، ترمذي، دارمي) (نصب الراية في تخريج احاديث الهداية ج ۴ ص ۱۷۳ كتاب الشفعة)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ مستحق رکھتا ہے، اگر وہ غائب (غیر موجود) ہو تو شفعہ کے لیے اس کا انتظار کیا جائے مگر یہ شفعہ اسی وقت ہوگا جبکہ دونوں ہمسایوں کا راستہ ایک ہو۔

جو پڑوسی ہے اور اس کا تیسرے نمبر پر حق بنتا ہے تو اب وہ حقدار ہوگا یعنی دوسرے رشتہ داروں سے اور مختلف طبقے کے لوگوں سے اس کا انتظار کیا جائے اگر وہ موجود نہ ہو۔ بشرطیکہ [illegible] آگے یہ بھی فرمایا کہ جب راستہ ایک ہے تو اسے ترجیح دی جائے گی۔

دوسری روایت حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

عن ابي رافع عن النبي صلى الله عليه وسلم يقول الجار احق بسقبه قيل يا رسول الله ما سقبه قال شفعته (الهداية ج ۴ ص ۳۹۵ كتاب الشفعة)

ترجمہ: یعنی پڑوسی اس زمین کا قریب اور نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے، صحابہؓ نے سقب کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ اس سے مراد شفعہ میں اس کا استحقاق ہے، وہ قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح ترمذی میں روایت ہے الجار احق بشفعتہ ـــــ یہاں میں نے مختصراً حضورؐ کی چند روایات پیش کی ہیں کہ حضورؐ نے ان تین شفعاء ہی میں حق شفعہ کو مخصوص، محدود اور محصور کیا ہے اب یہاں ایک سوال اٹھایا گیا کہ جس وقت یہ مسودہ عوام میں مشتہر کیا گیا تھا کہ ان تینوں میں ہم کیوں محدود کریں جبکہ اوروں کی صریح مخالفت تو نہیں۔

جناب والا! یہاں مختلف حضرات تقریریں کرتے ہیں ان کی تمہید عجیب جوش و خروش کی ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری تائید کی طرف آ رہے ہیں، دلائل ہمارے حق میں دیتے ہیں اور آخر میں یکدم پلٹ جاتے ہیں، ان کی تقریروں میں تضادات ہوتے ہیں، آخر یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ شفعہ کے اس مسئلے میں کوئی ابہام یا کوئی پریشانی ہے ہی نہیں، کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ان تین سے بھی زیادہ کو دیا جائے، کبھی کہتے ہیں کہ ان تین میں سے بھی کم کر کے ان کو محدود کیا جائے، تو کچھ نہیں آتی کہ یہ ابہام اور پریشانیاں کس چیز سے پیدا ہو گئی ہیں، اب کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ چونکہ حضورؐ نے اوروں کی نفی تو نہیں کی اور انما کا کلمہ نہیں آیا، حالانکہ یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور قواعد لغت کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کلمہ حصر نہیں ہے یعنی حضور اقدسؐ نے یہ تو نہیں فرمایا "انما الشفعة للشریک" الخ کہ شفعہ ان تین تک محدود ہے کیونکہ انما حصر کا ہے اور وہ کلمہ نہیں اوروں کو بھی ملنا چاہیئے، اور دلیل ان لوگوں نے یہ پیش کی ہے کہ آیت زکوٰۃ میں ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ، مصارف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا کے کلمہ سے مخصوص کر دیئے ہیں، اب جو آٹھ مصارف ہیں ان میں ہم نویں اور دسویں مصرف کا اضافہ نہیں کر سکتے لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے، ایک چیز کو محصور کرنے کے لیے انما کا حرف اور حصر کے کلمات ضروری نہیں ہوتے، الف لام اختصاص وہ بھی تخصیص کے لیے آتا ہے جیسے الحمد للہ ہے، اب اس کا معنی یہ ہے کہ حمد و تعریف و ستائش ساری اللہ کے لیے ہے کسی اور کو ہم حمد میں شریک نہیں کر سکتے ورنہ وہ کفر ہو جائے گا حالانکہ یہاں انما تو نہیں۔ اب الحمد میں "ل" اختصاص کے لیے ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ایک جملہ کا مقام مؤخر ہوتا ہے اور اس کو مقدم کر دیا جاتا ہے وہ بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور تخصیص ثابت کرتا ہے، مثلاً نعبد ایاک ہونا چاہیئے تھا نماز میں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں مگر وہاں [illegible] ایاک نعبد ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں کسی اور کی نہیں کر سکتے۔ یہ حصر کس چیز سے ثابت ہوا؟ [illegible] دوسری جگہ تھا لیکن وہاں سے پہلے آیا اور اس کو پہلے کر دیا۔ یہ تقدیم ما حقہ التاخیر کہلاتی ہے۔ اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ نہیں آیا اس ایوان میں مگر زید تو یہ استثنا بھی حصر کے لیے مفید ہو گیا۔ ما جاءنی من القوم الا زید۔ اور پھر یہ بھی ملحوظ ہے کہ حضور اقدسؐ کے

ہے کہ محنتی اور ایماندار ملازم کی تلاش تو ہر وقت رہتی ہے۔ لیکن اگر وہ محنت نہیں کرتا تو پھر تو مالک کو
بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکال سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں مالک کو بھی غربت سے بچانا ضروری ہے
اور ملازم کو بھی بچانا ضروری ہے۔ غربت سے سب کو بچانا مقصود ہے کسی ایک طبقہ کو نہیں۔ قانون
میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی خاص فرد کا کیا ہوگا یا کسی ایک طبقے کا کیا بنے گا۔ مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک مجرم کو دس سال قید کی سزا دیتے ہیں اور اسے جیل میں ڈال دیتے ہیں تو
پھر آپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اس کے اہل و عیال پر کیا گزرے گی۔ وہ بھوک کے مارے مر جائیں گے۔ ان کا
کوئی کفیل نہیں ہوگا۔ پھر آپ کو یہ حق کہاں ہے کہ آپ اس کو جیل میں ڈالیں۔

ایک شخص قتل کرتا ہے اور عدالت کی طرف سے اُسے قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو
آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس کے خاندان کا کیا بنے گا؟ اور انہیں کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا!
مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر تو آپ چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتے اس لیے کہ اس کے اہل و
عیال بھوکے رہیں گے اور اس کی ساری زندگی تکلیف میں گزرے گی۔ تو قانون مفاد عامہ کے لیے
بنایا جاتا ہے۔

یہاں اس ایوان میں مزارع اور غیر مزارع اور رشتہ دار اور فلاں اور فلاں یہ ایک بحث بن کر
رہ گیا ہے کہ گویا شریعت نے اس معاملہ میں کوئی رہنمائی کی نہیں۔ حالانکہ فقہ میں تمام تفصیلات موجود
ہیں۔ خلافت راشدہ اور خلافت عباسیہ میں کئی کئی منزل مکانات اور عمارتیں موجود تھیں۔ یہ کوئی
مسئلہ نہیں کہ آج اٹھایا جائے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ حق جتنے تو ہر دور میں شفعہ کے حقدار رہے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے
لے کر انگریز کے دور کے آخر تک کسی قانون میں، کسی دور حکومت میں، خلافت عباسیہ، خلافت عثمانیہ
اور ہندوستان میں خلافت مغلیہ میں کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ جو حق حضور نے دیا اس پر تمام
صحابہ کرامؓ اور ائمہ کرامؒ نے اتفاق کیا۔ اسے کہتے ہیں تعامل امت۔ اب اگر ایک امام نے چند
کے حق کی مخالفت کر بھی لی لیکن دوسرے تو متفق ہیں۔ اس کو اصطلاح میں اجماع مرکب کہتے ہیں کہ
ان تین سے زیادہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کا دور آیا، ائمہ کرامؒ کا دور آیا، اہل بیت کا
دور آیا لیکن کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

جہاں تک میں اپنی باتیں سمیٹ کر عرض کروں گا کہ یہاں حاجی سیف اللہ صاحب نے ایک بات کہی
اور مجھے افسوس ہے کہ انہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اگر ہر مسئلہ میں شریعت اور قانون میں فرق ڈالا جاتا

کو اجارا جائے گا تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ توجیہات اور تشریحات میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ کے قانون دان اور وکلاء حضرات بھی ایک مقدمہ میں متفق نہیں ہو سکتے۔ جج صاحبان کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہر ایک کا فیصلہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ کیا پھر آپ اس سارے نظام عدل کو دریا میں ڈال دیں؟ پھر تو آپ عدالتی نظام چلا ہی نہیں سکتے۔ تو اصولوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

ہمارے پاس اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ ہے۔ اس کونسل میں شیعہ علماء، بریلوی اور دیوبندی علماء بھی، وکلاء اور جدید عالم موجود تھے۔ ان سب نے متفقہ طور پر یہ رپورٹ پیش کی۔ شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجھ سے خود شیعہ عالم علامہ رضی نے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی اختلافی فیصلہ نہیں کیا۔ ہم متفق ہیں۔ قرآن پاک کے معانی بڑے وسیع النظر ہیں۔

اس وقت میرے سامنے اسلامی فقہ کی عظیم کتاب ہدایہ ہے جس کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں تمام تفصیلات موجود ہیں کہ حق شفعہ کس کو ہے کس کو نہیں ہے۔ منقولہ جائیداد میں ہے یا غیر منقولہ میں ہے۔ پانی کی صورت کیا ہوگی، منقولوں کا انتظام کیا ہوگا، اور ساری مثالیں اس میں موجود ہیں۔ مثلاً تین منزلہ عمارت کی صورت میں ایک شخص پہلی منزل پر رہتا ہے اور دوسری منزل کا راستہ تیسری منزل پر ہے۔ اس کی سیڑھیاں تیسری منزل والے پر آتی ہیں اور دوسری منزل والے کی سیڑھیاں الگ راستہ پر ہوں تو شفعہ کا حق وہ کہتے ہیں کہ پہلے والے کو ہوگا۔ اگر نیچے والا حصہ بیچ دیا تو پہلے والے کو ہوگا، اور اگر اوپر والا حصہ بیچ دیا تو نیچے والے کو ہوگا، درمیان والا متصل ہے لیکن وہ چونکہ باہر ہے یعنی حقوق میں شریک نہیں ہے اس کا نمبر تیسرا ہے — تو یہاں ایک جملہ حقوقات کا کہا گیا۔ اسلام کے قوانین کی نظروں میں فروعی اختلافات اور فرقے نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ میرے سامنے ہدایہ کی کتاب ہے میں اس کتاب سے ایک جملہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

"والمسلم والذمی فی الشفعة سواء" یعنی مسلمان اور غیر مسلم شفعہ کے تمام حقوق میں برابر ہیں۔ اگر ایک عیسائی ہمارے پڑوس میں ہے جو جائیداد کی ساری حدود سے ملحق ہے اور دوسرا ہونے والا مسلمان ہے اور ایک ذاتی ورثاء اس کو بیچ رہا ہے تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا عیسائی کا زیادہ ہوگا کیونکہ "عام ہیں" جیسا شفعہ کا حق ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں — صاحب ہدایہ کا قول ہے: للعمومات ولانهما يستويان في السبب والحكمة فيستويان في الاستحقاق۔ اس لیے استحقاق میں دونوں برابر ہیں — اس سے قبل ایک دوست نے

اسلام میں غلامی کی بات چھیڑ دی تھی، یہ عجیب بات ہے، کیا یہ غلامی اسلام کے لیے ایک دھبہ ہے؟ بات شفعہ کی ہوتی ہے تو مسئلہ غلامی کا چھیڑ دیا جاتا ہے، کل کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں قربِ حشر کی بات؟ کوئی یہ کہے گا کہ اس زمانے میں ترقی و سائنس کی بات؟ دراصل یہ داستانیں ہیں بھائی! اسلام نے تو غلاموں کو آسمان تک پہنچایا ہے، اسلام نے غلامی کو ختم کیا۔ اس شفعہ کے مسئلہ ہی کو لیجیے اس ہدایہ کا ایک اور جز شفعہ کے سلسلہ میں آتا ہے کہ: ولهذا يستوي فيه الذكر والانثى والصغير والكبير والباغي والعادل والحر والعبد اذا كان ماذونا او مكاتبا۔ اور چھوٹا اور بڑا اس کے حق میں برابر ہیں، اور کہنے کی بات آگئی ہے کہ آزاد انسان اور غلام انسان بھی اس میں بالکل برابر ہیں، یعنی اسلام نے تو غلام کو بھی ان تمام قوانین میں آزاد کے برابر حق دیا ہے۔

تو جناب ابھی ان اشارات کے ساتھ پھر کوئی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

مسودہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء

اور

دارالعلوم حقانیہ کی سفارشات و ترامیم

حکومت پاکستان نے نمبر ۲ ر ۲۲۲۲ (۱) / م ... کی مجریہ
۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء کے تحت شفعہ آرڈیننس ۱۹۸۰ء کا
مسودہ قانون رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل
نے اس مسودہ کو دارالعلوم حقانیہ کی تجاویز و اصلاحی ترمیمات کے لئے
بھیجا۔ چنانچہ دارالعلوم حقانیہ کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد فرید صاحب
نائب مفتی حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا
عبدالحق صاحب کی راہنمائی، مشورہ اور موجودگی میں اس مسودہ پر
از روئے فقہ و شریعت نظر ثانی کی اور جہاں جہاں قابل اصلاح
چیز نظر آئی اس کی اصلاح کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کے
چیئرمین کی خدمت میں ارسال کیا۔ وہ قانون شفعہ آرڈیننس
میں کل ۱۲ سفارشات پیش کی گئیں۔ (مرتب)

بخدمت اقدس جناب چیئرمین صاحب اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مرسلہ مسودہ شفعہ آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء کی بعض دفعات کے متعلق چند اہم تجاویز ضروریہ اسلامی نقطۂ نظر سے ارسال خدمت ہیں لیکن واضح ہو کہ یہ تجاویز صرف ان دفعات کے متعلق ہیں جو مفصل اور غیر مخدوش ہیں ورنہ جو دفعات ہمارے لیے ناقابل فہم ہیں ان کے متعلق ہم جواب دینے اور رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔

مثال کے طور پر صفحہ ۲ پر دفعہ ۱ کی شق (ہ) اور ایسے ہی صفحہ ۹ پر دفعہ ۲ میں شق ۲ مخدوش ہیں جو ہمارے لیے قابل فہم نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق ہم رائے نہیں دے سکتے۔ نیز ان دفعات کے متعلق بھی ہم رائے نہیں دے سکتے جن کا تذکرہ مسودہ میں اجمالاً ہے اور تفصیل جو از قسم تعزیرات پاکستان پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جیسے کہ صفحہ ۱۲ پر دفعہ ۳ کا مجموعہ ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۵ اور اسی صفحہ کی دفعہ ۵ میں ضابطہ دیوانی ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۵، صفحہ ۱۳ پر دفعہ ۱۴ میں قانون میعاد سماعت ۱۹۰۸ء کا ایکٹ ۹ میں شامل امور، اور صفحہ ۱۸ کی دفعہ ۲۴ کی شق الف اور شق ۳۔ ان دفعات سے تعلق رکھتی ہیں جن کے مجمل ہونے کی وجہ سے ہم ان کے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ سے رائے دینے سے قاصر ہیں۔ اس لیے کہ تعزیرات پاکستان اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر غیر مبہم اور تفصیلی دفعات کے متعلق تجاویز پیش خدمت ہیں:—

(۱) اس مسودہ کے صفحہ ۲ پر دفعہ ۲ کی شق (م) میں ہے کہ کسی جائیداد غیر منقولہ کو بہتر استعمال کی غرض سے یا جائز طریقے سے ذاتی استعمال میں لانے کے لیے تبادلہ کرنے کی صورت میں اگر تملیک و تملک کی حیثیت اور غرض ہو تو پھر اس صورت کو حق شفعہ سے مستثنیٰ کرنا از روئے شرع درست نہیں بلکہ یہ بھی ان صورتوں میں سے ہونا چاہیے جن میں حق شفعہ شفیع کے لیے ثابت ہے۔

(۲) صفحہ ۳ پر دفعہ ۵ کی شق (د) کے آخر میں یہ اضافہ ضروری ہے[۱] کہ شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کی صورت میں اقرار، انکار یا سکوت میں دی جائے اور یا کسی جائیداد غیر منقولہ سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔ اس کے لیے حوالہ ملاحظہ ہو:—

وتجب الشفعة في الدار التي هي بدل الصلح سواء كان الصلح عن إقرار أو إنكار أو سكوت وكذا تجب في الدار المصالح عنها۔

(الفتاوى الهندية جلد [illegible] صفحہ [illegible] كتاب الشفعة، الباب [illegible])

ترجمہ: اور شفعہ اس جائیداد غیر منقولہ میں بھی واجب ہوگا جو کسی صلح کے بدلے میں دی جائے خواہ یہ صلح اقرار، انکار یا سکوت کی صورت میں ہو اور نیز شفعہ اس جائیداد میں بھی واجب ہوگا جس سے اقرار کی صورت میں صلح ہو جائے۔

---

[۱] اردو متن کے مسودہ کی عبارت میں صلح کی وہ صورتیں جن میں شرعاً شفعہ ثابت ہے مذکور نہیں ہیں۔

(۳) مسکہ دفعہ ۱۳ میں طلب مواثبت کی تعریف "مجلس" کے ساتھ یہ اضافہ بھی ضروری ہے ۔
"اگرچہ اس مجلس میں یہ شفیع اکیلا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ طلب مواثبت شفیع کیلئے اس کے
مطلع ہونے کے فوراً بعد ضروری ہے ۔ اس طلب میں اس کے لیے کسی دوسرے لوگوں
کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ۔"

لما قال العلامة ابن عابدین ، وفی القہستانی یجب الطلب وان لم یکن عنده احد لئلا
تسقط الشفعة دیانة وليتمکن من الحلف عند الحاجة کما فی النہایة ۔
(رد المحتار ج ۵ ص۱۴۳ کتاب الشفعة)

(ترجمہ :) اور یہ طلب مواثبت اس کے لیے ضروری ہے اگرچہ اس کے پاس کوئی بھی موجود
نہ ہو تاکہ اس کا حق شفعہ دیانۃً ساقط نہ ہو جائے اور بوقت ضرورت قسم کھانے میں
بھی سچا ہو کر قسم کھا سکے ۔"

(۴) ایسا ہی مذکورہ مسکہ کی دفعہ ۱۳ کی شق ۳ میں یہ تصریح کرنی بھی ضروری ہے کہ "طلب اشہاد
شفیع کی ذات سے خاص نہیں ہے بلکہ یہ طلب اشہاد شفیع بذات خود یا بوقت ضرورت
رسالۃً یا وکالۃً بھی کر سکتا ہے ۔"

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاری ، اذا باع رجل وعلم بالشراء وهو فی
طريق مكة فطلب طلب المواثبة وعجز عن طلب الاشهاد بنفسه يوكل آخر حتى
يطلب الشفعة فلولم يفعل ومضى الشفعة بطلت شفعته ۔
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص۱۷۵ کتاب الشفعة)

قال العلامة الحصكفی ، وهذا الطلب لا بد منه حتى لو تمكن ولو بكتاب او رسول ولم
يشهد بطلت شفعته ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص۱۴۳ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) "یہ طلب اشہاد شفیع کے لیے ضروری ہے یہاں تک کہ یہ طلب اشہاد کسی خط یا کسی آدمی
کو بھیج کر بھی ممکن ہو اور شفیع طلب نہ کرے تو اس کا حق شفعہ باطل ہوگا ۔"

اور نیز اس دفعہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ طلب اشہاد بائع یا مشتری یا مبیعہ ہر تینوں میں سے
کسی ایک کے پاس جو بھی اس کو میسر ہو کر سکتا ہے البتہ بائع کے پاس اس وقت طلب اشہاد
کرے گا جب تک مبیعہ اس کے پاس موجود ہو جبکہ مذکورہ دفعہ ۱۳ میں صرف مبیعہ جائیداد
غیر منقولہ کے پاس طلب اشہاد کی کفایت پر تصریح نہیں کی گئی ہے ۔

كما قال العلامة الحصكفيؒ: ثم يشهد على البائع لو العقار في يده او على المشتري وان لم يكن ذا يد لانه مالك او عند العقار۔ (الدر المختار على هامش رد المختار ج۵ كتاب الشفعة)

(ترجمہ) "اور پھر شفیع یہ طلب اشہاد بائع کے ہاں کرے گا اگر مبیعہ اس کی ملکیت میں ہو۔ اور یا مشتری کے ہاں کرے گا اگرچہ یہ مبیعہ اس کے ہاں موجود نہ ہو کیونکہ وہ مالک ہے اور یا جائیداد غیر منقولہ کے ہاں کرے گا۔"

(۵) ایسا ہی اسی مسودے کی دفعہ ۱۳ کے عنوان تشریح کی شق ۳ میں بھی یہ اضافہ موجود ہے کہ "شفیع دونوں کو طلب کرنے کے بعد جائیداد غیر منقولہ کے لینے کے لیے عدالت سے رجوع بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ کے اندر اندر ضرور کرے گا اور اگر بلا کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ میں دعویٰ دائر نہ کرے تو اس کا حق شفعہ ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے باطل ہوگا۔"

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الجامع الخانی الفتوی الیوم علی قول محمدؒ لتغیر احوال الناس فی قصد الاضرار۔ (رد المحتار ج۵ ص۱۴۳ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) "لوگوں کے اپنے حقوق کے معاملہ میں اضرار کو مدنظر رکھتے ہوئے آجکل فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ بغیر کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔"

تاہم بصورت کسی واقعی عذر کے ایک مہینہ سے زائد تاخیر کی صورت میں بھی حق شفعہ باطل نہیں ہوگا جیسا کہ رد المحتار جلد ۵ ص۱۴۲ کی مذکورہ بالا عبارت سے چند سطر پہلے علامہ ابن عابدینؒ رقمطراز ہیں:-

فلو بعذر مرض او سفر او عدم قاض یری الشفعة بالجوار فی بلده لا تسقط اتفاقاً۔

(رد المحتار ج۵ ص۱۴۲ کتاب الشفعة)

(ترجمہ) "اور بصورت واقعی عذر ہونے کے مثلاً بیماری یا سفر یا اس علاقہ میں قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے جو شفعہ بالجوار کر سکے تو ان صورتوں میں مہینہ سے زائد مدت بقدر عذر تاخیر کرنے سے بالاتفاق حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔"

بناء بریں صورت ص۱۳ کی دفعہ ۳ پر میعاد سماعت جو کہ ساٹھ دن مقرر کی گئی ہے اگر اس میعاد سماعت سے مراد طلب خصومت یعنی عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کا وقت مراد ہو تو پھر ساٹھ دن تک تاخیر کرنے کے باوجود حق شفعہ کا باطل نہ ہونا مفتی بہ قول کے مخالف

وهذا عندنا ولا تبطل بموت المشتري وللشفيع ان ياخذ من وارثه -

(الفتاوى الهندية جزء ۵ ص۱۸۲ كتاب الشفعة الباب التاسع فيما يبطل به الخ) ؎

ترجمہ: اگر شفیع دونوں طلب (طلب مواثبت وطلب اشہاد) کر کے فیصلہ ہونے سے قبل فوت ہو جائے تو اس کی موت سے اس کا حق شفعہ باطل ہوگا اور اس کے قانونی ورثاء کو منتقل نہیں ہوگا، اور یہ ہمارا مذہب ہے۔ البتہ مشتری کی موت سے حق شفعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ شفیع مشتری کے ورثاء سے یہ جائیداد شفعہ کر کے لے سکتا ہے۔"

نیز مذکورہ آرڈیننس کے صفحہ ۹ کی دفعہ ۲ سے بھی یہ دفعہ متصادم ہے کیونکہ اس دفعہ میں بالصراحت تصریح ہے کہ حق شفعہ ناقابل انتقال اور ناقابل تقسیم ہے۔

(۸) صفحہ ۹ کی دفعہ ۲۴ کی شق ۳ میں کسی قانون کے ساتھ شرعی قانون کا اضافہ ضروری ہے لہذا مجوزہ اصل عبارت یوں ہوگی: "اور یا مقام متذکرہ نے کسی شرعی قانون کے تحت حاصل کر لیا ہو اس پر شفعہ کا دعویٰ نہیں ہوگا۔"

(۹) صفحہ ۱۰ دفعہ ۲۴ میں مدعی سے زر شفعہ جمع کرانے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور زر شفعہ جمع نہ کرانے کی صورت میں شفعہ کا دعویٰ خارج کرنا شریعت کے موافق نہیں ہے کیونکہ زر شفعہ شفیع سے جمع کرانا شریعت میں تو مطلوب نہیں اور بطور اعتماد عدالت شفعہ اب دائر کرنے میں ممنوع نہیں لیکن اعتماد کی صورت صرف زر شفعہ کے جمع کرنے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر شفیع کسی اور طریقے سے عدالت کو مطمئن کر کے اسے صرف کفیل (ضامن) دیدے تو پھر بھی دعویٰ شفعہ صحیح ہوگا، قاضی یا حاکم اس کی باقاعدہ سماعت کر کے فیصلہ کر سکتا ہے اور زر شفعہ جمع نہ ہونے کی صورت میں دعویٰ خارج نہیں ہوگا تاہم شفیع کو عقار کا قبضہ بغیر زر شفعہ کی وصولی کے نہیں دیا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو فتاوی الہندیہ)

ولا يلزم الشفيع احضار الثمن وقت الدعوى بل يجوز المنازعة وان لم يحضر الثمن الى مجلس القاضي فاذا قضى له بالشفعة لزمه احضار الثمن. ولو دفع الثمن بعد ما قال ادفع الثمن اليه لا تبطل بالاجماع - (الفتاوى الهندية جزء ۵ ص۱۷۳ كتاب الشفعة - الباب الخامس الخ)

؎ قال العلامة الكاساني رحمه الله: اما المشتري فقولنا بموت الشفيع بعد الطلبين قبل الاخذ بالشفعة فتبطل شفعته - (بدائع الصنائع جزء ۵ ص۲۲ كتاب الشفعة فصل بيان ما يبطل به حق الشفعة)

کتاب
الشرکۃ

فان كانوا اكثر
من ذالك فهم
شركاء فى الثلث

كتاب الشركة

(شراکت کے احکام و مسائل)

موروثی جائیداد کے منافع کی تقسیم کا حکم

سوال: چند بھائی موروثی جائیداد میں مشترکہ طور پر اس طرح محنت کرتے ہیں کہ ان کی کمائی میں تمیز کرنا مشکل ہے، اب ان میں سے ایک بھائی دوسرے بھائیوں کی کمائی سے انکار کر رہا ہے اور ان کو اس مال کے نفع سے محروم کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام بھائی آپس میں ایسا کاروبار کر رہے ہوں کہ ان کی محنت میں تمیز نہ ہوتی ہو بلکہ کل طور پر مشترکہ ہو تو اس محنت کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہوں گے کوئی بھی شریک پورے مال کا دعویدار نہیں ہو سکتا، لہٰذا صورت مذکورہ میں کسی ایک بھائی کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے دیگر بھائیوں کو ان کی محنت سے محروم کرے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم ونما المال فهو بينهم سوية ولو اختلفوا في العمل والرأي۔

(رد المحتار ج۳ ص۳۲۵ كتاب الشركة - فصل في الشركة الفاسدة)

مشترکہ مال بذریعہ بولی خریدنے کا حکم

سوال: چند آدمی مشترکہ طور پر کسی چیز کو خریدتے ہیں پھر آپس میں اس پر بولی کرتے ہیں کہ جو شریک زیادہ بولی دے گا تو وہ اس چیز کا مالک ہوگا، اس کے بعد زیادہ بولی دینے والا شریک دیگر شرکاء کو

ل وقال العلامة سليم رستم باز: فاذا كان معهم واحد ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون مجموعه مشتركا بينهم بالسوية اذا اختلفوا في العمل والرأي۔

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۳۹۸ ص۷۳۵ الكتاب العاشر)

(ومثله في تنقيح الحامدية ج۱ ص۹۴ كتاب الشركة)

اپنے اپنے حصہ کی رقم مع منافع کے واپس کرتا ہے تو کیا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں چونکہ تمام شرکاء شرکہ خود ہی کوئی چیز خرید کر پھر آپس میں نیلام کرتے ہیں اور جو زیادہ بولی دیتا ہے مال اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے لہٰذا اگر اس نیلام سے حاصل ہونے والی رقم کامیاب بولی دہندہ کے اپنے حصہ کے علاوہ دیگر شرکاء کے حصص کا عوض ہو تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا اور اگر اپنا حصہ بھی بولی میں شامل کرنا پڑے تو پھر جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة سليم رستم باز: الشريك مخير ان شاء باع حصته من شريكه وان شاء باعها من اجنبي بدون اذن شريكه راجع الى مادة ۲۱۵ لكن في صورة خلط الاموال واختلاطها التي بيناها في الفصل الاول لا يسوغ بدون اذن الشريك۔[1]

(شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۶۰۰ الکتاب العاشر)

شریک کی موت سے شرکت کا ختم ہونا

سوال: دو آدمی آپس میں مشترک کاروبار کرتے تھے کہ ان میں ایک کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا شریک کی موت سے شرکت ختم ہو جاتی ہے یا برقرار رہتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: شراکت کے دوران جب کسی ایک شریک کا انتقال ہو جائے تو شرکت خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور دوسرا شریک فوت شدہ کے مال میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي: وتبطل الشركة بموت احدهما ولحوقه ...... ولا فرق بين ان يعلم موت صاحبه او لا يعلم لانه عزل حكمي۔

(تبيين الحقائق ج۳ ص۳۲۳ کتاب الشرکة)[2]

---

[1] قال العلامة الحصكفي: وكل من شركاء الملك اجنبي في مال صاحبه فصح له بيع حصته ولو من غير شريكه بلا اذنه الا في صورة الخلط والاختلاط بتغير ... ۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۶۵ کتاب الشرکة)

ومثله: شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۸۸ ص ۱۹ الکتاب العاشر۔

[2] وقال في الهندية: وتبطل الشركة بموت احدهما علم به الشريك او لا۔
(الفتاوى الهندية ج۲ ص۳۳۵ الباب السادس في الشركة الفاسدة)

ومثله في الشلبي على تبيين الحقائق ج۳ ص۳۲۳ کتاب الشرکة۔

مشترکہ کاروبار کے منافع کی تقسیم کا حکم

سوال:- دو آدمیوں نے آپس میں مشترکہ کاروبار شروع کیا، دونوں نے اپنا اپنا راس المال جمع کیا، کاروبار شروع کرتے وقت ایک دوسرے کے ساتھ یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ آپس میں منافع کس نسبت سے تقسیم ہوگا، جبکہ دورانِ کاروبار ایک شریک نے دوسرے کی نسبت کم مشقت برداشت کی، تو اس صورت میں مشترکہ کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوگی؟

الجواب:- صورتِ مذکورہ شرکتِ عنان کی صورت ہے اور یہ شرکت درست اور صحیح ہے اور چونکہ بوقتِ عقد کوئی شرط نہیں لگائی گئی ہے لہٰذا فقہاء کی تصریحات کے مطابق جب ایک شریک نے کام بھی نہیں کیا ہو اور ربح کے متعلق کسی کی اور زیادتی کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہو تو ربح (منافع) راس المال کے مطابق تقسیم ہوگا اور اگر راس المال دونوں کا برابر ہو تو منافع برابر ہوگا ورنہ راس المال کی کمی بیشی کی صورت میں منافع بھی کم و بیش ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والربح بینہم علی قدر رؤس اموالہم۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۹۳ کتاب الشرکۃ)[1]

مشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ فروخت کرنے کا حکم

سوال:- اگر دو آدمیوں کے مابین زمین مشترکہ ہو اور غیر منقسم ہو تو اگر ان میں سے ایک آدمی اپنا حصہ فروخت کرنا چاہے تو کیا شرعاً اس کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:- ایسی زمین جو دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اپنے حصہ میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ہر ایک حصہ دار اپنا حصہ

---

[1] وفی الہندیۃ: ولہ شرط جوازہا کون راس المال عیناً حاضراً او غائباً عن مجلس العقد لکن مشاراً الیہ والمساواۃ فی راس المال لیست بشرط ویجوز التفاضل فی الربح مع تساویہما فی راس المال کذا فی محیط سرخسی۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۲ ص ۳۱۹ الباب الثالث فی شرکۃ العنان)

ومثلہ فی رد المحتار ج ۳ ص ۳۴۲ کتاب الشرکۃ۔

قبل از تقسیم فروخت کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة سلیم رستم باز: یصح بیع حصة شائعة معلومة کالنصف والعشر من عقار مملوک قبل الافراز۔ (شرح مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۲۱۴ ج ۱ الکتاب الاول)

شرکاء کی غیر حاضری میں مشترکہ زمین پر کاشت کا حکم

سوال:۔ ایک زمین چند آدمیوں کے مابین مشترک ہے اور ہر سال بعض لوگ اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں جبکہ ان شرکاء میں سے چند غائب ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شرکاء کے غائب ہونے کی صورت میں اس مشترکہ زمین میں کاشت کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ زمین شرکاء کی ملک ہے مشترکہ ہو تو غائبین کے حصص میں کاشت کرنا اُن کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہر ایک اپنے اپنے حصۂ ملکیت میں کاشت کرے گا، تاہم اگر دلالۃً غائب کی اجازت موجود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: وفی الخیریة عن واقعات الناطفی ارض بین رجلین غاب احدهما فللشریک ان یزرع نصفها ولو اراد ذلک فی العام الثانی یزرع ما کان زرع۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص۹۱ کتاب الشرکۃ)[1]

---

[1] قال العلامة محمود بن اسماعیل الشهیر بابن قاضی سماوۃ: اما بیعه حصته قبل القسمة فان وکل قسیم علی وجهین اما ان باع عن احد بغیر اذن شریکه فان ... الاول وهو البیع من اجنبی ... فلما ان کان الکل فباع نصفه او کان بین اثنین فباع احدهما نصیبه فالبیع جائز فی المواضع کلها۔ (جامع الفصولین ج ۲ ص۲۳ الفصل الحادی والثلاثون فی مسائل البیع واحکامه)

ومثله فی تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص۲۲۸ کتاب البیوع باب الخیار۔

[2] وقال فی الهندیة: وفی الارض له ان یزرعها کلها علی المفتی به ان کان الزرع ینفعها فاذا جاء شریکه تنتفع مثل تلک المدة وان کان الزرع ینقصها او الترک ینفعها فلیس له ان یزرعها۔

(الفتاوی الهندیة ج ۲ ص۳۰۱ کتاب الشرکة الباب السادس فی المتفرقات)

ومثله فی البحر الرائق ج ۵ ص۱۶۶ کتاب الشرکة۔

مشترکہ مال کسی کو عاریۃً دینے کا حکم

سوال :- یہاں ہمارے علاقہ میں ایک عالم دین کا انتقال ہو گیا ہے اور ترکہ میں کچھ اموال رہ گئے ہیں ورثاء میں اس کے چند بیٹے ہی ہیں ، کیا ان میں سے کوئی ایک اپنے باپ کے متروکہ مال سے کسی کو عاریۃً کچھ دے سکتا ہے یا نہیں ؟ جبکہ اس کے دوسرے بھائی اس وجہ سے اس پر ناراض ہیں ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں باپ کے متروکہ اموال چونکہ اس کے تمام بیٹوں کے مابین مشترکہ ہیں اس لیے کوئی بھی شریک مشترکہ اموال میں دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر کوئی چیز کسی کو عاریۃً نہیں دے سکتا ، کیونکہ شرکاء کے حصے ایک دوسرے کے ساتھ ودیعت وامانت ہوتے ہیں ۔

قال العلامۃ سلیم رستم باز : حصۃ احد الشریکین فی حکم الودیعۃ فی ید الآخر فاذا اودع احدہما المال المشترک عند آخر بدون اذن فتلف مکان ضامنا حصۃ شریکہ ۔ (شرح مجلۃ الاحکام تحت المادۃ ۷۹۰ ص ۴۴۶ الکتاب العاشر)[1]

مشترکہ جائیداد میں بلا اجازت شریک تصرفات کرنے کا حکم

سوال :- دو حقیقی بھائیوں کی کچھ مشترکہ زمین تھی ان میں سے ایک بھائی نے دوسرے بھائی کی غیر موجودگی میں ساری زمین فروخت کر دی ، جب دوسرے بھائی کو پتہ چلا تو اس نے زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا ، تو کیا اس دوسرے بھائی کا انکار شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :- مذکورہ جائیداد ان کو خرید یا ارث کے ذریعہ ملی ہو تو اس میں کسی ایک بھائی کا تصرف دوسرے کی اجازت کے بغیر درست نہیں اس لیے یہ بیع ناراض بھائی کے حصہ کی اراضی میں نافذ العمل نہیں ہے ۔

لما قال العلامۃ المرغینانی : فشرکۃ الاملاک العین یرثہا رجلان او یشتریانہا

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین : نعم دالسرفی ذلک ان الشریک حکمہ فی حصۃ شریکہ حکم المودع ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۸۸ کتاب الشرکۃ)

ومثلہ فی فتاوی الکاملیۃ ص ۸۰ کتاب الشرکۃ ۔

فلا یجوز لاحدهما ان یتصرف فی نصیب الآخر الا باذنه وکل واحد منهما فی نصیب صاحبه کالاجنبی۔ (الهدایة ج ۳ ص ۶۲۲ کتاب الشرکة) ۱؎

مشترکہ دیوار کی تعمیر کے اخراجات کا حکم

سوال:۔ دو آدمیوں کے مابین ایک مشترکہ دیوار تھی جس کی مخدوش حالت کے پیش نظر اس کو گرا دیا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کی دوبارہ تعمیر کا خرچہ مشترکہ ہوگا یا گرانے والے پر ہوگا؟

الجواب:۔ قواعد فقہیہ کی رو سے مشترکہ دیوار کی تعمیر کے جملہ اخراجات اور تاوان دونوں کے ذمہ ہوگا کوئی ایک فریق اس کے اخراجات کا ذمہ دار نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وفی جامع الفصولین حائط بینهما وخیف سقوطه فاراد احدهما نقضه وابی الآخر یجبر علی نقضه ...... ونصف قیمة البناء لو نقض بلا امر القاضی وعن هذا الحکم فی شرح الوهبانیة عن البزازیة فی مسئلة انهدام السفل وقال انه الصحیح المختار للفتوی۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۶۸ کتاب الشرکة مطلب فیما اذا ...... وعمارة) ۲؎

اقرار سے شرکت کا ثبوت

سوال:۔ ایک آدمی کا کسی کے ساتھ زمین کا تنازعہ عدالت میں چل رہا تھا اس نے ایک خاص آدمی سے کہا کہ تم بھی اس دعویٰ میں میرے ساتھ شریک ہو جاؤ اور جب میں مقدمہ جیت لوں گا

۱؎ وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: ای وکل واحد من الشریکین ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبه لغیر الشریک الا باذنه لعدم تضمنها الوکالة۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۷۱ کتاب الشرکة)

ومثله فی فتح القدیر ج ۵ ص ۳۸۹ کتاب الشرکة۔

۲؎ وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانی رحمہ اللہ: فلطالب البناء ان یبنی باذن الحاکم ویرجع علی شریکه بحصته من نفقة البناء۔

(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۳۱۸ ص ۷۲۳ کتاب الشرکة)

ومثله فی جامع الفصولین ج ۲ ص ۲۱۸ الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکام۔

تو اس میں تمہیں بھی حصہ دوں گا، اب جبکہ مقر نے مقدمہ جیت لیا ہے تو کیا مقر لہٗ اس کے ساتھ زمین میں شریک متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں اس شخص نے خود ہی اپنے مقابل کے لیے ان الفاظ سے اقرار کیا ہے کہ "تم بھی اس میں میرے ساتھ شریک ہو" لہٰذا اس اقرار کی وجہ سے اس کا شریک کردہ شخص مذکورہ قطعہ اراضی میں شریک متصور ہوگا۔

لما قال العلامة المرغيناني[1]: واذا اقر الحر العاقل البالغ بحق لزمه اقراره مجهولاً كان ما اقر به او معلوماً۔ (الهداية ج٣ ص٢٣٠ كتاب الاقرار)

مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا پھلدار درخت لگانا

سوال:- ایک شخص کے چند بیٹے تھے، ان میں سے ایک نے باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں ایک باغ لگایا، اب یہ باغ لگانے والا اس میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں مانتا، تو کیا از روئے شریعت اس باغ میں دوسرے بھائیوں کا حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں باپ کی وفات کے بعد مشترکہ زمین میں جس بیٹے نے باغ اور درخت لگائے ہوں تو باغ اور درخت وغیرہ اسی کی ملکیت سمجھے جائیں گے خواہ دوسرے بھائیوں کی اجازت سے لگایا ہو یا بغیر اجازت کے، کیونکہ اجازت کی صورت میں زمین کی تقسیم کے دوران اگر یہ پھلدار درخت کسی دوسرے بھائی کے حصہ میں آئیں تو اسے ان درختوں کی قیمت ادا کرنی پڑے گی ورنہ اکھاڑنا ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفي[2]: (بنى احدهما) اى احد الشريكين (بغير اذن الآخر) في عقار مشترك بينهما (فطلب شريكه رفع بنائه قسم) العقار (فان وقع البناء) في نصيب الباني فبها (ونعمت) (والا هدم) البناء

---

[1] وقال العلامة سليم رستم باز اللبناني: المرأ مؤاخذ باقراره۔ (شرح مجلة الاحكام، المادة ٧٩ ص٥٣ المقالة الاولى)

[2] ومثله في جامع الفصولين ج٢ ص٢٢ الفصل الثالث والعشرون۔

وحکم المغرس کذٰلک ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۲۶۸ کتاب القسمۃ) لہ

مشترکہ کتب شرکاء کی اجازت کے بغیر کسی کو عاریۃً دینا جائز نہیں

سوال:- ایک عالم دین کا انتقال ہو گیا اور اس نے ترکہ میں کافی کتابیں چھوڑیں، ورثاء میں بالغ اور نابالغ دونوں موجود ہیں، ان میں ایک بڑا بیٹا گھر کے اخراجات کا ذمہ دار ہے، اب اگر کوئی شخص اس سے کوئی کتاب مطالعہ کے لیے مانگے تو اس کے لیے مشترکہ ترکہ میں سے کوئی کتاب دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ ورثاء میں نابالغ اولاد بھی موجود ہے اور تمام ورثاء اس ترکۂ کتب میں شریک ہیں جبکہ نابالغ اولاد کا مال باپ بھی کسی کو عاریۃً نہیں دے سکتا تو بڑا بھائی تو بطریقِ اولیٰ نہیں دے سکتا۔

لہ قال العلامۃ سلیم رستم باز اللبنانیؒ: لیس للاب اعارۃ مال طفلہ لعدم البدل وکذا القاضی والوصی۔ (شرح مجلۃ الاحکام، المادۃ ۸۲۲ ص۴۶۱ الکتاب السادس) لہ

مشترکہ ٹیوب ویل کے پانی سے کسی شریک کو روکنا جائز نہیں

سوال:- چند آدمیوں نے مشترکہ ٹیوب ویل نصب کرنے کے لیے کچھ پیسے اکٹھے کیے لیکن بدقسمتی سے جو جگہ انہوں نے ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تھی وہاں پانی نہ نکلا، ان میں سے ایک آدمی نے دوسری جگہ ٹیوب ویل کے لیے منتخب کی تو وہاں سے پانی نکل آیا، اب یہ آدمی باقی شرکاء کو پانی سے منع کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ جگہ وہ نہیں جس کا انتخاب باہمی مشورہ سے

لہ وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: وما بنی فی الارض المشترکۃ بغیر اذن الشریک لہ أن ینقض بناءہ۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۹۱ کتاب الشرکۃ)

ومثلہ فی فتاوی الکاملیۃ ج ص۳۳ کتاب الشرکۃ۔

لہ وقال العلامۃ محمد بن محمودؒ: وذکر فی النوازل لیس لوالد الصغیر ان یعیر متاع ولدہ الصغیر۔ (احکام الصغار علی هامش جامع الفصولین ج۱ ص۹۱ فی مسائل العاریۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۴ ص۳۶۳ الباب التاسع المتفرقات کتاب العاریۃ۔

ہوا تھا تاہم اس کے جملہ اخراجات مشترکہ رقم سے ادا کیے گئے ہیں، تو کیا اس کا یہ اقدام شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بشرط صحت سوال جب مشترکہ مال سے ٹیوب ویل لگایا گیا ہے تو جملہ شرکاء اس سے استفادہ کے حقدار رہیں گے جگہ کی تبدیلی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما قال العلامة سليم رستم باز اللبنانيؒ: لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً في الملك المشترك باذن الآخر لكن لا يجوز له ان يتصرف تصرفاً مضراً بالشريك۔ (شرح مجلة الاحكام تحت المادة ۱۰۷۰ ص ۶۳۵ الكتاب العاشر)[1]

مچھلی کا شکار کرنے میں شرکت کا حکم

سوال: چند آدمی باہمی طور پر مچھلی کا شکار کرنے کے لیے معاہدہ کرتے ہیں، معاہدہ کے مطابق ضروری نہیں کہ جملہ شرکاء محنت کریں تاہم آلاتِ شکار کی خریداری مشترکہ مال سے ہوتی ہے اور ملازم کا ماہانہ خرچہ بھی مشترکہ طور پر برداشت کرتے ہیں، تو کیا شرکت کا یہ معاملہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ مچھلی پکڑنے کی شرکت اور احتطاب شرعاً ناجائز معاملہ ہے، لہٰذا مذکورہ صورت کا معاملہ بھی جائز نہیں اور اس میں مچھلی اس کا حق ہے جس نے پکڑی ہو، تاہم اگر وقتی طور پر چند افراد اکٹھے ہو کر مچھلی کا شکار کریں اور آخر میں باہمی طور پر تقسیم کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لما قال العلامة الشيخ البزازي رحمه الله: اشتركا في الاصطياد و نصبا شبكة او ارسلا كلباً لهما فالصيد بينهما انصافاً۔

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۲۶ كتاب الشركة)

لما قال العلامة التمرتاشي رحمه الله: لا تصح شركة في احتطاب و

---

[1] وقال في الهندية: ولا يجوز لاحدهما ان يتصرف في نصيب الآخر الا بامره وكل واحد منهما كالاجنبي في نصيب صاحبه۔

(الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۳۰۱ كتاب الشركة - الباب الاول۔)

ومثله في تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۸۸ كتاب الشركة۔

احتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات ـ

(تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۲۵ کتاب الشرکة فصل فی الشرکة الفاسدة)[۱]

مشترکہ ایئرکنڈیشنر فروخت کرنے کا حکم

سوال:- چند ساتھیوں نے مشترکہ طور پر ایک ایئرکنڈیشنر خریدا اور تمام ساتھی ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے، اب ان میں سے کچھ ساتھی اس گھر کو چھوڑتے ہیں اور ایئرکنڈیشنر کو فروخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس کی اولی قیمت معتبر ہوگی یا مستعمل کی؟ کیونکہ ایئرکنڈیشنر غیر قابل قسمت چیز ہے!

الجواب:- چونکہ ایئرکنڈیشنر غیر قابل قسمت چیز ہے اور مشترکہ طور پر خریدا گیا ہے اس لیے یہ تمام ساتھیوں کے مابین مشترکہ ہوگا، کچھ مدت گزرنے کے بعد اب اگرچہ ساتھی اس گھر کو چھوڑنا چاہتے ہوں تو انہیں مستعمل ایئرکنڈیشنر کی قیمت کے لحاظ سے حصہ دیا جائے گا۔

لما قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور الشهیر بقاضیخان ؒ: والعبد الواحد والدابة الواحدة یباع ویقسم ثمنها لانها لا تحتمل القسمة ـ

(فتاوی خانیة علی هامش الهندیة ج۳ ص۱۵ کتاب القسمة)[۲]

مشترکہ مال سے حج کرنے کا حکم

سوال:- زید اور عمرو دو بھائی ہیں اور مشترکہ گھر میں رہائش پذیر ہیں، جب زید پر حج فرض ہوا تو

---

[۱] لما قال العلامة المرغینانی ؒ: ولا تجوز الشرکة فی الاحتشاش والاصطیاد وما اصطاده کل واحد منهما او احتطبه فهو له دون صاحبه. (الهدایة ج۲ ص۶۳۵ کتاب الشرکة)

ومثله فی فتح القدیر ج۵ ص۴۰۲ کتاب الشرکة ـ

[۲] لما قال العلامة الحصکفی ؒ: وفی الجواهر لا تقسم الکتب بین الورثة ولکن ینتفع کل بالمهایأة ولا تقسم بالاوراق ولو برضاهم ولو کان کتابا ذا مجلدات کثیرة ولو تراضیا ان تقوم الکتب ویأخذ کل بعضها بالقیمة لو کان بالتراضی جاز والا لا ـ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۶۱ کتاب القسمة)

ومثله فی شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۱۲۴ ص۱۳۳ کتاب الاشربة ـ

زید چونکہ بڑا بھائی تھا اس لیے اس نے مشترکہ مال سے فریضہ حج ادا کیا، بعد میں دونوں جدا ہوگئے ہیں تو اب عمرو زید سے حج پر صرف شدہ رقم سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے تو کیا عمرو کا یہ مطالبہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- مذکورہ صورت چونکہ شرکتِ ملک کی ایک صورت ہے لہٰذا اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کے حصہ میں تصرف کرنے میں اجنبی ہے اس لیے زید عمرو کا ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ عمرو کا نصف دین شرعاً لازم ہے، لہٰذا عمرو زید سے اپنے حصے کا شرعاً مطالبہ کرسکتا ہے تاہم اگر اس کی اجازت سے حج کیا ہو تو تبرع ہونے کی صورت میں دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ان کل واحد من الشریکین شرکة ملك ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبه کغیر الشریك من الاجانب الا باذنه لعدم تضمنها الوکالة۔
(تنقیح الحامدیة ج۱ صـ۹۱ کتاب الشرکة) [1]

مشترکہ زمین میں چشمہ کے پانی سے شریک کو منع کرنا جائز نہیں

سوال:- زید اور عمرو کے مابین ایک زمین مشترکہ تھی جس میں سے کچھ زمین بنجر اور کچھ قابلِ کاشت تھی، کچھ وقت تک دونوں اس سے فائدہ حاصل کرتے رہے، نیز اس زمین میں پانی کا ایک چشمہ بھی تھا، حال ہی میں زید نے عمرو کو اس چشمہ کے پانی سے منع کر دیا ہے، تو کیا زید کا عمرو کو چشمہ کے پانی سے منع کرنا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مذکورہ زمین کا مشترکہ ہونا معروف اور مسلّم ہو تو زید کا عمرو کو چشمہ وغیرہ سے منع کرنا ازروئے شریعت جائز نہیں ہے کیونکہ اس چشمہ میں جس طرح زید کا حق بنتا ہے اسی طرح عمرو کا بھی حق بنتا ہے، لہٰذا زید کا عمرو کے ساتھ یہ رویہ

---

[1] لما قال العلامة سلیم رستم باز: لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلاً فی الملك المشترك باذن الآخر لکن لا یجوز له ان یتصرف تصرفاً مضراً بالشریك۔ (شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۷۱ صـ۶۱۲ کتاب الحاشر)
ومثله فی الهدایة ج۲ صـ۶۲۹ کتاب الشرکة۔

شرعاً درست نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص۱۳۶ کتاب البیوع۔ باب فی منع الماء)[1]

اموالِ مشترکہ میں سے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ دو آدمیوں کے مابین مشترکہ کاروبار ہے ان مشترکہ اموال میں سے زکوٰۃ دینے کا کیا طریقہ ہے؟ نیز اگر ایک شریک ان اموال میں سے جن جن پر زکوٰۃ واجب ہو زکوٰۃ ادا کرتا ہو تو اس کا دوسرا ساتھی اس کے زکوٰۃ نہ دینے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دو آدمیوں کا آپس میں کاروباری شراکت ہو تو ہر ایک اپنے حصے سے زکوٰۃ دینے کا ذمہ دار ہے کسی ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عائد نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ دینے کا مجاز ہے اور بلا اجازت شریک زکوٰۃ نکالنے کی صورت میں دوسرا شریک ضامن قرار دیا جائے گا، لہٰذا اگر دوسرا شریک زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہو تو کاروبار میں شریک رکھنے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا تاہم اگر زکوٰۃ نہ دینے والے کی محفل و مجلس اور باہمی اشتراک سے اس کے اعمال و اخلاق متاثر ہوتے ہوں تو پھر ایسی حالت میں اس شخص کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنے سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ولم یؤد مال الآخر الا باذنہ ای احدھما لانہ لیس من جنس التجارۃ فلا یکون وکیلاً عنہ فی ادائھا الا باذنہ۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۸۸ کتاب الشرکۃ)[2]

---

[1] قال العلامة سلیم رستم بازؒ: الماء والکلاء والنار مباحة والناس فی ھذہ الاشیاء الثلاثة شرکاء۔ (شرح مجلة الاحکام۔ المادۃ ۱۲۳۴ ص۶۶۹ الکتاب العاشر)
ومثلہٗ فی الهدایة ج۳ ص۴۸۵ کتاب الشرکۃ۔

[2] قال العلامة فخرالدین الزیلعیؒ: ولم یزک مال الآخر لا یزکی کل واحد منهما نصیب صاحبه لانه لم یأذن له فیها لان الاذن بینهما وقع فی التجارۃ والزکوۃ لیست منها۔ (تبیین الحقائق ج۳ ص۳۲۳ کتاب الشرکۃ۔ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ)
ومثلہٗ فی الهندیة ج۲ ص۳۳۶ کتاب الشرکۃ۔ الباب السادس فی المتفرقات۔

اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی فوت ہو گیا اس کے دو بیٹے رہ گئے ایک بالغ جبکہ دوسرا نابالغ ہے، تو کیا یہ بالغ اور بڑا بھائی اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اموالِ مشترکہ میں سے مہمان نوازی کرنا شرعاً درست نہیں البتہ اگر دیگر بھائی بالغ ہوں تو اُن کی اجازت سے مشترکہ اموال سے مہمان نوازی اور دیگر تبرعات کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: انه کل واحد من الشریکین شرکة ملك ممنوع من التصرف فی نصیب صاحبه لغیر الشریك من الاجانب الا باذنه لعدم تضمنها الوکالة. (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۹۲ کتاب الشرکة)

شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے

سوال:۔ چند آدمیوں نے مل کر مشترکہ کاروبار شروع کیا اور سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کرتے رہے، ان میں سے اچانک ایک شریک نے شرکت سے انکار کر دیا کہ میں آپ کے ساتھ شرکت کا معاملہ جاری نہیں رکھ سکتا۔ تو کیا دیگر شرکاء کے مشورہ کے بغیر کسی شریک کے لیے شرکت کو فسخ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرکاء میں سے ہر کسی شریک کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسرے شرکاء کی اجازت اور مشورہ کے بغیر جب چاہے اپنی شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاءِ مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل زر بقدرِ حصہ اور منافع بقدرِ شرح تقسیم کریں۔

لما قال العلامة ابن عابدین: اشترکا واشتریا امتعة ثم قال احدهم لا اعمل

---

[1] قال العلامة سلیم رستم باز: لا یجوز لاحد اصحاب الحصص التصرف مستقلا فی الملك المشترك باذن الآخر لکن لا یجوز له ان یتصرف تصرفا مضرا بالشریك.
(شرح مجلة الاحکام تحت المادة ۱۰۷۱ ص۵۹۲ کتاب الشرکة)

ومثله فی الهدایة ج۲ ص۶۵۹ کتاب الشرکة.

معنی بالشرکة وغاب فباع الآخر لا متعة فالحاصل للبائع وعلیه قیمة استاع لان قوله لا اعمل معک فسخ للشرکة معه واحدهما یملک فسخها وان کان المال عروضًا بخلاف المضاربة وهو المختار۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۲۶ کتاب الشرکة)[1]

باپ اور بیٹے کی مشترک کمائی کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر کاروبار شروع کیا اور اس میں کافی پیسے کمائے اب سوال یہ ہے کہ یہ پیسے باپ اور بیٹے کے مابین مساوی تقسیم ہوں گے یا صرف باپ کی ملکیت شمار ہوں گے؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں باپ اور بیٹے نے مشترکہ کاروبار سے جو پیسے کمائے ہیں وہ باپ کی ملکیت شمار ہوں گے کیونکہ بیٹا باپ کا معین اور مددگار ہوتا ہے لہٰذا باپ اپنی زندگی میں اس میں جو بھی تصرف چاہے کر سکتا ہے، تاہم اگر رأس المال دونوں کا مشترک ہو اور معاہدہ بھی یہی ہوا ہو تو منافع بھی دونوں میں مساوی تقسیم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: الاب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا له الا تری انه لو غرس شجرة تکون للاب۔
(رد المحتار ج۴ ص۳۲۵ کتاب الشرکة، فصل فی الشرکة الفاسدة)[2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وصورته اشترکا واشتریا امتعة ثم قال احدهما لا اعمل معک بالشرکة...... لان قوله لا اعمل معک فسخ للشرکة معه واحدهما یملک فسخها۔
(البحر الرائق ج۵ ص۱۹۵ کتاب الشرکة)
ومثله فی الهندیة ج۲ ص۳۳۵ کتاب الشرکة۔

[2] وقال فی الهندیة: الاب والابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما مال فالکسب کله للاب اذا کان الابن فی عیال الاب لکونه معینا له۔
(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۳۲۹ الباب الخامس فی الشرکة الفاسدة)
ومثله فی فتاوی کاملیة ج۱ ص۸۱ کتاب الشرکة۔

مشترکہ زمین میں بلا اجازت شریک کے باغ لگانا

سوال :- ایک زمین دو آدمیوں کے مابین مشترکہ ہے جس میں ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مالٹے کے پودے لگا دیئے، چند سال کے بعد جب پودے پھل دینے لگے تو شریک ثانی نے کہا کہ یہ پودے چونکہ مشترکہ زمین میں لگائے گئے ہیں اس لیے ان میں میرا بھی مکمل حصہ ہے لیکن شریک اول انکار کر رہا ہے، تو آیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- یہ زمین دونوں شرکاء کے مابین تقسیم کی جائے گی پودے لگانے والے کے حصہ میں اس کے پودے برقرار رہیں گے اور دوسرے شریک کے حصہ میں پودے لگانے والا اپنے پودے اکھاڑے اور اگر زمین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو پودے نہیں اکھاڑے جائیں گے اور دوسرا شریک پہلے والے کو ان پودوں کی قیمت ادا کرے گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: بنى احدهما اى احد الشريكين بغير اذن الآخر في عقار مشترك بينهما فطلب شريكه رفع بنائه قسم العقار فان وقع البناء في نصيب الباني فبها ونعمت والا هدم البناء وحكم الغرس

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص[illegible] كتاب القسمة)

کسی کی گائے بطور شرکت پالنا

سوال :- ایک شخص نے گائے خرید کر کسی دوسرے شخص کو اس شرط پر پالنے کے لیے دے دی کہ دودھ سب تمہارا ہوگا اور اس سے جو بچے پیدا ہوں وہ میرے ہوں گے، تو کیا اس قسم کی شرط لگانا اور ایسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

لہ وقال الشيخ محمد الكامل الطرابلسيؒ: ان الارض تقسم بينهما فما وقع في نصيب غير الباني يرفع...... وافتى شيخنا آفندي في غرس الاشجار من احد الشريكين في الارض المشتركة بمثل ذلك.

(فتاوى كاملية ج[illegible] ص[illegible] كتاب الشركة)

ومثله في سنن ابي داؤد ج٢ ص١٢٧ باب في زرع ارض قوم بغير اذن صاحبها۔

الجواب :۔ مذکورہ صورت میں گائے کا دودھ اور اس کے بچے سب مالک کے ہیں اور پالنے والے کو اجرت مثل دی جائے گی کیونکہ یہ اجارہ فاسد ہے اور اجارۂ فاسد میں کام کرنے والے کو اجرِ مثل ملتا ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ : لا یصح ذلك وما حدث فهو لصاحب البقرة وللآخر مثل علفه واجر مثله کما فی التنویر۔

(فتاوی کاملیہ ص۱۰۵ کتاب الشرکۃ) لہ

مشترکہ زمین میں شرکاء کی اجازت کے بغیر مکان بنانا

سوال :۔ ایک غیر آباد قطعہ اراضی چند افراد میں مشترک ہے ان میں سے ایک شریک نے بلا اجازت شرکاء کے اور تقسیم سے پہلے ہی اس میں ایک مکان تعمیر کیا، تو کیا اس شخص کا بغیر شرکاء کی اجازت کے مکان تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ مشترکہ زمین میں کسی ایک شریک کا تصرف کرنا دیگر شرکاء کی اجازت پر موقوف ہے، اور صورت مذکورہ میں اس شخص نے چونکہ شرکاء کی اجازت کے بغیر اور قبل از تقسیم مکان بنایا ہے اس لیے اس کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة سلیم رستم بازؒ : اذا بنی احد المشترکین لنفسه فی الملك المشترك القابل للقسمة بدون اذن الآخر ثم طلب الآخر القسمة تقسم فان خرج ذلك البناء فی نصیب بانیه فبها وان خرج فی نصیب الآخر فله ان یکلف بانیه هدمه ونقضه۔ (شرح مجلة الاحکام المادة ۱۰۸۲ ص۶۱۲) لہ

لہ وفی الهندیة : دفع بقرة الی انسان بالعلف لیکون الحادث بینهما نصفین فما حدث فهو لصاحب البقرة وللذي قام علیها مثل العلف الذی علفها واجر مثله فیما قام علیها۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۳۳۵ الباب الخامس فی الشرکة الفاسدة)

ومثله فی حاشیة منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۵ ص۱۷۱ کتاب الشرکة۔

لہ وقال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ : واذا بنی فی الارض المشترکة بغیر اذن الشریك له ان ینقض بناءه۔ (فتاوی کاملیہ ج ص۵۱ کتاب الشرکة)

ومثله فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص۹۸ کتاب الشرکة۔

خودرو گھاس مشترک ہوتا ہے

سوال:- ایک مشترکہ زمین جو کسی کی تمام ملکیت نہیں ہے، گاؤں والوں میں سے ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ اس مشترکہ زمین میں اُگے ہوئے خودرو گھاس کو جبراً روک دے یا فروخت کرے تو کیا اس شخص کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- خودرو گھاس خواہ مملوکہ زمین میں ہو یا غیر مملوکہ زمین میں، ہر حال میں وہ کسی کی ملک نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ بالا شخص کا یہ اقدام شرعاً درست نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: المسلمون شرکاء فی ثلث فی الماء والکلاء والنار۔

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۳۷ کتاب البیوع باب فی منع الماء)

آمدن و اخراجات میں شریک بھائیوں کی کمائی کا حکم

سوال:- دو بھائی آپس میں آمدنی اور گھر کے تمام اخراجات میں شریک تھے، ان میں سے ایک بھائی انگلینڈ چلا گیا، وہاں اس نے کافی مال جمع کیا، واپس آکر ایک مکان خریدا، اس بھائی کی عدم موجودگی میں دوسرا بھائی گاؤں میں بھی محنت مزدوری کرکے خود بھی کھاتا رہا اور اس کے اہل و عیال کو بھی کھلاتا رہا، لیکن جس بھائی نے مکان خریدا ہے اب وہ اس میں دوسرے بھائی کے حصہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، تو کیا شرعاً یہ دونوں بھائی اس مکان میں برابر کے شریک ہوں گے یا جس بھائی نے خریدا ہے اسی کا ہی ہوگا؟

الجواب:- مذکورہ صورت میں جو شرکت ہے وہ شرکت فاسدہ ہے، لہٰذا اگر دونوں بھائیوں کے اموال آپس میں غیر متمیز ہوں تو ان میں مساوی انداز میں تقسیم ہوں گے اور اگر دونوں کے اموال متمیز ہوں تو ہر ایک بھائی اپنے اپنے حصے کا حقدار ہوگا، اور اس بھائی کے مکان میں دوسرے بھائی کو حصہ دینا کوئی شرعی امر نہیں بلکہ محض

لہ وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانی رحمه الله: الماء والکلاء والنار مباحة والناس فی هذه الاشیاء الثلاثة شرکاء۔

(شرح مجلة الاحکام ج۱ ص۳۳۴ الکتاب العاشر)

وَمِثْلُهُ فی الہندیۃ ج۴ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

رواجی امر ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: يؤخذ من هذا ما أفتى به في الخيرية في زوج امرأة وابنها اجتمعا في دار واحدة وأخذ كل منهما يكتسب على حدة ويجمعان كسبهما ولا يعلم التفاوت ولا التساوي ولا التمييز فأجاب بأنه بينهم سوية.
(رد المحتار ج۳ ص۳۲۵ کتاب الشرکة، فصل في الشركة الفاسدة)[۱]

مشترکہ ندی سے انتفاع کا حکم

سوال: ایک ندی دو آدمیوں کے مابین مشترک ہے، ان میں سے ایک شریک دوسرے کو منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اس ندی سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور میں آپ کا اس میں حق نہیں مانتا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شریک اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس ندی سے نفع حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مذکورہ ندی کا مشترک ہونا معروف اور مسلّم ہو تو پھر شرکاء میں سے ہر ایک اپنے اپنے حصہ میں مستقل تصرف کرنے کا مالک ہے اور ملک مشترک میں دوسرے ساتھی کی اجازت سے تصرف کرنے کا مجاز ہے۔

قال العلامة سليم رستم بازؒ: لأحد أصحاب الحصص التصرف مستقلاً في الملك المشترك بإذن الآخر لكن لا يجوز له أن يتصرف تصرفاً مضراً بالشريك.
(شرح مجلة الأحكام، المادة ۱۰۷۰ ص۶۱۱ الكتاب العاشر)

---

[۱] وقال الشيخ محمد كامل الطرابلسيؒ: فإذا كان سعيهم واحداً ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصواباً كما أفتى به في الخيرية وما اشتراه أحدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه إذا دفعه من المال المشترك. (الفتاوى الكاملية ج۱ ص[illegible] كتاب الشركة)

ومثله في تنقيح الحامدية ج۱ ص[illegible] كتاب الشركة.

[۲] وقال العلامة ابن عابدينؒ: إن كل واحد من الشريكين شركة ملك ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه كغير الشريك من الأجانب إلا بإذنه لعدم تضمنها الوكالة.
(تنقيح الحامدية ج۱ ص۸۸ كتاب الشركة)

ومثله في الهندية ج۲ ص۲۹۹ كتاب الشركة.

مزدور جو کچھ کمائے وہ اسی کی ملکیت خاص ہوتا ہے

سوال:۔ ایک آدمی کے پانچ بیٹے ہیں جن میں سے ایک بیرون ملک چلا گیا اور وہاں چند سال مزدوری کرنے کے بعد پھر اپنے وطن واپس آگیا اور کچھ مدت گزرنے کے بعد اپنے بھائیوں اور والدین سے جدا ہوگیا، اس موقع پر اس نے یہ کہا کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے وہ خاص میری ملکیت ہے جبکہ اس کے بھائیوں نے یہ کہا کہ نہیں تمہاری کمائی میں ہمارا بھی حصہ بنتا ہے تو کیا اس کے دوسرے بھائیوں کا یہ کہنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت کی رو سے کسی مزدوری کی کمائی ہوئی رقم اسی کی ملک خاص ہوتی ہے اور اس کی اس کمائی میں کوئی بھی شریک نہیں، کیونکہ کمائی اور مزدوری کمانے والے کی ملک خاص ہوتی ہے، البتہ اس پر مشترکہ مال سے جو کچھ خرچ کیا گیا ہو تو وہ واپس لیا جا سکتا ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل الطرابلسیؒ: فان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصوابا لم افت فیه بالخیریة وما اشتراه احدهم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك. (الفتاوی الکاملیة ص ۴۰ کتاب الشرکة)[۱]

اولاد اور باپ کی مشترکہ تجارت میں اولاد کا حصہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میری پرچون کی دوکان ہے جس کا کل سرمایہ میرا اپنا ہے۔ دوکان میں نے پچاس ہزار روپے کے سرمائے سے شروع کی اور اب دوکان کا سرمایہ دس لاکھ روپے تک بڑھ گیا ہے، اس کاروبار کو ترقی دینے میں میرے دو بیٹوں نے بھی میرا ساتھ دیا ہے، دونوں بیٹے اس وقت سے لے کر آج تک اکٹھے رہتے ہیں، اب ان میں سے ایک بیٹا جدا ہونا چاہتا ہے اور مجھ سے اس دوکان میں حصہ داری کا مطالبہ کرتا ہے۔ آنجناب سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل مطلوب ہے؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کے مطابق آپ کے بیٹے کاروبار میں آپ کے معاون تھے نہ کہ شریک، اس لیے ان میں سے کسی ایک بیٹے کو بھی دوکان میں حصہ داری کے دعویٰ کا

---

[۱] لما قال العلامة سلیم رستم باز: وما اشتراه احد منهم لنفسه یکون له ویضمن شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك وکل ما استدانه احدهم یطالب به وحده.
(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۳۳۱ ص ۷۲۵ الکتاب العاشر)
ومثله فی تنقیح الحامدیة ج۱ ص ۹۲ کتاب الشرکة۔

شرعاً کوئی حق نہیں، اور اگر آپ اس بیٹے کو کچھ بھی نہ دیں تو شرعاً آپ پر کوئی گناہ نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اس بیٹے کو بھی احساناً کچھ نہ کچھ دے دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اب و ابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیء ثم اجتمع لهما مال یکون کله للاب اذا کان الابن فی عیاله واجاب خیر الرملی عن سؤال اخر بقوله حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ما حصله بکده وتعبه فهو ملک خاص لابیه لا شیء له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذلک لابیه معین. (فتاوی حامدیة ج ۲ ص [illegible] کتاب الشرکة)

اس صورت میں وہ سب باپ ہی کا ترکہ ہوگا، اس سے زیادت کے دعوے کا حق کسی کو بھی نہیں۔ نیز اولاد کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے لیے زید کو اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ اس سرمایہ کو ان میں تقسیم کرے بلکہ اولاد بالغین کو بدون کچھ سرمایہ دیئے بھی الگ کر سکتا ہے اور اگر ان کو کچھ سرمایہ دے کر الگ کرے تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ اس صورت میں سب کو برابر دے، اور نابالغوں کو اپنے ساتھ رکھے، بلوغ سے پہلے ان کو الگ نہیں کر سکتا۔ (امداد الاحکام ج ۳ ص [illegible] کتاب الشرکۃ)

* *

---

[1] قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: والجواب: زید کے جو بیٹے اس کے کاروبار میں اپنے ساتھ شریک کیا ہے تو سب کی صورت کیا تھی؟ آیا زید نے ہر بیٹے کو کچھ رقم یا سرمایہ ہبۃً دیدیا تھا، پھر وہ رقم یا سرمایہ کاروبار میں لگا کر وہ کاروبار میں شریک ہوا۔ یا ثابت ہوا کہ باپ نے کسی بیٹے کو کچھ رقم ہبۃً نہیں دی نہ سرمایہ دیا اور نہ بیٹوں کے پاس اپنی ذاتی رقم یا سرمایہ تھا جس کو مذکورہ کاروبار میں شریک ہوتے ہوئے لگا کر بیٹے ویسے ہی بدون رقم دیئے کام کرنے لگے اور اس شرکت سے کام کو ترقی ہوئی۔ پس صورت اولیٰ میں تو البتہ شرکت ہے اور ہر شخص اپنی رقم و سرمایہ کی نسبت سے اس وقت اصل و نفع میں مستحق ہوگا۔ اور صورت ثانی میں شرکت ہی نہیں بلکہ کل سرمایہ زید کی ملک ہے اور سب لڑکے اس کے معین شمار ہوں گے اور جن لڑکوں پر زیادہ خرچ ہوا

كتاب
المضاربة

کتاب المضاربة

(مضاربت کے احکام و مسائل)

مضاربت کی حقیقت

سوال: جناب مفتی صاحب! مضاربت کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: مضاربت رب المال اور مضارب کے باہمی اشتراک کا وہ فائدہ مند معاملہ ہے جس میں رب المال کو اس کے مال کی وجہ سے اور مضارب کو محنت کی وجہ سے حصہ دیا جاتا ہے، ایسی حالت میں دونوں کے بیچ اس معاہدہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے جو شرعی قواعد و ضوابط کی روشنی میں ان کے درمیان طے پایا ہو۔

قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: هی شرکة بمال من جانب و عمل من جانب والمضارب امین وبالتصرف وکیل وبالربح شریک وبالفساد اجیر وبالخلاف غاصب وباشتراط کل الربح له مستقرض وباشتراطه لرب المال مستبضع وانما تصح بما تصح به الشرکة۔

(کنز الدقائق ص۳۳۲ کتاب المضاربة) [1]

مضاربت میں منافع کی تعیین کرنا

سوال: عمرو نے بکر کو دس ہزار روپے تجارت کے لیے دیئے اور بکر پر شرط عائد کردی کہ آپ مجھے سالانہ ایک ہزار روپے دیں گے بقایا منافع جتنا بھی ہوگا وہ آپ کا ہوگا، تو کیا ایسا عقد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مضارب یا رب المال کا کسی خاص مقدار میں منافع کا اپنے لیے تعیین کرنا خواہ ماہانہ ہو یا سالانہ مفسد عقد ہے اس لیے ایسی صورت میں مضاربت فاسد رہے گی۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان یکون نصیب کل واحد منهما

---

[1] قال العلامة القدوری رحمه الله: المضاربة عقد یقع علی الشرکة فی الربح بمال من احد الشریکین وعمل من الآخر ولا تصح المضاربة الا بالمال الذی بیّنّا ان الشرکة تصح به۔ (مختصر القدوری کتاب المضاربة)

ومثله فی الهندیة ج۴ ص۲۸۵ کتاب المضاربة۔

من المضارب ولرب المال من الربح جزءً شائعاً نصفاً او ثلثاً او ربعاً فان شرطا عدداً مقدراً بان شرطا ان يكون لاحدهما مائة درهم من الربح او اقل او اكثر والباقي للآخر لا يجوز والمضاربة فاسدة۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص۸۵ فصل واما الشرائط التي فبعضها يرجع الخ) [۱]

عقدِ مضاربت میں راس المال کا نقدی ہونا ضروری ہے

سوال:- زید نے عمرو کے ہاتھ بیس ہزار روپے کا مال فروخت کیا اور قیمت وصول نہیں کی بلکہ قرض رہنے دیا، بعد میں دونوں میں اس طرح کا عقد ہو گیا کہ زید نے عمرو سے کہا کہ ان بیس ہزار روپوں کے ساتھ آپ تجارت کریں جو میرے آپ کے ذمے قرض ہے اور منافع کی صورت میں اولاً عمرو زید کو دو ہزار روپے ادا کرے گا اور بقایا راس المال سے جو بھی نفع آئے گا وہ دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم ہو گا، کیا مضاربت کی یہ صورت شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ مضاربت شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ عقدِ مضاربت میں مال کا نقد ہونا ضروری ہے نہ کہ قرض کا مال، البتہ اس طرح کا عقد کرنا کہ رب المال کا کسی آدمی کے ذمے قرض ہو اور مضارب کو اجازت دے دے کہ آپ اس قرض کو وصول کر کے اس سے تجارت کریں تو یہ صورت درست ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ:- واما المضاربة بدين فان كان على المضارب لم يجز وان على ثالث جاز وكره۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۵ ص۶۴۶ كتاب المضاربة) [۲]

---

[۱] وفي الهندية: ومنها ان يكون نصيب المضارب من الربح معلوماً على وجه لا تنقطع به الشركة في الربح كذا في المحيط، فان قال على ان لك من الربح مائة درهم او شرط مع النصف او الثلث عشرة دراهم لا تصح المضاربة كذا في محيط السرخسي۔ (الفتاوى الهندية ج ۴ ص۲۸۶ كتاب المضاربة الباب الاول في تفسيرها وركنها وشرائطها)

ومثله في البحر الرائق ج ۷ ص۲۶۳ كتاب المضاربة۔

[۲] وفي الهندية: ومنها ان يكون رأس المال عيناً لا ديناً فالمضاربة بالديون لا تجوز حتى ان من كان له على آخر الف درهم فامره صاحب الدين ان يعمل بها مضاربة لا تجوز المضاربة كذا في النهاية۔ (الفتاوى الهندية ج ۴ ص۲۸۶ كتاب المضاربة الباب الاول في تفسيرها وركنها وشرائطها) ومثله في الهداية ج ۳ ص۲۵۸ كتاب المضاربة۔

سے منہا کیا جائے گا اگر اس سے بھی تجاوز ہو تو پھر راس المال سے منہا کیا جائے گا۔

- قال العلامة الحصكفيؒ: وفي الجلالية كل شرط يوجب جهالة في الربح او يقطع الشركة فيه يفسدها والا بطل الشرط كشرط الخسران على المضارب۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۵ ص۶۴۸ كتاب المضاربة) ؎

مضاربت میں فریقین منافع کے حقدار کب بنتے ہیں

سوال: رب المال اور مضارب کے درمیان معاہدہ ہوا کہ مضارب دوسرے شہروں سے مال فروخت کرے گا اور منافع نصف نصف ہوگا، اب رب المال نے مضارب سے مال فروخت ہونے سے پہلے کہا کہ یہاں کے بھاؤ کے حساب سے درآمد کردہ مال میں بیس ہزار روپے منافع ہوتا ہے لہٰذا آپ مجھے دس ہزار روپے دے دیں، تو کیا رب المال کا ایسا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: جب تک منافع کا ظہور نہ ہو جائے رب المال کو ایسا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور منافع مال بیچنے کے بعد ہوتا ہے، اور اگر فریقین کے مابین اس طرح کا معاہدہ ہو چکا ہو تو یہ مضاربت فاسد ہے اس کو فوراً توڑ دینا چاہیے۔

قال العلامة ابن نجيمؒ: واشار المصنف الى ان المضارب ان ينفق على نفسه من مال المضاربة في السفر قبل الربح والى انه لو لم يظهر الربح لا شيء على المضارب۔

(البحر الرائق ج۷ ص۲۶۷ كتاب المضاربة) ؎

؎ قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله: الضرر والخسار يعود في كل حال على رب المال واذا شرط كونه مشتركا بينه وبين المضارب فلا يعتبر ذلك الشرط۔ (شرح مجلة الاحكام مادة ۱۴۲۸ ص۷۷۷ الفصل الثالث في بيان احكام المضاربة)

ومثله في الهداية ج۳ ص۲۵۸ كتاب المضاربة۔

؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: فاذا ظهر الربح فهو شريكه بحصته من الربح۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۱۸۸ كتاب المضاربة، الفصل الاول في التمهيد)

ومثله في رد المحتار ج۵ ص۶۵۲ كتاب المضاربة۔

حکومتی جرمانہ رب المال پر آئے گا یا مضارب پر

سوال :- زید نے عمرو کو دس ہزار روپیہ افیون کی تجارت کے لیے دیئے، عمرو افیون خرید کر بڑی احتیاط کے ساتھ آرہا تھا کہ راستے میں پولیس نے اُسے گرفتار کرکے مال بھی ضبط کرلیا اور تین ہزار روپے جرمانہ بھی لے لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ تین ہزار روپیہ رب المال (زید) کے ذمے ہے یا مضارب (عمرو) کے ذمے؛ جبکہ افیون کی تجارت حکومت کی طرف سے سخت جرم ہے؟

الجواب :- نقصان جرم کی اگر مالک نے ذمہ داری قبول کرلی ہے تو مالک پر ضمان لازم ہے ورنہ مضارب پر آئے گا۔ البحر الرائق جلد ۲ صفحہ میں ہے: ولا یرجع له فیما انفقه فی الخصومة لتقاضی الدین۔ جب دَین (قرض) کے مقدمے کا خرچ مالک پر نہیں آتا ہے تو جرم کا ضمان کس طرح مالک پر آئے گا۔

وفی الھندیة : الاصل ان ما یفعله المضارب ثلاثة انواع نوع یملکه بمطلق المضاربة وھو ما یکون من باب المضاربة وتوابعھا ومن جملته التوکیل بالبیع والشراء والبیعة والرھن والارتھان والاجارة والاستئجار والایداع والابضاع والمسافرة ونوع لا یملکه بمطلق العقد ویملکه اذا قیل له اعمل برأیك وھو ما یحتمل ان یلحق به عند وجود الدلالة وذلك مثل دفع المال مضاربة او شرکة الی غیرہ وخلط مال المضاربة بماله او بمال غیرہ ونوع لا یملکه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأیك الا ان ینص علیه رب المال وھو الاستدانة۔ (الفتاوی الھندیة ج ۴ ص ۲۹۱ الباب الرابع فیما یملك المضارب من التصرفات ولا یملك به)[1]

---

[1] قال العلامة برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: والاصل ان ما یفعله المضارب ثلاثة انواع نوع یملکه بمطلق المضاربة وھو ما یکون من باب المضاربة وتوابعھا الخ (الی ان قال) ونوع لا یملکه لا بمطلق العقد ولا بقوله اعمل برأیك الا ان ینص علیه رب المال۔

(الھدایة ج ۳ ص ۲۴۵ فصل فیما یفعله المضارب)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۱۸۹ الفصل الثانی فیما یملك المضارب۔

دوکان کے اخراجات مضارب پر عائد کرنا

سوال:۔ رب المال اور مضارب کے درمیان ایسا معاہدہ کرنا کہ نفع نقصان میں باہم شریک ہوں یعنی ایک تہائی رب المال کا اور دو تہائی مضارب کا ہوگا اس کے علاوہ دوکان کے اخراجات بھی مضارب کے ذمے ہوں گے کیا ایسا معاہدہ کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ دوکان کے اخراجات رأس المال سے ادا کرنا جائز ہیں البتہ مضارب کو تاوان میں شریک کرنا ناجائز ہے اور مضارب پر تاوان کی ادائیگی مشروط کرنا بھی باطل ہے، تاوان کی صورت میں اگر مضارب قصور وار نہ ہو تو منافع سے منہا کیا جائے گا اور اگر منافع سے پوری ادائیگی ممکن نہ ہو تو رأس المال سے ادا کیا جائے گا۔

قال العلامة سلیم رستم باز: واذا تلف بعض مال المضاربة یحسب فی اول الامر من الربح ولا یسری الی رأس المال واذا تجاوز مقدار الربح وسری الی رأس المال فلا یضمنه المضارب سواء کانت المضاربة صحیحة او فاسدة۔

(شرح مجلة الاحکام، المادة ۱۴۲۴ ص۴۴۷، ج۴)۔۱؎

مضاربت کے قواعد وضوابط پر عرف کا اثر

سوال:۔ مروجہ کرنسی نوٹ مضاربت کے لیے کافی ہیں یا سونا چاندی خرید کر دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ مروجہ کرنسی نوٹ چونکہ ثمن عرفی کے حکم میں ہیں اور معاشرہ میں ان سے خرید وفروخت کی جاتی ہے اس لیے مضاربت کے لیے ان کا دینا ہی کافی ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: والمضاربة لا تجوز بغیر الاثمان والاثمان الدراهم والدنانیر مکسورة کان او موزونا او عروضا فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی وقال محمد رحمه الله تجوز بالفلوس الرائجة عددا ولا

۱؎ قال العلامة المرغینانی: من مال مضاربة فهو من الربح دون رأس المال لأن الربح تابع (الی ان قال) فان زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه أمین۔ (الهدایة ج۳ ص۲۶۵ فصل فی العزل والقسمة، کتاب المضاربة)

ومثله فی ردالمحتار ج۴ ص۴۵۸ فصل فی المتفرقات، کتاب المضاربة۔

تجوز بالذھب والفضۃ اذا لم تکن مضروبۃ فی روایۃ الاصل)

(فتاوی خانیۃ علیٰ ھامش الہندیۃ ج ۳ ملک کتاب المضاربۃ باب

حیوان کو مضاربت میں دینے کا حکم

سوال:۔ مضارب کا رب المال سے جانور لینا بایں شرط کہ میں اس کو پالوں گا اور اس کی نسل پیدا ہونے کی صورت میں موافق شرط تقسیم کریں گے، کیا مضاربت کی یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حیوان کو مضاربت پر دینا عقد فاسد ہے، ہاں اگر حیوان کو دیتے وقت یہ کہدے کہ اس جانور کو بیچ دو اور اس رقم پر عمل مضاربت کرو تو یہ جائز ہے۔

قال العلامۃ سلیم رستم باز یشترط ان یکون رأس المال مما تصح بہ الشرکۃ فلا یجوز ان یکون العقار و العروض والدین فی ذمۃ رأس مال فی المضاربۃ لکن اذا اعطی شیئا من العروض الی المضارب وقال بع ھذا و اعمل بثمنہ مضاربۃ وقبل المضارب وقبض ذلک المال و باعہ واتخذ نقودہ ثمنہ رأس المال للتجارۃ کانت المضاربۃ صحیحۃ۔ (مجلۃ الاحکام، مادۃ ۱۴۰۹ ص۷۷۵ الفصل الثانی فی شروط المضاربۃ) لہ

مال مضاربت سے خریدی ہوئی بکری کے دودھ کا حکم

سوال:۔ مضارب نے باجازت رب المال بکری

لہ قال العلامۃ ابوبکر الحداد الیمنی: (قولہ ولا تصح المضاربۃ الا بالمال الذی بیناہ ان الشرکۃ تصح بہ) یعنی انہا لا تصح الا بالدراھم والدنانیر والفلوس فعلی الخلاف الذی بیناہ فی الشرکۃ وھو عند محمد تجوز المضاربۃ بہا وعندھما لا تجوز

(الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص۳۵ کتاب المضاربۃ)

ومثلہ فی عینی شرح کنز ص ۔۔ کتاب المضاربۃ۔

وفی الہندیۃ: لو دفع الیہ عرضا وقال بعہ واقبض ثمنہ واعمل بہ مضاربۃ فنبعہ بدراھم او دنانیر وتصرف فیہا جازت المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی۔

(فتاوی الہندیۃ ج ۴ ص۲۸۵ کتاب المضاربۃ الباب الاول فی تفسیرھا و رکنہا وشرائطہا وحکمہا)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۔۔ کتاب المضاربۃ۔

خریدی اب اس کا دودھ مضارب کی ملکیت ہوگی یا کہ رب المال کی؟

الجواب:۔ دودھ، اون وغیرہ تمام کے تمام مال مضاربت یا نفع میں داخل ہے، ان کا استعمال بغیر اجازت کے ممنوع ہے۔ ان چیزوں کی قیمت حسب ضابطہ فقہاء کبھی تو رأس المال میں داخل ہوتی ہے اور کبھی نفع (منافع) ہیں۔

قال العلامة سلیم رستم باز: المضارب امین فرأس المال فی یدہ فی حکم الودیعة اما من حیث تصرفه فی رأس المال فهو وکیل رب المال واذا ربح صار له شریکا فیه۔ (مجلة الاحکام. مادة ۱۴۱۴ ص۷۸۵ الفصل الثالث فی احکام المضاربة)[1]

مضارب کا معاہدہ کے خلاف کام کرنا

سوال:۔ زید نے بکر کو بیس ہزار روپے عقد مضاربت پر کپڑوں کی تجارت کے لیے دیئے، بکر نے خلاف معاہدہ تیل کی تجارت شروع کردی اور اس میں نقصان اٹھایا، از روئے شرع شریف نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

الجواب:۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے پر نقصان کی تمام ذمہ داری بکر (مضارب) پر عائد ہوتی ہے لہٰذا بکر زید کو تمام رأس المال یعنی بیس ہزار روپے ادا کرے گا۔

وفی الهندیة: ان خص له رب المال التصرف فی بلد بعینه او فی سلعة بعینها لم یجز له ان یتجاوز ذلک الا ان قال ما اشتریت الا غیر ذلک المال فاشتری ضمن وکان ذلک له وله ربحه۔ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۲۹۴ الباب السادس فیما یشترط علی المضارب من الشروط)[2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: فاذا ظهر الربح فهو شریکه بحصته من الربح۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۱۹۸ کتاب المضاربة)
ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۳۴۵ کتاب المضاربة۔

[2] قال العلامة سلیم رستم باز: اذا خالف المضارب رب المال بعد ما نهاه بقوله لا تذهب بمال المضاربة الی المحل الفلانی ولا تبع بالنسیئة فذهب بمال المضاربة الی ذلک المحل فتلف المال او باع بالنسیئة فهلک الثمن کان المضارب ضامنا۔
(مجلة الاحکام مادة ۱۴۲۲ ص۷۸۸ الفصل الثالث فی احکام المضاربة)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۵۱۱ کتاب المضاربة۔

مدرسے کا فنڈ چندہ دہندگان کی اجازت سے مضاربت پر دینا

سوال:- کیا مدرسے کا فنڈ بمشورہ متولیان و اراکین مدرسہ مضاربت پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مدرسے کا فنڈ ضروریات مدرسہ سے زائد ہو تو چندہ دہندگان کی اجازت اور متولیان مدرسہ کے مشورہ سے اس سے تجارت کرنا مرخص ہے۔

وفی الهندیة: القیم اذا اشتری من غلة المسجد حانوتاً او داراً ان یستغل ویباع عند الحاجة جاز ان کان له ولایة الشراء۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۴۶۲ الباب الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم وغیرہ فی مال الوقف علیه)[1]

مال کی موجودگی میں مضاربت کو ختم کرنے کا حکم

سوال:- زید نے خالد کو تجارت کے لیے ایک لاکھ روپے دیے اب کچھ وقت گذر جانے کے بعد زید اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ خالد کے پاس ابھی کچھ مال باقی ہے۔ تو کیا مال کی موجودگی میں زید اپنی رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر عاقدین مضاربت کو ختم کرنا چاہتے ہوں تو جب تک مال مضاربت ختم نہیں ہوتا اس وقت تک رب المال اپنے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ مضارب کو معزول کرنے سے اس کے تصرفات ختم ہوں گے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: واعلم المضارب بعزله والمال عروض فله ان یبیعها ولا یمنعه العزل من ذلك لأن حقه قد ثبت فی الربح وانما یظهر بالقسمة وهی تبتنی علی رأس المال وانما ینض بالبیع۔
(الهدایة ج۳ ص۲۶۹ کتاب المضاربة)

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: الفاضل عن وقف المسجد یشتری مستغلاً للمسجد حانوتاً او داراً۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۴۲۳ الفصل الرابع فی المسجد واوقافه ومسائله)
ومثله فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۳ فصل فی وقف المنقول۔

كتاب
الوكالة
الحوالة

فتقبلها ربها بقبولٍ
حسن وانبتها نباتا
حسناً وكفلها زكريا

قال اجعلني خزائن
الارض انى حفيظ عليم

کتاب الوکالۃ والکفالۃ

(وکالت کے احکام و مسائل)

نابالغ کو وکیل بنانا

سوال:۔ مساجد، مدارس یا دوسرے رفاہی کاموں کے لیے چندہ کرتے وقت بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ گھروں سے عورتیں چھوٹے بچوں کو چندہ دے کر بھیجتی ہیں، تو کیا ایک نابالغ بچہ والدہ یا والد کی طرف سے کچھ رقم لے جا کر وکیل بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بچہ سمجھدار ہو تو اس کو وکیل بنانے میں کوئی حرج نہیں تاہم مذکورہ صورت میں بچہ وکیل نہیں بلکہ صرف نمائندہ ہے جس کو فقہاء کرام رسول کے نام سے یاد کرتے ہیں اس لیے نابالغ بچوں کے ہاتھ خیرات وغیرہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: قال ویجوز ان یقبل فی الھدیۃ والاذن قول العبد والجاریۃ والصبی لان الھدایا تبعث عادۃ علی ایدی ھؤلاء وکذا لا یمکنھم استصحاب الشھود علی الاذن عند الضرب فی الارض والمبایعۃ فی السوق فلو لم یقبل قولھم یؤدی الی الحرج۔ (الھدایۃ ج۴ ص۴۵۲ کتاب الکراھیۃ) [1]

وکالت میں علم ہونا ضروری ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں نکاح پڑھاتے وقت لڑکی سے باقاعدہ اجازت لینے کی بجائے کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کر کے ایجاب و قبول کرایا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں لڑکی کو علم تک نہیں ہوتا ہے، کیا کسی ایسے شخص کے ایجاب و قبول کا اعتبار دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی کا وکیل بننے کے لیے موکل کی طرف سے باقاعدہ اجازت کا ہونا

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقبل قول المملوک ولو انثی والصبی فی الھدیۃ سواء اخبر باھداء المولی غیرہ او نفسہ والاذن سواء کان بالتجارۃ او بدخول الدار۔ قال ابن عابدینؒ تحتہ قال فی القربان قال عبد او جاریۃ او صبی ھذہ ھدیۃ ھذہ الیک سیدی او ابی ..... انما یقبل قول ھؤلاء فیھا لان الھدایۃ تبعث عادۃ علی ایدی ھؤلاء۔ (ردالمحتار ج۶ ص۳۴۵ کتاب الکراھیۃ)

ضروری ہے۔ صورتِ مذکورہ میں ایسا نکاح نکاحِ فضولی کے حکم میں ہے، اگر لڑکی علم ہوجانے کے بعد اجازت دے دے تو نکاح منعقد ہوجائے گا ورنہ نہیں۔

لما قال العلامة الكاسانيؒ: والاصل هٰذا ان تصرفات الفضولي التي لها مجيز حالة العقد منعقدة موقوفة على اجازة المجيز من البيع والاجارة والنكاح والطلاق ونحوها فان اجاز ينفذ والا فيبطل۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۵۰ کتاب [illegible])

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ شادی کے وقت جب نکاح پڑھا جاتا ہے تو لڑکی سے اجازت لینے کے لیے کسی نابالغ لڑکے کو بھیجا جاتا ہے اور پھر اس لڑکے کا والد یا کوئی دوسرا رشتہ دار وکیل بن کر ایجاب وقبول کرلیتا ہے تو کیا ایسے وکالت ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً وکالت کے لیے وکیل کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے بنا بریں نابالغ لڑکے کی وکالت درست نہیں ہے، صورتِ مسئولہ میں نابالغ لڑکا چونکہ اخبار عن الوکالت کرتا ہے اس لیے لڑکے کا یہ اخبار عن الوکالت درست ہوتا ہے اور اسی طرح یہ لڑکا رسول کے حکم میں ہے اور رسالت میں احکام مرسل کو راجع ہوتے ہیں نہ کہ رسول کو۔

قال العلامة محمد بن محمود الاستروشنيؒ: والحاصل ان امر الوكالة تثبت باخبار رجل واحد حرًا كان او عبدًا عدلًا كان او فاسقًا صبيًا او بالغًا۔
(جامع احكام الصغار على هامش جامع الفصولين ج۱ ص[illegible] مسئلة الوكالة)[2]

توکیل میں فریقِ مخالف کی رضامندی کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرنا چاہے تو

---

[1] وقال العلامة ابن عابدينؒ: وفي كل موضع لا ينفذ فعل الوكيل فالعقد موقوف على اجازة الموكل۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۳۲ کتاب الکفالة)

[2] وقال العلامة سليم رستم بازؒ: تعود حقوق العقد في الرسالة الى المرسل ولا تتعلق بالرسول اصلاً۔ (شرح المجلة للاحكام م۱۴۶۳ ص[illegible] کتاب الوکالة)

کیا اس میں فریقِ مخالف کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- وکیل مؤکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور یہ اس کا ذاتی حق ہے اس لیے توکیل کا جواز فریقِ مخالف کی رائے پر موقوف نہیں، تاہم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل کے ذریعہ کسی حق کے لزوم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تقرری میں فریقِ مخالف کی رائے شامل ہو جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله :- قال ابو حنیفة رحمه الله لا یجوز التوکیل بالخصومة من غیر رضاء الخصم الا ان یکون الموکل مریضاً او غائباً مسیرة ثلاثة ایام فصاعداً وقالا یجوز التوکیل بغیر رضاء الخصم وهو قول الشافعی رحمه الله ولا خلاف فی الجواز انما الخلاف فی اللزوم۔ (الهدایة ج۳ ص۱۷۷ کتاب الوکالة) [1]

وکیل سے رقم ضائع ہونے کی صورت میں ذمہ دار کون ہوگا

سوال :- کسی چیز کی خریداری پر مقرر کردہ شخص سے اگر رقم گم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ کیا وکیل اس مال کا ضامن ہوگا یا سارا نقصان مؤکل کے ذمے آئے گا؟

الجواب :- کسی چیز کی خریداری پر مقرر کردہ شخص سے رقم اگر مطلوبہ چیز خریدنے کے بعد گم ہو جائے اور بائع کو ابھی روپے نہ دیئے ہوں تو اس کی ذمہ داری مؤکل پر عائد ہوگی اور وہ وکیل پر رجوع کا حق نہیں رکھتا ہے، اور اگر مؤکل نے وہ چیز خریدنے کے بعد رقم وکیل کو دی ہو اور بائع کو دینے سے قبل وہ گم ہو جائے تو اس کی ذمہ داری وکیل پر عائد ہوگی۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله : اذا دفع الثمن الی انسان الف درهم فأمره ان یشتری بها جاریة فاشتری ثم هلك من قبل ان ینقد البائع یهلك من مال الآمر فی دفع الآمر الالف الی الوکیل بعد

---

[1] وقال العلامة سلیم رستم باز اللبنانی : لکل من المدعی والمدعی علیه ان یوکل من شاء بالخصومة ولا یشترط رضاء الآخر۔ (شرح المجلة الاحکام م۱۵۱۶ ص۸۴۲ الفصل الثانی فی الوکالة بالخصومة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۹۴ الفصل الرابع فی الوکالة بالبیع۔

ما اشتری فہلک قبل ان ینقد البائع یہلک من مال الآمر۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۱۵۱ الفصل الرابع فی الوکالۃ بالشراء) ؎

وکیل پر ضمان کا حکم

سوال:۔ وکیل کا مبیع خریدنے کے بعد اگر مبیع راستے میں کہیں ضائع ہوجائے تو یہ کس کا نقصان متصور ہوگا؟ وکیل یا مؤکل کا؟

الجواب:۔ وکیل چونکہ مؤکل کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ تمام تر ذمہ داری مؤکل کے فائدے کے لیے اٹھاتا ہے اس لیے مبیع کی ہلاکت کا نقصان مؤکل کو اٹھانا پڑے گا۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: فان هلک المبیع فی یده قبل حبسه هلک من مال المؤکل ولم یسقط الثمن لان یده کید المؤکل فاذا لم یحبسه یصیر المؤکل قابضا بیده۔ (الهدایۃ ج۳ ص۱۸۲ کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء) ؎

وکیل کا مدعی پر اقرار کرنا

سوال:۔ اگر مدعی علیہ کی طرف سے وکیل نمائندگی کرتے ہوئے مدعی کا حق تسلیم کرلے لیکن مدعی علیہ اب بھی اس سے انکار کررہا ہے تو کیا وکیل کا کسی کے حق پر اقرار کرنا مؤکل (مدعی علیہ) کے حق میں لازم متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ وکیل کا کسی کی نمائندگی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صرف مؤکل کے دنیاوی مفادات کا تحفظ کرے بلکہ شرعی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسکے جائز حق کے بارے

؎ وقال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: وعرف بکون المؤکل من حکم ما اذا وکلہ بشراء شیء ودفع الثمن الیہ فہلک فی یدہ قال فی البزازیۃ وفی جامع الفصولین دفع الیہ نقدا لیشتری بہ فاشتری وقبل ان ینقدہ للبائع ہلک فی مال الآمر وان اشتری ثم نقد المؤکل فہلک الثمن قبل دفعہ الی البائع عند المؤکل یہلک من مال الوکیل۔

(البحر الرائق ج۷ ص۱۵۱ باب الوکالۃ بالبیع والشراء)

؎ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: فلو ہلک فی یدہ قبل حبسہ ہلک من مال المؤکل ولم یسقط الثمن لان یدہ کید المؤکل فاذا لم یحبس یصیر المؤکل قابضا بیدہ۔

(البحر الرائق ج۷ ص۱۵۶ باب الوکالۃ بالبیع والشراء)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۱۵۱ الفصل الخامس فی الوکالۃ بالشراء۔

میں اقرار بھی کر سکتا ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں وکیل کا اقرار کرنا مدعیٰ علیہ کے حق میں لازم متصور ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار قاضی کے حضور میں ہو لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ حکم عام ہے خواہ قاضی کے حضور میں ہو یا کسی دوسری محفل میں ہو۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: وإذا أقر الوكيل بالخصومة على موكله عند القاضي جاز إقراره عليه ولا يجوز عند غير القاضي عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله استحساناً إلا أنه يخرج من الوكالة وقال أبو يوسفؒ يجوز إقراره عليه وإن أقر في غير مجلس القضاء۔ (الهداية ج ۳ ص ۱۹۵ باب الوكالة بالخصومة والقبض) ؎۱

توکیل بالنکاح میں شہادت ضروری نہیں

سوال:- لڑکی کی طرف سے نکاح کے معاملہ میں وکیل مقرر کرنے کے لیے دو آدمی بھیجے جاتے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ فلاں عورت نے اس کو وکیل مقرر کیا ہے، ایسی حالت میں اگر ایک آدمی اپنا گواہی پر اکتفاء کرے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- توکیل شہادت پر موقوف نہیں بلکہ وکیل کو جب بااعتماد ذرائع سے وکالت کی خبر پہنچے تو وکیل موکل کے لیے تصرف کر سکتا ہے، صورت مذکورہ میں ایک وکیل کا بیان ہی کافی ہے تاہم اگر دونوں گواہی دیدیں تو موکل کو کسی وقت بھی انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: واعلم أنه لا يشترط الشهادة

؎۱ وقال العلامة ابن نجیمؒ: ولو أقر الوكيل بالخصومة عند القاضي صح وإلا لا أي إن أقر على موكله عند غير القاضي لا يصح عندهما استحساناً وخرج به عن الوكالة وصحح أبو يوسفؒ إقراره مطلقاً وأبطله زفر مطلقاً وهو القياس لكونه مأموراً بالخصومة وهي منازعة والإقرار ضدها لأنه مسالمة والأمر بالشيء لا يتناول ضده ووجه الاستحسان أن التوكيل صحيح قطعاً وصحته تتناول ما يملكه وذلك مطلق الجواب دون أحدهما عيناً فينصرف إليه تحرياً للصحة۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۶۸ باب الوكالة بالخصومة والقبض)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۱۰۱ كتاب الدعوى، الفصل الخامس۔

مجاناً او تبرعاً عمدا بالاصل فی الوکالات وهو ان تکون بغیر اجر علی سبیل التعاون فی الخیر ومن المتبرع لا یلزمه فیه المضی فی العمل بل الوکیل التخلی عنه فی ای وقت وهذا مذهب الحنفیة والمالکیة والحنابلة ۔

وقال الشافعیة الوکالة ولو بجعل جائزة ای غیر لازمة من الجانبین ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۱۵۱ تعریف الوکالة ومشروعیتها)

وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانے کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنا مال لاہور منڈی میں فروخت کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اپنی طرف سے ایک دوسرے شخص کو وکیل بنا کر مال فروخت کرنے کے لیے لاہور روانہ کر دیا، تو کیا وکیل اول کا دوسرے شخص کو وکیل بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر مؤکل نے اس کو عمومی وکیل مقرر کیا ہو کہ میرا مال فروخت کرو چاہے تم خود جاؤ یا کسی اور کو بھیجو تو اس صورت میں وکالت عمومی کی وجہ سے وکیل اول کا دوسرے کو وکیل بنانا درست ہے، اور اگر مؤکل کی طرف سے عمومی وکالت نہ ہو تو پھر وکیل اول کا یہ اقدام صحیح نہیں۔

قال العلامة الکاسانیؒ: فان کانت عامة یملک ان یوکل غیره بالقبض لان الاصل فیما یخرج مخرج العموم اجراؤه علی عمومه وان کانت خاصة فلیس له ان یوکل غیره بالقبض لان الوکیل یتصرف بتفویض الموکل فیملک قدر ما فوض الیه۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۵ فصل فی حکم التوکیل)[1]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ان کانت الوکالة عامة ومقیدة بان یعمل الوکیل بنفسه لم یجز له توکیل غیره فیما وکل فیه وان کانت الوکالة مطلقة او عامة بان قال له اصنع ما شئت جاز له توکیل الغیر ویکون هذا الغیر وکیلا مع الاول عن الموکل۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۴ ص۱۶۱ هل للوکیل توکیل غیره)

گارنٹی سے کوئی چیز خریدنے یا بیچنے کا حکم

سوال :- ایک شخص مثلاً زید حاجی ساز و سامان (وزڈ ویلیو) کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور بعض کمپنیاں یہ مال اس پر گارنٹی سے فروخت کرتی ہیں مثلاً پانی کی ٹینکیاں، ٹونٹیاں یا نلکے پائپ بجلی کا سامان وغیرہ۔ ان میں سے بعض اشیاء کی گارنٹی پانچ سال، بعض کی دس سال اور بعض کی گارنٹی اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب زید کسی پر مذکورہ چیزیں بیچتا ہے تو اسی گارنٹی سے بیچتا ہے اگر گارنٹی کی مدت میں اگر فروخت کردہ چیز خراب ہوجائے تو مشتری وہ چیز زید کو واپس کرتا ہے اور زید وہ چیز کمپنی کو بھیج دیتا ہے اور کمپنی والے اس کے عوض میں یا تو نئی چیز دیدیتے ہیں یا اس کو ہی بالکل درست کر دیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے عام لوگ گارنٹی شدہ چیزیں خریدنے میں زیادہ رغبت ظاہر کرتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی بیع ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم نے ایک مولوی صاحب سے سنا ہے کہ یہ بیع مشروط ہونے کی بناء پر فاسد ہے۔ لہٰذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب :- دورِ حاضر میں بعض کمپنیاں اپنی مصنوعات کی خریداری پر گاہک کو سال دو سال بالالتزام کی گارنٹی دیتی ہیں، یہ گارنٹی صورت کے لحاظ سے کفالۃ بالدرک ہے۔ درک کے معنی حصول یعنی پانے کے ہیں۔ یعنی اگر مشتری مبیع میں کوئی عیب پائے تو بائع اس کا کفیل ہوگا۔ (مصباح اللغات ص۲۳۲) جبکہ کفالۃ بالدرک بالاجماع صحیح ہے۔ اسی طرح خود کفالہ میں بھی فقہاء کے ہاں توسع پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کفالہ بلکہ اکثر معاملات کا تعلق عرف کے ساتھ ہے۔ آجکل کوئی چیز فروخت کرتے وقت گارنٹی دینا کاروبار کا ایک اہم جزء بن گیا ہے، چونکہ آجکل دو نمبر نقلی چیزیں عام تیار ہوتی ہیں جس کی وجہ سے گارنٹی دینا اور لینا ناگزیر ہو گیا ہے، اور ویسے بھی عام طور پر عالمی و ملکی منڈیوں میں ایک رواج بن گیا ہے کہ لوگ گارنٹی والی چیز بلا کسی حیل و حجت کے خرید لیتے ہیں، لہٰذا آجکل گارنٹی پر خرید و فروخت کرنا عرف اور عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

كما في البدائع الصنائع: ولان الكفالة جوازها بالعرف۔ (ج۶ ص۳)

وكما في الهداية: واما الكفالة بالمال فجائزة معلوماً كان المكفول به او مجهولاً اذا كان مثل ان يقول تكفلت عنه بما لك عليه او بما يدركك في هذا البيع لان مبنى الكفالة على التوسع فيتحمل فيها الجهالة وعلى الكفالة بالدرك اجماع۔ (ج۳ ص۱۱۱) وكما في العناية: تكفلت عنه بمالك

عليه او بما يدركك في هذا البيع يعني من الضمان بعد ان كان ديناً صحيحاً لان مبنى الكفالة على التوسع فانها تبرع — وبعد اسطر: وعلى الكفالة بدرك بفتح الراء وسكونها وهو التبعة دليل على جوازها بالمجهول لا يصح. وفيه اشارة الى نفي قول من يقول ان الضمان بالمجهول لا يصح لانه التزام مال فلا يصح مجهولاً كالثمن في البيع وقلنا الضمان بدرك صحيح بالاجماع وهو ضمان بالمجهول. الخ (العناية على هامش فتح القدير ج ۶ ص ۲۹۸، ۲۹۹) — وكما في فتاوى قاضيخان: رجل باع داراً وكفل رجل المشتري بما ادركه فيها من درك فاخذ المشتري بذلك منه رهناً ذكر في الاصل أنّ الرهن باطل ولا ضمان على المرتهن والكفالة جائزة۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۳ ص ۶۴)

وکیل کا منصبِ وکالت کے خلاف کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم نے ایک آدمی کو اپنی طرف سے گاڑی خریدنے کا وکیل بنایا تھا کہ ہمارے لیے گاڑی خرید لو، اس نے کسی اور سے ہمارے لیے گاڑی خریدنے کی بجائے اپنی ہی گاڑی ہم پر بیچ دی۔ تو کیا یہ وکیل اپنی چیز ہمارے اوپر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمارے علم میں بھی نہ ہوا اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنی گاڑی آپ کو دی ہے اور ہم اس سے انکاری ہیں؟

الجواب:۔ وکالت ایک ایسا معاملہ ہے جس میں مؤکل اپنے وکیل پر اعتماد کرکے اپنی ذمہ داری اس کو سونپتا ہے، اس لیے وکیل کا اس معاملہ میں ایسا قدم اٹھانا جو منصبِ وکالت کے خلاف ہو اور اس میں دھوکہ دہی کا شبہ ہو جائز نہیں، لہٰذا اس میں جو معاملہ سامنے آجائے وہ منعقد نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں بھی دھوکہ دہی اور غرر کا عنصر موجود ہے اس لیے یہ معاملہ کالعدم ہے۔

لما في الدر المختار: حيث لم يكن مخالفاً دفعاً للغرر. قال ابن عابدينؒ: تحت قوله دفعاً للغرر...... وفيه الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه لان الواحد لا يكون مشترياً وبائعاً فيبيعه من غيره ثم اشتريه منه. (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۵ كتاب الوكالة)

تاہم اگر مؤکل کی طرف سے کلی اجازت ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: وان امر المؤكل أنهُ يبيعه من نفسه او اولاده الصغار او ممن لا تقبل شهادته فباع منه جاز. (رد المحتار ج ۴ ص ۴۲۵ كتاب الوكالة)

کتاب الحوالۃ

(حوالہ کے مسائل و احکام)

محیل کو قرض کی ادائیگی کے لیے دی ہوئی مہلت کا محتال علیہ میں اعتبار

سوال: ایک شخص پر قرض کی ادائیگی کے لیے قرض دہندہ کی طرف سے ایک سال کی مہلت دی گئی تھی، قرض خواہ نے وہ رقم ایک دوسرے شخص کے حوالہ کی، لیکن اب دائن محتال علیہ (دوسرے شخص) سے فوری ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے، کیا اس کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مہلت اور وقت مدیون (قرض خواہ) کو قرض کی ادائیگی کے لیے دی گئی تھی اسی مہلت کا اعتبار ہوگا لہٰذا دائن (قرض دہندہ) کا قبل از وقت قرض کی ادائیگی کا محتال علیہ سے مطالبہ کرنا بلا جواز اور بے جا ہے۔

لما قال العلامۃ کمال الدین محمد بن عبد الواحدؒ: والمطلقۃ المؤجلۃ له اعنی بحیث لو کان الی سنۃ فاحال الطالب علیہ الی سنۃ کانت علیہ الی سنۃ ولو حصلت الحوالۃ مبھمۃ لم یذکرہ محمد رحمہ اللہ وقالوا ینبغی ان تثبت مؤجلۃ کما فی الکفالۃ لانہ تحمل ما علی الاصیل بای صفۃ کان۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۵ کتاب الحوالۃ)[1]

حوالہ میں دائن کی رضامندی ضروری ہے

سوال: کیا کسی دوسرے شخص کو قرض کی ادائیگی کے لیے حوالہ کرنے

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی الفتح تنقسم الحوالۃ المطلقۃ الی حالۃ ومؤجلۃ فالحالۃ ان یحیل الطالب بالف ھی علی المحیل حالۃ فتکون علی المحتال علیہ حالۃ لان الحوالۃ تحویل الدین فیتحول بصفتہ التی علی الاصیل والمؤجلۃ ان تکون الف الی سنۃ ولو ابھمھا ما یذکرہ محمد وقالوا ینبغی ان تثبت مؤجلۃ کما فی الکفالۃ۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۳۴۹ کتاب الحوالۃ)

ومثلہ فی منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج ۶ ص ۳۰۰ کتاب الحوالۃ۔

میں دائن کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرض کی وصولی میں تمام لوگ یکساں نہیں ہوتے اس لیے مدیون کا دائن کو کسی دوسرے آدمی کے حوالہ کرنے میں یہ ضروری ہے کہ اس کی رائے شامل ہو ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے آدمی کو حوالہ کرے جس سے وصولی پر دائن قدرت نہیں رکھتا ہو جو اس کی رقم ضائع ہونے کے مترادف ہے۔

لما قال العلامة المرغیناني: وتصح الحوالة برضاء المحیل والمحتال والمحتال علیه۔ (الهدایة ج۳ ص۱۲۹ کتاب الحوالة) لہ

حوالہ کرنے کے بعد مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنے قرض کی ذمہ داری کسی دوسرے شخص پر ڈال دے کچھ مدت تک تو وہ دائن کے مطالبہ سے بے فکر رہا لیکن جب اس کو احساس ہوا کہ متعلقہ شخص بھی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو کیا دائن مدیون سے اپنے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دین کی ادائیگی کی ذمہ داری دائن کی رضامندی سے کسی دوسرے شخص پر ڈال دی جائے اور اس شخص نے یہ ذمہ داری قبول بھی کر لی ہو تو اب دائن مدیون سے قرض کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا بلکہ محتال علیہ سے (جس نے ذمہ داری قبول کر لی ہے) قرض کا مطالبہ کرے گا اور مدیون بری الذمہ متصور ہو گا۔

لما قال العلامة المرغیناني: واذا تمت الحوالة برئ المحیل من الدین بالقبول وقال زفرؒ لا یبرأ اعتباراً بالکفالة اذ کل واحد منهما عقد توثق وقال ولا یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقه۔ (الهدایة ج۳ ص۱۲۹ کتاب الحوالة) کہ

لہ وقال العلامة التمرتاشي: وشرط لصحتها رضاء الکل بلا خلاف الا في الاول۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۴ ص۳۴۱ کتاب الحوالة) ۔۔۔ ومثله في تبیین الحقائق ج۴ ص۱۷۱ کتاب الحوالة۔

کہ قال العلامة الزیلعي: وبرئ المحیل بالقبول من الدین وقال زفرؒ لا یبرأ لان المقصود به التوثیق وقال ثم اختلفوا في البراءة فقال ابو یوسفؒ یبرأ من المطالبة والدین وقال محمدؒ یبرأ عن المطالبة لا عن الدین۔ (تبیین الحقائق ج۴ ص۱۷۱ کتاب الحوالة)

ومثله في بدائع الصنائع ج۶ ص۱۷ کتاب الحوالة۔

مجہول چیز کی ذمہ داری لینا

سوال:- ایک شخص کسی دوکاندار سے قرض پر سودا خریدتا ہے لیکن دوکاندار کو اس پر اعتماد نہیں ہے، ایک دوسرا شخص دوکاندار کو اعتماد دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ اس شخص کو قرض پر سودا دیدیا کرو اس کی جتنی رقم ہوگی اُس کی ادائیگی کا میں ذمہ دار ہوں گا، تو کیا ایک مجہول چیز کی ذمہ داری اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی شخص کی طرف سے مال کی ذمہ داری لینا "کفالہ" ہے جس میں بنیادی محرک اور عمل ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے ایسے امور میں معمولی جہل قابل برداشت ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں دوسرے شخص کا پہلے کی ذمہ داری قبول کرنا درست ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني: واما الكفالة بالمال فجائزة معلوماً كان المكفول به او مجهولاً اذا كان ديناً صحيحاً مثل ان يقول تكفلت عنه بألف او بما لك عليه او بما يدركك في هذا البيع لان مبنى الكفالة على التوسع فيتحمل فيه الجهالة وعلى الكفالة بالدرك اجماع وكفى به حجة۔ (الهداية ج۳ ص۱۱۲ كتاب الكفالة)[1]

کفیل اور مکفول عنہ کے مابین ثمن میں اختلاف

سوال:- ایک شخص نے اپنے قرض دہندہ کو قرض کی ادائیگی کے لیے جو شخص کفیل مقرر کیا تھا اس کا مالک سے اس بات پر جھگڑا پیدا ہوا کہ مالک اُن سے دس ہزار روپے مانگتا ہے جبکہ کفیل پانچ ہزار روپے کی ادائیگی پر مُصر ہے کیا ایسی حالت میں مدیون کے دس ہزار روپے کے اقرار کرنے سے کفیل سے زیادہ رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- مدیون پر دس ہزار روپے کی رقم اگر شواہد سے ثابت ہوجائے اور کفیل نے تمام تر رقم کی ذمہ داری قبول ہو تو تمام رقم کی ادائیگی کفیل پر لازم ہوگی

---

[1] وقال العلامة الكاساني: وكون المكفول به معلوم الذات في انواع الكفالات او معلوم القدر في الدين ليس بشرط حتى لو كفل باحد شيئين غير عين بان كفل بنفس رجل او بما عليه وهو الف جاز وعليه احدهما ايهما شاء لان هذه جهالة مقدور دفعها بالبيان فلا تمنع جواز الكفالة۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۴ كتاب الكفالة)

ومثله في البحر الرائق ج۶ ص۲۲۰ كتاب الكفالة۔

اور اگر گواہ نہ ہوں تو کفیل کے قول کو اعتبار دیا جائے گا، تاہم مکفول عنہ کا دعویٰ کفیل پر لازم نہیں بلکہ خود اس سے حسب اقرار رقم وصول کی جائے گی۔

لما قال العلامة المرغیناني رحمہ اللہ: فان قال تکفلت بما لك علیه فقامت البینة بالف علیه ضمنه الکفیل لان الثابت بالبینة کالثابت معاینة فیتحقق ما علیه فیصح الضمان به وان لم تقم البینة فالقول قول الکفیل مع یمینه فی مقدار ما یعترف به لانه منکر للزیادة فان اعترف المکفول عنه باکثر من ذلك لم یصدق علی کفیله لانه اقرار علی الغیر ولا ولایة له علیه ویصدق فی حق نفسه لولایته علیها۔

(الهدایة ج ۳ ص۱۱۸ کتاب الکفالة) لہ

محتال علیہ کی رضامندی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا بھائی کچھ مقروض ہے اور اس نے قرض کی ادائیگی بغیر میری رضامندی کے میرے حوالے کر دی ہے تو کیا دائن مجھ سے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حوالہ میں چونکہ محتال علیہ کی رضا ضروری ہے اس لیے بدون رضا آپ پر قرض کے لیے رجوع کرنا درست نہیں لہٰذا یہ حوالہ صحیح نہیں اور دائن کا آپ سے قرض کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفي رحمہ اللہ: شرط لصحتها رضا الکل بلا خلاف۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: قوله رضا الکل و اما رضا الثالث وهو المحتال علیه فلانها التزام الدین ولا لزوم بلا التزام۔ (رد المحتار ج ۴ ص۳۲۲ کتاب الحوالة)

لہ وقال العلامة ابن نجیم المصري رحمہ اللہ: فان کفل بماله علیه فبرهن علی الف لزمه لان الثابت بالبینة کالثابت عیاناً ولا یکون قول الطالب حجة علیه کما لا یکون حجة علی الاصیل لانه مدع۔ ولا صدق الکفیل فیما اقر بحلفه ولا ینفذ قول المطلوب علی الکفیل ای وان لم یبرهن فالقول للکفیل فیما یقر به مع یمینه علی نفی العلم لا علی البینات کما فی الایضاح ولا یکون قول المطلوب حجة علیه لانه اقرار علی الغیر۔ (البحر الرائق ج ۶ ص۲۲۳ کتاب الکفالة)

ومثله فی فتح القدیر ج ۶ ص۳۰۳ کتاب الکفالة۔

کتاب
الهبة

تھادوا نتابوا

كتاب الهبة
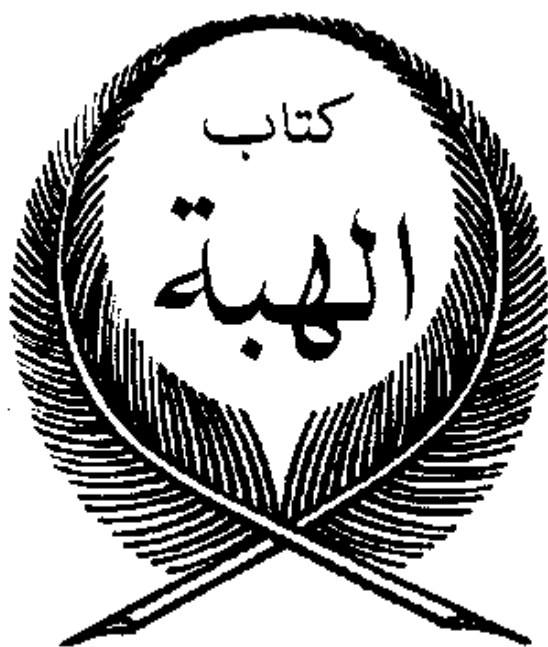
(ہبہ کے مسائل واحکام)

ہبہ میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:۔ عمرو کے تین بیٹے ہیں اور تینوں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور تینوں مختلف شہروں میں ملازمت کے سلسلہ میں بالترتیب ہیں اور اپنی تنخواہوں میں سے ہر ماہ ایک مخصوص رقم اپنے والد کے نام بھیجتے ہیں اور والد اس رقم کو گھر کے مشترکہ کھاتہ میں خرچ کرتے ہیں، تو بیٹوں کی یہ کمائی باپ (عمرو) کی ملکیت ہے یا کہ اس کے بیٹوں کی ملکیت تصور کی جائے گی؟

الجواب:۔ اگر بیٹوں نے اپنی رقومات کے متعلق ہبہ وغیرہ کی تعیین نہ کی ہو تو قواعد کی رو سے المعروف کالمشروط کے تحت چونکہ عموماً اسی طرح بیٹے والدین کو بطور ہبہ رقم دیا کرتے ہیں اس لیے یہ رقم والد کی ملکیت تصور ہوگی۔

قال العلامة خير الدين الرملیؒ: سئل فيما يرسله الشخص الى غيره فى الاعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزم الوفاء به ام لا (اجاب) ان كان العرف قاضياً بانهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به ان مثليا فبمثله وان قيميا فبقيمته وان كان العرف بخلاف ذلك بان كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون فى ذلك الى اعطاء البدل فحكمه حكم الهبة فى سائر احكامه فلا رجوع فيه بعد الهلاك والاستهلاك والاصل فيه ان المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً. ومثله فى (فتاوى خيريه على هامش الفتاوى الحامدية ج۲ ص۱۳۲ مطلب هبة ہبہ دواب ہبہ ...)[1]

---

[1] وقال العلامة محمد عطا الله الناجی فی الفتاوی الخیریة مانصه سئل فیما یرسله الشخص الی غیره فی الاعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزمه الوفاء به ام لا اجاب ان کان العرف قاضیا بانهم یدفعونه علی وجه البدل یلزم الوفاء به فان کان مثلیا فبمثله وان قیمیا فبقیمته وان کان العرف بخلاف ذلک بان کانوا یدفعونه علی وجه الهبة ولا ینظرون فی ذلک الی اعطاء البدل فحکمه حکم الهبة فی سائر احکامه فلا رجوع فیه بعد الهلاک والاستهلاک والاصل فیه ان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً۔ (شرح مجلة الاحکام ج۱ ص۴۴ الباب الثالث فی بیان احکام العبرة)

ومثله فی فتاوی کاملیة ص۱۸۱ کتاب الهبة۔

تملیک بھی ہبہ کے مترادف ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص ہبہ کرتے وقت تملیک کا لفظ استعمال کرے تو کیا اس صورت میں ہبہ اور تملیک الگ الگ ہیں یا دونوں ایک ہیں؟

الجواب:۔ لغت کے اعتبار سے تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے لیکن موجودہ عرف میں تملیک اور ہبہ دونوں ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں اسلئے صرف لفظ تملیک سے بھی ہبہ ہی متصور ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: هي تمليك العين مجاناً اي بلا عوض۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۴ ص۷۹۹ کتاب الهبة) لہ

ناقابل تقسیم اشیاء کے ہبہ کا حکم

سوال:۔ جو اشیاء ناقابل تقسیم ہوں ان کا ہبہ کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک شخص نے اپنے جانور کو اس طرح ہبہ کیا کہ ایک حصہ اپنے لیے رکھا، تین حصے بیوی کو ہبہ کیے اور تین حصے بھائی کو ہبہ کیے، کیا اس شخص کا یہ ہبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اشیاء کی دو قسمیں ہیں ۱: ناقابل تقسیم ۲: قابل تقسیم۔ اس لیے جو اشیاء قابل تقسیم ہیں ان کا ہبہ کرنا قبل التقسیم صحیح نہیں البتہ جن اشیاء کی تقسیم ممکن نہ ہو ان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کا ہبہ صحیح ہے۔

قال العلامة الخوارزمی: هبة الشاع فيما لا يقسم جائز يعني بذلك ما لا يحتمل القسمة اي لا يبقى منتفعاً بعد القسمة اصلاً كعبد واحد ودابة واحدة۔
(الكفاية في ذيل فتح القدير ج۷ ص۴۸۸ كتاب الهبة) لہ

لہ قال العلامة خالد الاتاسی: الهبة تمليك مال لآخر بلا عوض۔
(شرح المجلة الاحكام مادة ۸۳۳ ص۳۲۷ الكتاب السابع في الهبة)
ومثله في كنز الدقائق ص۳۵۲ كتاب الهبة۔

۲ قال العلامة قاضی خان: وفيما لا يقسم كالعبد والدابة والثوب والحمام يجوز هبة الشاع من الشريك وغيره في قولهم۔ (فتاوی قاضيخان علی هامش الهندية ج۳ ص۲۶۷ كتاب الهبة فصل في هبة الشاع)
ومثله في الهداية ج۳ ص۲۸۵ كتاب الهبة۔

قابلِ تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں

سوال:- زید کے آٹھ بیٹے، تین بیٹیاں اور دو بیویاں ہیں، اس نے اپنی زندگی ہی میں بیویوں اور بیٹیوں کو کچھ دیئے بغیر اپنی کل جائیداد کا ۵/۸ حصہ پانچ بیٹوں کو اور ۳/۸ حصہ باقی لڑکوں کو ہبہ کر دی جو کہ ایک الگ ماں کی اولاد ہیں، کیا اس کے ۳/۸ حصہ والے تین بیٹے دوبارہ بطریقِ شرعی میراث کی تقسیم کا حق رکھتے ہیں؟

الجواب:- چونکہ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی اولاد پر مال تقسیم کرنا ہبہ ہوتا ہے اور تمام فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قابلِ تقسیم اشیاء میں قبل از تقسیم ہبہ درست نہیں، پس صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے سب بیٹوں کا حصہ جدا کیا ہو اور قبضہ بھی دے دیا ہو تو یہ ہبہ درست اور نافذ ہے ورنہ مشترک جائیداد کا ۵/۸ حصہ پانچ بیٹوں کو اور ۳/۸ حصہ تین بیٹوں کو ہبہ کرنا درست نہیں لہٰذا زید کے مرنے کے بعد کل جائیداد دوبارہ تمام ورثاء پر تقسیم کی جائے گی جس میں بیٹیاں، بیٹے اور دونوں بیویاں بھی شریک ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: وفی الاصل ومن شرائطها الهبة الافراز حتى لا يجوز هبة المشاع فيما يحتمل القسمة كالبيت والدار والارض ونحوها وان كان لا يحتمل القسمة يجوز كالبئر والحمام والرحى۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۹۰ كتاب الهبة۔ الفصل الثالث فيما يكون هبة وفيما لا يكون)[1]

اجارہ پر دی ہوئی زمین کا ہبہ کرنا

سوال:- ایک شخص نے اپنی ایسی زمین بیٹے یا بیٹی کو ہبہ کی جس پر مدتوں سے مزارع (کاشتکار) بیٹھے ہوئے ہیں اور کاشتکار سے کیے ہوئے معاہدے میں ابھی کافی وقت باقی ہے، کیا ایسی صورت میں موہوب لہ مزارع کو زمین سے بیدخل کر سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وذكر قبله هبة المشاع فيما يقسم لا تفيد الملك عند ابي حنيفة وفي القهستاني لا تفيد الملك وهو المختار كما في المضمرات۔ (رد المحتار ج۴ ص۶۹۲ كتاب الهبة)

ومثله في بدائع الصنائع ج۶ ص۱۲۳ كتاب الهبة۔

الجواب: کسی بالغ یا نابالغ بچے کو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ہبہ کرنا صحیح اور درست ہے اور ہبہ سے ان کی ملکیت میں بھی داخل ہو جائے گی مگر اجارہ پر دی ہوئی زمین کے ساتھ مزارع (کاشتکار) کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے زمین ناقابل تملیک ہوتی ہے جو کہ ہبہ کی صحت کے لیے بنیادی شرط ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں اس زمین کا ہبہ شرائط کے فقدان کی وجہ سے صحیح نہیں لہٰذا عدم صحت کی بناء پر موہوب لہٗ کاشتکار کو بیدخل نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد کامل الطرابلسی رحمه الله: سئلت عن رجل وهب لابنه الصغير داراً وفيها ساكن بأجر هل تجوز هذه الهبة فالجواب انها لا تجوز فی قال فی الهندیة رجل وهب داراً لابنه الصغير وفيها ساكن بأجر قال بعض لا تجوز۔ (فتاویٰ کاملیة ص۱۸۱ کتاب الهبة) ؎۱

موہوبہ جائیداد کا سرکاری کاغذات میں انتقال کا حکم

سوال: زید نے اپنی ملکیتی دس کنال زمین بکر کو ہبہ کر دی لیکن سرکاری کاغذات میں ابھی تک انتقال نہیں ہوا ہے، تو کیا بکر کو اس زمین کا مالک سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: ہبہ کی صحت کے لیے تین امور کا ہونا ضروری ہے (۱) ایجاب (۲) قبول (۳) قبض۔ لہٰذا اگر باقاعدہ طور پر ان تین امور کا لحاظ رکھتے ہوئے ہبہ ہو چکا ہو تو بلاشک وشبہ موہوب لہٗ زمین کا مالک ہے، سرکاری کاغذات میں انتقال ہونے یا نہ ہونے سے شرعاً ہبہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قال العلامة خالد الاتاسی: تنعقد الهبة بالایجاب والقبول وتتم بالقبض۔
(مجلة الاحکام مادہ ۸۳۷ ص۱۸۱ الفصل الاول فی بیان المسائل المتعلقة برکن الهبة وقبضها) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن عابدین: وفی المنتقی عن محمد رجل وهب داراً لابنه الصغير وفيها ساكن بأجر قال لا يجوز ولو كان بغير اجر او كان فيها يعني ابوه فالهبة جائزة كذا فی التاتارخانية۔
(منحة الخالق على البحر الرائق ج۷ ص۲۸۸ كتاب الهبة)
ومثله فی فتاوی قاضیخان على هامش الهندية ج۳ ص۲۳۵۔

؎۲ قال الامام القدوری: الهبة تصح بالايجاب والقبول وتتم بالقبض۔ (مختصر القدوری ص۱۲۳ کتاب الهبة)
ومثله فی کنز الدقائق ص۳۵۲ کتاب الهبة۔

ہبۂ عمریٰ ناقابلِ رجوع ہے

سوال:۔ تین بھائیوں نے بوقتِ تقسیمِ جائیداد اپنے حصہ سے اپنی والدہ کو ضروریات پوری کرنے کیلئے دو کنال زمین دی تھی، والدہ نے مذکورہ دو کنال زمین اپنے نواسے خالد کو ہبہ کر دی، اب والدہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے زمینِ مذکورہ خالد سے واپس لینا چاہتے ہیں، تو کیا ان کو ایسا کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ معاملہ ہبۂ عمریٰ کا ہے، معمرلہٗ (والدہ) مذکورہ دو کنال زمین کی خود مختار مالکہ بن گئی تھی لہٰذا نواسے کو اُن کا ہبہ کرنا جائز ہے اور بیٹوں کا رجوع کرنا مردود ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: رواعمرتك هٰذا الشیٔ) لان العمریٰ تملیك للحال فتثبت الهبة ویبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع وكذٰلك لو شرط الرجوع صریحاً یبطل شرطه ایضاً۔ (البحر الرائق ج۷ ص۲۸۵ کتاب الهبة)[1]

موت اور عوض کی وجہ سے حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ زید نے بکر کو اپنی زمین عوضاً ہبہ کر دی، بعد میں اس کی وفات ہو گئی، اب تیس سال بعد زید کے ورثاء بکر سے اس زمین کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں، کیا ان کو شرعاً رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عوض یا متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں زید کے ورثاء کو زمین واپس لینے کا حق نہیں پہنچتا بلکہ زمین بکر کی ملکیت رہے گی۔

قال العلامة ابو البركات النسفی رحمه الله: صح الرجوع فیها ومنع الرجوع دمع خزته فالدال الزیادة المتصلة كالغرس والبناء والسمن

---

[1] قال العلامة ابو بكر ابن حداد الیمنی رحمه الله: والعمریٰ جائزة للمعمر فی حال حیاته ولورثته من بعد موته ومعناه ان یجعل داره له عمره واذا مات یردّها علیه فیصح التملیك ویبطل الشرط والهبة لا تبطل بالشروط الفاسدة۔ (الجوهرة النیرة ج۲ ص۱۸ کتاب الهبة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۳ ص۲۸۱ کتاب الهبة۔

والیسم موت احد المتعاقدین والعین العوض۔

(کنز الدقائق ص۳۴۲ کتاب الہبۃ) ؎

متعدد آدمیوں کا کسی ایک شخص کو کوئی چیز ہبہ کرنا

سوال: جاوید اور خالد کا ایک مشترکہ گھر ہے، دونوں بخوشی رضامندی کے ساتھ ہبہ کرنا چاہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مشترکہ جائیداد میں بوجہ اشتراک کسی ایک شریک کا اپنا حصہ بغیر تقسیم کے کسی کو ہبہ کرنا صحیح نہیں لیکن جب شیوع کی یہ صورت درمیان سے نکل جائے تو پھر مشترکہ جائیداد کو اتفاق رائے سے ہبہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں ہبہ کرنا درست اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وہب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۶۹۵ کتاب الہبۃ) ؎۲

ہبہ کے لیے ایجاب وقبول پر تلفظ ضروری نہیں بلکہ قرائن ہی کافی ہے

سوال: زید کے پانچ بیٹے ہیں جن میں سے تین بیٹوں عمر، بکر اور خالد کو عین حیات میں شادیاں کرا کے ہر ایک کو رہائش کے لیے الگ الگ گھر دے دیئے، زید کی عادت ہے کہ جو کچھ وہ کسی کو دے دیتا ہے تو واپس نہیں لیتا ہے، زید کے مذکورہ تینوں بیٹوں کے پاس اس کے کچھ زیورات بھی ہیں، جب عمر نے اپنے والد (زید) کو وہ زیور واپس کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر زیور عمر کو واپس کر دیا کہ یہ

؎ قال الامام القدوری رحمہ اللہ: واذا وہب لاجنبی ہبۃ فلہ الرجوع فیہا الا ان یعوضہ عنہا او یزید زیادۃ متصلۃ او یموت احد المتعاقدین۔

(مختصر القدوری ص۱۳۸ کتاب الہبۃ)

ومثلہ فی رد المحتار ج۵ ص۶۹۹ کتاب الہبۃ۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانی: واذا وہب اثنان من واحد دارا جاز لانہما سلماہا جملۃ وہو قد قبضہا جملۃ فلا شیوع وان وہبہا واحد من اثنین لا یجوز عند ابی حنیفۃ۔ (الہدایۃ ج۳ ص۲۸۶ کتاب الہبۃ)

ومثلہ فی کنز الدقائق ص۳۴۳ کتاب الہبۃ۔

زیور آپ کا اپنا ہے اور جو زیور دوسرے بھائیوں کے پاس ہے وہ ان کا ہے۔ اندریں صورت شرعی نقطۂ نگاہ سے مذکورہ مکانات اور زیور وغیرہ پانچوں بھائیوں کے مشترکہ متصور ہوں گے یا صرف عمرو بکر اور خالد کی ملکیت ہوگی؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنے تین بیٹوں عمرو، بکر اور خالد کو علیحدہ علیحدہ مکانات دیئے ہیں تو اگرچہ زید نے صراحتاً ہبہ کا لفظ نہیں کہا ہے لیکن ظاہر قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ہبہ ہے اور ہبہ میں تملیک قرینہ کے لیے کافی ہے لہٰذا یہ شرعاً ہبہ ہے اس لیے زید کی وفات کے بعد اس میں باقی ترکہ کی طرح میراث جاری نہ ہوگی بلکہ یہ تینوں بھائیوں کی ملکیت ہوگی اور اپنے والد زید کے باقی ترکہ میں پانچوں بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ۔ قلت فنفد افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیک کمن دفع لفقیر شیئاً وقبضه ولم یتلفظ واحد منهما بشئ۔ (رد المحتار ج۵ ص۶۸۹ کتاب الهبة) [1]

والدین کا اولاد کے مال کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے

سوال:- سلمیٰ نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کی تمام زمین اپنے دو بھائیوں کو ہبہ کر دی اور اپنی اکلوتی نابالغ لڑکی سکینہ کے لیے کچھ نہیں چھوڑا اب جبکہ سکینہ بالغ ہو گئی ہے تو وہ اپنے والد کے ترکہ میں سے اپنے حصۂ شرعی کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا سکینہ کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی ماں اپنے شوہر کی جملہ زمین ہبہ کر چکی ہے؟

الجواب:- ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ موہوبہ چیز واہب کی ذاتی ملکیت ہو اس میں کسی اور کا حصہ نہ ہو شرعاً کسی دوسرے کا حصہ بغیر اس کی اجازت کے ہبہ کرنے کا کسی کو اختیار

---

[1] قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: وبالاذن نوعان صریح ودلالة (الی ان قال) واما الدلالة فهی ان یقبض الموهوب له العین فی المجلس ولاینهاه الواهب فیجوز قبضه استحساناً۔ بدائع الصنائع ج۶ ص۱۲۳ کتاب الهبة فصل واما الشرائط فانواع بعضها یرجع الی نفس الرکن۔

ومثله فی مجلة الاحکام مادہ ۸۴۲ ص۲۶۴ کتاب الهبة۔

حاصل نہیں اگرچہ وہ اس کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، بنا بریں صورتِ مسئولہ میں سلمٰی اپنا حقِ میراث تو بھائیوں کو ہبہ کرسکتی ہے اپنی بیٹی (ریحانہ) کا حصہ ہبہ نہیں کرسکتی، اس لیے سکینہ کا مطالبہ جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: ولا یجوز للاب ان یہب شیئًا من مال ولدہ الصغیر بعوض وغیر عوض لانہا تبرع ابتداءً۔ (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیة ج۳ ص[illegible] فصل فی ہبة الوالد لولدہ والہبة للصغیر کتاب الہبة) ؎۱

شروطِ فاسدہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا

سوال: بہن نے بھائیوں کو اپنی زمین اس شرط پر ہبہ کرکے دیدی کہ اس کے عوض بھائی اُسے کچھ زمین دیں گے، کیا یہ ہبہ شرعًا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ یہ عوض مجہول القدر ہے اور شرط فاسد ہے لہٰذا ہبہ درست ہے اور بھائیوں پر عوض میں بہن کو کوئی زمین دینا لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (و) حکمہا انہا (لا تبطل بالشروط الفاسدة) فہبة عبد علی ان یعتقہ تصح ویبطل الشرط۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص[illegible] کتاب الہبة) ؎۲

مشروط ہبہ کا حکم

سوال: زید نے بکر کو اس شرط پر زمین ہبہ دیدی کہ وہ تاحیات زید کی خدمت کرے گا، لیکن بکر نے کچھ عرصہ کے بعد زید کی خدمت کرنا چھوڑ دی، تو کیا خدمت نہ کرنے کی وجہ سے زید کو موہوبہ زمین کے واپس

؎۱ قال العلامة ابن البزازؒ: لا یجوز الہبة لابنہ الصغیر شیئًا مما لا یجوز للبائع۔ (البزازیة علی ہامش الہندیة ج۶ ص[illegible] کتاب الہبة، الجنس الثالث فی ہبة الصغیر)
ومثلہ فی رد المحتار علی الدر المختار ج۵ ص[illegible] کتاب الہبة)

؎۲ قال العلامة ابن نجیمؒ: والہبة لا تبطل بالشروط الفاسدة فدخل فیہ کل عقد لا یبطل بالشروط الفاسدة کالنکاح والخلع والصدقة والصلح عن دم العمد والعتق فیصح ویبطل الاستثناء۔ (البحر الرائق ج۷ ص[illegible] کتاب الہبة۔ فصل ومن وہب امة الا حملہا)
ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۶ ص[illegible] کتاب الہبة۔

لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک اگرچہ ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں لیکن جب ہبہ کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا گیا تو عدم شرط کی صورت میں رجوع کرنا بلا کراہت جائز ہے اگرچہ بالفاظ دیگر ہبہ منعقد ہی نہیں ہوا ہے۔

قال العلامة قاضی خان رحمه الله: والدليل على هذا ما ذكر في كتاب الصلح إذا تركت المرأة مهرها على الزوج على أن يحج بها وقبل الزوج ذلك ولم يحج بها كان لها المهر عليه على حاله والفتوى على هذا القول۔ ل[1]

[1] فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۳ ص۲۸۲ كتاب الهبة فصل في هبة المرأة مهرها من الزوج۔

ہبہ سے رجوع کرنے کا مسئلہ

سوال: کیا واہب موہوب لہٗ سے ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب: واہب اور موہوب لہٗ کی رضامندی سے یا حاکم واپسی کا حکم کرے اور دوسرے موانع بھی موجود نہ ہوں تو رجوع جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں ورنہ بصورت دیگر رجوع کرنا حرام ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (صح الرجوع فيها بعد القبض) أما قبله فلم تتم الهبة (مع انتفاء مانعه) الآتي (وإن كره) الرجوع

ل قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: والهبة لا تصح بدون الرضا وعلى هذا لو قال وهبت مهري منك على أن لا تظلمني وعلى أن يحج بي زوجي أو على أن يهب لي كذا وإن لم يكن هذا شرطاً في الهبة لا يعود المهر۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۴۲۵ كتاب الهبة ـ في الجنس الثاني)

ومثله في شرح المجلة للعلامة محمد خالد الاتاسی ج۳ ص۳۶۸ كتاب الهبة الفصل الأول في بيان المسائل المتعلقة بركن الهبة وقبضها۔

وتحریمٌ: وقیل تنزیہا نہا۔ (رد المحتار ج ۵ ص۶۹۸ کتاب الھبۃ۔ باب الرجوع فی الھبۃ) منہ

موہوبہ زمین کے فروخت کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا موہوب لہ موہوبہ زمین کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر باقاعدہ طور پر شرعی ہبہ ہوچکا ہے تو موہوب لہ اس کا خود مختار مالک ہے اور اس میں اس کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: واما اصل الحکم فھو ثبوت الملک للموھوب لہٗ فی الموھوب من غیر عوض۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص۱۲۷ فصل واما حکم الھبۃ فالکلام فیہ فی ثلاث مواضع) ؎

رشتہ داروں کو ہبہ کرنے سے حق رجوع ساقط ہوجاتا ہے

سوال: والد نے اپنی کل جائیداد اپنے بیٹے کے نام ہبہ کردی ہے تو کیا اب والد کو شرعاً رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی رشتہ دار کو اگرچہ ہبہ تملیک بلاعوض ہوچکا ہو تو اس صورت میں بھی رجوع جائز نہیں لہٰذا والد کو اپنی اولاد سے ہبہ واپس لینے کا حق حاصل نہیں۔

؎ قال العلامۃ محمد خالد الاتاسیؒ: للواھب ان یرجع عن الھبۃ والھدیۃ بعد القبض برضی الموھوب لہٗ وان لم یرض الموھوب لہ راجع الواھب الحاکم ولیفاکم فسخ الھبۃ ان لم یکن ثمۃ مانع من موانع الرجوع۔ (شرح مجلۃ الاحکام مادۃ ۸۶۶ ص۳۸۴ الباب الثالث فی احکام الھبۃ)

ومثلہٗ فی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۳ ص۲۷۵ فصل فی الرجوع فی الھبۃ۔

؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ رحمہ اللہ: ھی تملیک العین مجاناً (ای بلاعوض۔ (رد المحتار ج ۵ ص۶۸۷ کتاب الھبۃ)

ومثلہٗ فی کنز الدقائق ص۳۵۲ کتاب الھبۃ۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله : وان وهب هبة لذى رحم محرم لم يرجع فيها لقوله عليه السلام اذا كانت الهبة لذى رحم محرم لم يرجع فيها (الهداية ج ۳ ص ۲۸۵ كتاب الهبة . باب ما يصح رجوعه وما لا يصح) ۔ لہ

اولاد کے ہبہ میں تفاضل کا حکم

سوال :۔ کسی شخص کا اپنی اولاد کو ہبہ دینے میں کمی بیشی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں بحالت صحت وہوش وحواس اپنی تمام جائیداد بعض اولاد کو ہبہ کردی اور بعض کو محروم رکھا اور اس سے دوسروں کا اضرار اور ان کو بلاوجہ محروم کرنا مقصود ہو تو اگرچہ قضاءً یہ ہبہ نافذ ہے گا لیکن دیانۃً گنہگار ہوگا ، اور اگر کسی شرعی عذر مثلاً ایذارسانی ظلم وزیادتی اور نافرمانی کی وجہ سے محروم رکھا تو گنہگار نہ ہوگا بلکہ بقدر قوت سے زیادہ نہیں دینا چاہیئے تاکہ اعانت علی المعصیت لازم نہ آئے لیکن قضاءً ہر صورت میں ہبہ نافذ رہے گا ، اور اگر کوئی وجہ تفاضل موجود نہ ہو تو مرد وزن کے درمیان تسویہ کرنا افضل ہے ۔

قال العلامة ابن البزاز الكردي : الافضل فى هبة الابن والبنت التثليث كالميراث وعند الثانى التنصيف وهو المختار ولو وهب جميع ماله من ابنه جاز وهو آثم نص عليه محمد ولو خص بعض اولاده لزيادة رشده لا بأس به وان كانا سواء لا يفعله وان اراد ان يصرف ماله الى الخير وابنه فاسق فالصرف الى الخير افضل من تركه له لانه اعانة على المعصية وكذا لو كان ابنه فاسقا لا يعطيه اكثر من قوته - (البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۲۳۷ الجنس الثالث فى هبة الصغير) ۔ ۲

لہ قال العلامة ابو البركات النسفيؒ : فلو وهب لذى رحم محرم منه لا يرجع فيها ۔
(كنز الدقائق ص ۳۳۵ كتاب الهبة)

ومثله فى مجلة الاحكام ، مادة ۸۶۶ ص ۱۶۷ كتاب الهبة الباب الثالث فى احكام الهبة ۔

۲ قال العلامة القاضى خانؒ : وروى المعلىؒ عن ابى يوسفؒ انه لا بأس به اذا لم يقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوى بينهم يعطى للابنة مثل ما يعطى للابن ۔
(فتاوى قاضى خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۷۹ فصل فى هبة الوالد لولده)

ومثله فى البحر الرائق ج ۷ ص ۲۸۵ كتاب الهبة ۔

ہبہ کے لیے واہب کی رضامندی ضروری ہے

سوال:- باپ نے اپنی بیٹی کو ہبہ میں کچھ سامان اور نقدی دیدی، بیٹی نے بقدر ضرورت اس میں سے لے لیا اور جو باقی بچا وہ باپ کو ہبہ کردیا، کیا شرعاً یہ ہبہ صحیح ہے؟

الجواب:- اگر یہ ہبہ بلا جبر و اکراہ کے اپنی خوشی اور رضامندی سے ہو تو شرعاً صحیح ہے کیونکہ مہر مسمیٰ معجل بعد القبض عورت کی ملک ہے اور اس میں اس کا تصرف نافذ ہے۔

قال العلامة محمد خالد اتاسی رحمه الله: یلزم فی الهبة رضا الواهب فلا تصح الهبة التی وقعت بالجبر والاکراه۔

(مجلة الاحکام، مادة ۸۶۰ ص۲۴۲ الباب الثانی فی شرائط الهبة)[1]

مرض الموت میں کیا گیا ہبہ درست نہیں

سوال:- ایک شخص نے مرض الموت میں اپنی کل جائیداد اپنی بیٹیوں اور بیوی کو دیئے بغیر اپنے چھ بیٹوں میں تقسیم کردی جبکہ بیٹوں میں سے ایک بیٹا تقسیم جائیداد کے وقت نابالغ اور غیر موجود تھا، نابالغ لڑکا جو کہ اب بالغ ہوگیا ہے اس تقسیم سے راضی نہیں ہے۔ تو شریعت اس کو اجازت دیتی ہے کہ باقی بھائیوں سے جائیداد کی ازسرِنو تقسیم کرائے؟

الجواب:- یہ تقسیم میراث نہیں ہے بلکہ یہ ہبہ ہے اور مرض الموت میں کیا گیا ہبہ کالعدم ہے، جب تک کہ سب ورثاء اس پر راضی نہ ہوں۔ اور یہاں تو ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے کہ ایک لڑکا ان میں سے نابالغ ہے اور نابالغ رضا کا

---

[1] قال العلامة ابن البزاز الکردی رحمه الله: قال لها وهی لاتعلم العربیة قولی وهبت مهری منك فقالت وهبت لاتصح بخلاف الطلاق والعتاق لان الرضا شرط جواز الهبة۔ (البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۲۳۵ نوع فی هبة المهر وغیره)

ومثله فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۲۸۱ فصل فی هبة المرأة مهرها من الزوج۔

اہل نہیں ہے اس لیے یہ تقسیم اور ہبہ درست نہیں ہے لہٰذا تمام وارثوں پر ترکہ از سر نو قاعدۂ میراث سے تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وهب في مرضه ولم يسلم حتى مات بطلت الهبة لانه وان كان وصية حتى اعتبر فيه الثلث فهو هبة حقيقة فيحتاج الى القبض. (رد المحتار على الدر المختار ج۵ ص[illegible] باب الرجوع في الهبة) [فتح] ؎

پوتے کو زمین ہبہ کرنے کے بعد خود اس پر قابض رہنے کا حکم

سوال: میرے باپ کا میرے دادا کی زندگی میں ہی انتقال ہو گیا تو دادا نے ایک قطعہ زمین میرے نام کر دی لیکن یہ زمین دادا کی وفات تک ان کے قبضہ میں ہی رہی تو کیا اب میں اپنے چچوں سے زمین کا مطالبہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: ہبہ کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ واہب موہوبہ شئے کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے جب تک ہبہ شدہ چیز پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس وقت ہبہ تام نہیں ہوتا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ ہبہ تام نہیں ہوا ہے اسلئے دادا کی وفات کے بعد جو مال ان کے بیٹوں یعنی آپ کے چچوں کا ہے آپ کو شرعاً رجوع کا حق حاصل نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وان وهب له اجنبي تتم بقبض وليه وهو احد اربعة الاب ثم وصيه ثم الجد ثم وصيه۔ وقال ايضاً وتتم الهبة بالقبض الكامل فيشترط القبض قبل الموت۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۶۹۲،۶۹۶ كتاب الهبة) ؎

؎ قال العلامة محمد خالد الاتاسي رحمه الله: واذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لاحد ورثته وليس ورثته لم يجيزوا سائر الورثة لا تصح تلك الهبة۔ (شرح مجلة الاحكام۔ مادة ۸۷۹ ج۲ ص۳۸۲ الفصل الثاني في هبة المريض)
ومثله في الهداية ج۴ ص۶۵۹ كتاب الوصايا۔

؎ قال المفتي عزيز الرحمن: اس صورت میں ہبہ صحیح نہیں اور وہ شرعاً تقسیم ہوگا۔
(عزیز الفتاوی الشہیر بفتاوی دار العلوم دیوبند ج۱ ص۶۶۸ کتاب الہبۃ)

اس رقم دے کر واپسی کی امید نہ رکھنا اور نہ ہی قرض کی تصریح کرنا، یہ سب چیزیں اس بات پر دال ہیں کہ آپ کو بڑے بھائی نے بیٹی کی شادی کے لیے جو رقم دی تھی وہ بطور ہبہ تھی، اس لیے اب اس کی اولاد کو رقم کی واپسی کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: قلت فقد افاد ان التلفظ بالايجاب والقبول لا يشترط بل تكفي القرائن الدالة على التمليك كمن دفع الى الفقير شيئاً وقبضه ولم يتلفظ واحد منهما بشيء. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۵۰۸ کتاب الہبۃ) [1]

بیوی کا ہبہ کردہ حق مہر میں رجوع کرنا

سوال: ایک عورت نے اپنا حق مہر شوہر کو ہبہ کر دیا، چند سال کے بعد کسی گھریلو ناچاقی کی وجہ سے اب وہ عورت شوہر سے حق مہر کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا شرعاً اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: زوجین کا رشتہ قرابت داری کا رشتہ ہے، ان میں سے جو کوئی دوسرے کو ہبہ کر دے تو بعد میں اس کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح صورت مسئولہ میں بھی جب بیوی نے ایک بار اپنا حق مہر شوہر کو ہبہ کر دیا تو اب اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: وكذلك ما وهب احد الزوجين للآخر لان المقصود فيها الصلة كما في القرابة. (الہدایۃ جلد ۳ ص۲۸۵ کتاب الہبۃ) [2]

بچوں کے مال میں تصرف کرنا

سوال: بعض یورپی ممالک مثلاً برطانیہ میں نابالغ بچوں کے لیے حکومت کی طرف سے کچھ وظیفہ مقرر ہوتا ہے جو صرف بچے کی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنے کے لیے ہوتا ہے، اب اگر والدین اس پر

---

[1] لما قال العلامة داماد آفندیؒ: قال الحموي وضع ماله في طريق ليكون ملكاً للرافع جاز فلا يشترط التصريح بالهبة. (الدر المنتقى في شرح الملتقى في ذيل مجمع الانهر ج۲ ص۳۵۴ کتاب الہبۃ)
ومثله في امداد الفتاوى ج۳ ص۴۶۶ کتاب الہبۃ۔

[2] لما في الهندية: اذا وهب احد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وان انقطع النكاح بينهما. (الفتاوى الهندية ج۴ ص۳۸۶ کتاب الہبۃ، فصل رجوع في الہبۃ)

قبضہ کر کے اس سے کوئی چیز خرید کر اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کو تحفے کے طور پر دیدیں تو کیا شرعاً والدین کو یہ حق ہے یا نہیں؟ اگر وہ اس طرح کریں تو کیا وہ ضامن ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:- جو وظیفہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حکومت مقرر کرتی ہے وہ صرف بچوں ہی کا حق ہے اس کو صرف بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم پر خرچ کیا جائے گا، وظیفہ کی یہ رقم والدین کے ہاتھوں میں امانت ہوتی ہے، والدین کے لیے جائز نہیں کہ بلا عذر شرعی اس کو اپنے اوپر خرچ کریں یا اپنے کسی رشتہ دار یا احباب کو تحفے کے طور پر دیں، اگر وہ اس طرح کریں گے تو ضامن ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصكفي - ولا يجوز ان يهب شيئاً من مال طفله ولو بعوض - الدر المختار على هامش رد المحتار ج۴ ص۶۶۴ كتاب الهبة قبل باب الرجوع في الهبة - لہ

بے اولاد شخص کا زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں ایک بیمار اور عمر رسیدہ آدمی ہوں، میری کوئی اولاد نہیں صرف بوڑھی بیوی ہے، جبکہ میرے دو بھتیجے ہیں ایک بڑے بھائی کا بیٹا ہے اور دوسرا چھوٹے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں ہی اپنا سرمایہ ان میں تقسیم کر دوں۔ آپ سے استدعا ہے کہ شریعت اسلامی کی روشنی میں اس بارے میں میری راہنمائی کریں؟

الجواب:- اگر آپ اپنا سرمایہ اپنی زندگی میں ہی اپنے ورثاء میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً آپ کو اس کا اختیار ہے کہ جتنا جتنا چاہیں ورثاء میں تقسیم کر سکتے ہیں، لیکن اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے کل مال کا ۸/۱ حصہ اپنی بیوی کے نام کر دیں اور باقی مال کے دو برابر حصے کر کے ہر ایک بھتیجے کو ایک ایک حصہ دیدیں، اور اگر اس مال سے اپنے لیے بھی کچھ رکھنا چاہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ دونوں بھتیجوں کا

لہ لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: ماں باپ وغیرہ کو بچے کا مال کسی کو قرض دینا بھی صحیح نہیں بلکہ خود قرض لینا بھی صحیح نہیں۔ (بہشتی زیور ص۳۹۹ بچوں کو دے دینے کا بیان (کتاب الہبۃ والاجارۃ)

ان کے قبضہ میں دینا ضروری ہے ورنہ ہبہ تام نہ ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم الحنفیؒ: هی تملیک عین بلا عوض وتصح بایجاب وقبول وتتم بالقبض الکامل فان قبض فی المجلس بلا اذن صح وبعده لا بد من الاذن۔ (ملتقی الابحر علی صدر مجمع الانهر ج ۲ ص ۳۴۸ کتاب الهبۃ)

صرف انتقال کردینے سے ہبہ تام نہیں ہوتا

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے والد صاحب نے سرکاری ملازمت کے دوران کچھ زمین خریدی تھی لیکن بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے انہوں نے اس زمین کا انتقال اپنے دو بیٹوں کے نام کرا لیا، مگر آخری دم تک زمین ان کے قبضہ میں نہیں دی بلکہ موت تک خود متصرف رہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد اب وہ دونوں بھائی اپنے نام انتقال شدہ زمین کو اپنی موہوبہ زمین سمجھتے ہیں اور دوسرے بہن بھائیوں کو اس میں سے حصہ دینے کو تیار نہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا شرعاً واقعی یہ انتقال شدہ زمین ان کی موہوبہ زمین ہے اور اس میں کسی دوسرے وارث کا کوئی حق نہیں؟

الجواب: ہبہ میں جس طرح ایجاب وقبول ضروری ہے اسی طرح ہبہ تام ہونے کے لیے موہوبہ چیز پر قابض ہونا بھی لازمی شرط ہے، بغیر قبضہ کے صرف ایجاب وقبول یا کاغذی قانونی کاروائی سے ہبہ تام نہیں ہوسکتا۔ بعینہ اسی طرح آپ کے والد صاحب نے خریدی ہوئی زمین قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے مصلحتاً اپنے دو بیٹوں کے نام انتقال کرادی اور آخری دم تک ان کے قبضے میں نہیں دی اس لیے ہبہ تام نہیں ہوا، مرحوم کی وفات کے بعد سب ورثاء حصص شرعی کے مطابق برابر کے شریک ہیں، جن دو بھائیوں کے نام صرف زمین کا انتقال ہوچکا ہے وہ دیگر ورثاء (بہن بھائیوں) کو ان کے حق سے محروم کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: (الجواب) اس صورت میں عمرو نے محض جائیداد کے واسطے ایک حیلہ کیا ہے، پس زید کسی طرح اس جائیداد کا مالک نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ تو استیلاء ہے کہ اس جائیداد پر پایا گیا کہ عمل نہیں ہوا کہ حاکم کی طرف سے زید کی ملکیت ہوگئی اور نہ قبضہ زید کا اس جائیداد پر مالکانہ

پایا گیا۔ (امداد الفتاوٰی جلد ۳ ص ۴۱۲ کتاب الدعویٰ) ۱؎

صرف منافع کے حصول کیلئے دی ہوئی چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا

سوال: زید کے باپ نے ایک ٹیکسی موٹر کار خرید کر اس شرط پر زید کے حوالے کی کہ اس کے ذریعہ مزدوری کر کے اپنے اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ پیدا کرو مگر گاڑی میری ہوگی، اس معاہدہ کے گواہ بھی موجود ہیں، اب جبکہ زید کے باپ کا انتقال ہوگیا ہے تو وہ گاڑی پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اس کا اصلی مالک قرار دے رہا ہے، اور دوسرے ورثاء کو حصہ دینے سے انکاری ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیان مذکورہ بالا کے مطابق کیا واقعی زید اس گاڑی کا واحد مالک ہے یا دوسرے ورثاء کا بھی اس میں حصہ شرعی ہے یا نہیں؟

الجواب: بشرط صحت سوال زید اس گاڑی کا واحد مالک نہیں، والد کے انتقال کے بعد جملہ ورثاء اس میں برابر کے حصہ دار ہیں، اس لیے کہ والد نے ٹیکسی اس کو صرف منافع حاصل کرنے کے لیے خرید کر دی تھی، وہ اس مال کو اس کے قبضے میں نہیں دیا تھا کہ جس کی بناء پر زید کو گاڑی کا مالک تصور کیا جاسکے، لہٰذا زید کا والد کے انتقال کے بعد اپنے آپ کو گاڑی کا واحد مالک سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

۱؎ لما قال المفتی عبد الرحیم: در جواب: والد اگر کسی مصلحت سے اپنے کسی بیٹے کے نام مکان خریدے تو وہ بیٹا محض اس کے نام پر خریدنے کی وجہ سے شرعی طور پر اس مکان کا مالک شمار نہ ہوگا۔ (فتاوٰی رحیمیہ جلد ۵ ص ۲۸۶ کتاب الہبۃ)

كتاب
الغصب
والوديعة
والعارية

ليس على المستعير غير المغل ضمان ولا على المستودع غير المغل ضمان

کتاب الغصب

(غصب کے مسائل و احکام)

غاصب کا قبضہ

سوال:۔ کیا غاصب کا قبضہ از روئے شرع قبضہ سمجھا جائیگا؟

الجواب:۔ غاصب کے قبضے کا شریعت میں کچھ وزن نہیں جس کی وجہ سے جائیداد مغصوبہ میں غاصب کا تعرض کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ہاں جب مال مغصوبہ کا نام تبدیل ہو جائے یا اس کا اعظم منافع ختم کر دیا جائے تو اس وقت وہ غاصب کا مال کہلائے گا جیسے کسی نے گندم پیسا اور اس سے روٹی پکائی، لیکن غاصب کو ضمان ادا کرنا پڑے گا اور ضمان ادا کرنے سے قبل مال مغصوبہ سے انتفاع لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: وإذا تغيرت العين بفعل الغاصب حتى زال اسمها وأعظم منافعها زال ملك المغصوب منه عنها وملكها الغاصب وضمنها ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها۔

(الهداية ج ۴ ص ۳۷۳ كتاب الغصب فصل فيما يتغير بفعل الغاصب)[1]

مالک کو اطلاع کیے بغیر ادائے حق سے برأت کا حکم

سوال:۔ زید بکر کے ہاں محنت مزدوری کرتا ہے، اس دوران اس نے بکر کی ایک قیمتی گھڑی چرالی، زید اب اپنے اس فعل پر نادم ہے اور بکر بھی زندہ

---

[1] قال العلامة خالد الأتاسي رحمه الله: إذا غير الغاصب المال المغصوب على صورة يتبدل بها اسمه يكون ضامناً ويبقى المال المغصوب له، مثلاً لو كان المال المغصوب حنطة وجعلها الغاصب بالطحن دقيقاً فإنه يضمن مثل الحنطة ويكون الدقيق له، كما أن من غصب حنطة غيره وزرعها في أرضه يكون ضامناً للحنطة والمحصول له۔

(شرح مجلة الأحكام، مادة ۸۹۹ ص ۴۹۵ ج ۲ الباب الأول في أحكام الغصب)

ومثله في الهندية ج ۵ ص ۱۲۱ كتاب الغصب، الباب الثاني في أحكام المغصوب إذا تغير بفعل الغاصب أو غيره۔

ہے یہ بھی ڈر ہے کہ اگر پکڑ لیا گیا تو زید کو خدشہ ہے کہ وہ میری بے عزتی کرے گا اب زید کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ بے عزتی بھی نہ ہو اور آخرت کے مواخذہ سے بچ سکے؟

الجواب:۔ کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا یا اس کو چوری کرنا حرام اور ناجائز ہے اور اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے اس لیے زید کو ہر حال میں گھڑی واپس کر دینی چاہیے البتہ اگر ظاہراً واپس کرنے میں بے عزتی کا خطرہ ہو تو کسی خفیہ طریقہ سے پہنچا دی جائے مالک کو اطلاع دینا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: (قوله ویبرأ بردها) ای برد العین المغصوبة الی المغصوب منه۔ (رد المحتار ج۶ ص۱۸۲ کتاب الغصب مطلب فی رد المغصوب۔ الخ)[1]

بلا اذن دوسروں کے جانور ذبح کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر بوقت ضرورت کسی دوسرے شخص کے جانور کو بغیر اس کی اجازت کے ذبح کیا جائے اور بعد میں قیمت طے کر کے دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور غصب ہے۔ مالک کو اختیار ہے کہ وہ زندہ جانور کی قیمت لے اور مذبوح جانور ذابح کے حوالہ کرے یا مذبوح جانور کو لے کر ذبح کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو کمی آئی ہے وہ غاصب سے پوری کرے۔ البتہ اگر اذن عرفی موجود ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدین: قال فی العمادیة فی فصل ۳۳ ومن ذبح شاة غیره فمالکها بالخیار ان شاء ضمنه قیمتها وسلمها الیه وان شاء اخذها وضمنه النقصان۔

(تنقیح الحامدیة ج۲ ص۱۴۵ کتاب الغصب)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفی: غصب دراهم انسان من کیسه ثم ردها فیه بلا علمه برئ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۶ ص۱۸۲ قبیل آخر التصرفات) ومثله فی مجلة الاحکام لرستم باز المادة ۸۹۲ ص۴۹۲۔

[2] قال العلامة قاضیخان: رجل ذبح شاة انسان ثم ضمنها صاحبها بالخیار ان شاء ترك المذبوح علیه وضمنه قیمتها وان شاء اخذ المذبوح وضمنه النقصان۔ (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۳ ص۲۲۵ کتاب الغصب) ومثله فی الهدایة ج۴ ص۳۶۸ کتاب الغصب۔

مغصوبہ زمین کی واپسی کے بعد حاصل کردہ منافع کا حکم

سوال: زید نے بکر کی زمین غصب کر لی اور اس سے دس سال تک پیداوار حاصل کرتا رہا جس کا ایک مخصوص حصہ مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا رہا اور کچھ حصہ پیداوار کا اپنے استعمال میں لاتا رہا، کافی کوشش کے بعد بکر نے اپنی غصب کی ہوئی اپنی زمین زید سے واپس لے لی، تو کیا بکر زید سے رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً کسی کا مال غصب کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا حرام ہے، زمانۂ غصب میں جو کچھ بھی مغصوبہ سے حاصل ہوا ہو وہ مغصوب منہ کا حق ہے۔ بنا بریں بکر اپنی مغصوبہ زمین کی کل پیداوار کا مطالبہ کر سکتا ہے، اسی طرح مغصوبہ زمین کی بازیابی کے بعد مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے مگر علاقے کے عرف کے مطابق غاصب کو اجرِ مزارعت دینا لازم ہوگا۔

وفی الهندية: وسئل شيخ الاسلام عطاء بن حمزة عمن زرع ارض انسان ببذر نفسه بغير اذن صاحب الارض هل لصاحب الارض ان يطالبه بحصة الارض قال نعم ان جرى العرف فی تلك القرية انهم يزرعون الارض بثلث الخارج او ربعه او نصفه او بشیء مقدر شائع يجب ذلك القدر الذی جرى به العرف۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۱۴۲ الباب العاشر فی زراعة الارض المغصوب بها) له

له قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والحاصل ان من زرع ارض غيره بلا اذنه لو على وجه الغصب فان كانت الارض ملكا واعتاد اربابها الزراعة يعتبر العرف فی الحصة ان كان ثمة عرف والا فان اعتادوا الايجار فالخارج كله للزارع وعليه اجر مثلها لربها والا فان انتقصت فعليه النقصان والا فلا شیء عليه۔

(تنقيح الحامدية ج۲ ص۱۴۲ كتاب الغصب)

ومثله فی الفتاوى الكاملية ص۲۰۹ كتاب الغصب۔

بغیر اجازت کے کسی کی زمین سے مٹی لانا

سوال:- زید کی مملوکہ زمین میں ایک ٹیلہ ہے لوگ اس سے مٹی لے آتے ہیں زید کسی کو منع بھی نہیں کرتا، تو کیا زید کی اجازت کے بغیر اس ٹیلے سے مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اصول یہ ہے کہ کسی کی مملوکہ زمین سے مٹی وغیرہ لانا بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں لیکن اجازت کے لیے صراحتاً کہنا ضروری نہیں قرینہ اجازت بھی کافی ہے صورت مسئولہ میں چونکہ زید اپنی زمین سے مٹی لینے سے کسی کو منع نہیں کرتا تو یہ اجازت پر دال ہے اس لیے اس سے اجازت لیے بغیر بھی مٹی لائی جا سکتی ہے۔

قال العلامة الحصكفي: ولا يسقى ارضه وشجره وزرعه ونصب دولاب ونحوه من نهر غيره وقناته وبئره الا باذنه لان الحق له فيتوقف على اذنه. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۹ فصل الشرب) [1]

بلا کرایہ سفر کرنے پر ذمہ سے فارغ ہونے کا طریقہ

سوال:- میں دو تین بار کراچی سے پشاور تک ریل میں بغیر ٹکٹ کے آیا ہوں اس وقت مجھے کوئی خیال نہیں تھا کہ میں یہ کام ناجائز کر رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ اس حق غیر سے کسی طرح اپنا ذمہ فارغ کر سکوں، مہربانی فرما کر اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:- بس یا ریل میں بغیر کرایہ ادا کیے سفر کرنا جائز نہیں کرایہ کے پیسے ادا کرنا واجب ہے اور اگر کبھی بغیر کرایہ کے سفر کیا گیا تو اس کی ادائیگی اور ذمہ سے فارغ ہونے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس ادارے سے اتنی مسافت کا ٹکٹ خرید کر استعمال میں لائے بغیر ہی ضائع کر دیا جائے تو اس سے حق ادا ہو جائے گا۔ جہاں تک آپ کے مسئلہ کا تعلق ہے تو آپ اس طرح کریں کہ جتنی بار آپ کراچی سے پشاور بغیر کرایہ ادا کیے آئے ہیں اتنی دفعہ کرایہ ادا کر کے اتنی مالیت کی ٹکٹ خرید کر اسے ضائع کر دیں، اس طرح آپ کا ذمہ فارغ ہو

---

[1] قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ بلا اجازت مالک کے اپنے کھیت کو پانی دینا یا مٹی لانا جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۳ ص ۴۵۲ کتاب الغصب)

جائے گا۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: (الجواب) زید کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہے، اسی قدر دام وصول کا ایک ٹکٹ اسی ریلوے کا خرید کر اس ٹکٹ کو ضائع کر دے اس سے کام نکل جائے گا اور حق واجب کمپنی کو ادا ہو جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص [illegible] کتاب الغصب)

پرنالہ بند کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ ایک صاحب کے مکان کے عقب (پچھواڑے) میں میری مملوکہ زمین ہے اب میں اس پر مکان بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس شخص کے مکان کا پرنالہ میری زمین کی طرف ہے میں نے اس کو پرنالہ بند کرنے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا اور اعلانیہ جرگہ میں میرے خلاف شکایت کر دی۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا مجھے شرعاً اس کا پرنالہ بند کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ جگہ واقعی آپ کی ملکیت ہے اور پرنالے کا پانی آپ ہی کی مملوکہ زمین پر گرتا ہو تو آپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ آپ اس پرنالہ کو بند کر دیں، اور اگر پرنالہ کا پانی گرنے کی جگہ صاحب مکان کی ملکیت ہو تو پھر آپ کو پرنالہ بند کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: ومن اشترى بيتاً في دار او منزلاً او مسكناً لم يكن له الطريق الا ان يشتريه بكل حق هو له او بمرافقه او بكل قليل وكثير وكذا الشرب والمسيل۔ (الهداية جلد ۳ ص [illegible] كتاب البيوع باب الحقوق) لے

⁂

لے لما قال الشیخ مولانا اشرف علی التھانویؒ: مسئلہ جس کی پرنالہ و بدرو وغیرہ نکالنا حقوق ملک سے ہے جو شخص اس جگہ کا مالک ہے اس کو ہر طرح تصرف کا حق پہنچتا ہے، پس یہ شخص جو حق پرنالہ ہمسایہ کو زائل کرنا چاہتا ہے اگر وہ پرنالہ گرنے کی جگہ اس شخص کی مملوک ہے اور ابتداءً محض بطور تبرع و لحاظ و رعایت ہمسایہ کو پانی ڈالنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اب زائل کرنا چاہتا ہے اور پرنالہ بند کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے، اپنی ملک کا اختیار ہے اور اگر یہ جگہ ہمسایہ کی مملوک ہے تو اس شخص کو اس کا پرنالہ بند کرنا جائز نہیں کہ یہ غصب ہے۔

(امداد الفتاویٰ جلد ۳ ص ۱۴۵ کتاب الغصب)

کتاب الودیعة والعاریة

(امانت اور عاریت کے مسائل واحکام)

امین کو امانت میں تصرف کا حق ہے

سوال: کسی امین کو امانت میں تصرفات کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے؟

الجواب: امین پر امانت کی حفاظت لازمی ہے اس کی حفاظت کے لیے جو بھی تدبیر اختیار کرنا پڑے کر سکتا ہے مگر حفاظتی تدابیر کے علاوہ دیگر تصرفات کرنا جائز ہے بصورت ہلاکت ضامن ہوگا۔

وفی الهندیة: والودیعة لا تودع ولا تعار ولا تؤجر ولا ترهن وان فعل شیئاً منها ضمن کذا فی البحر الرائق۔ (الفتاوى الهندیة ج۴ ص۳۳۸ کتاب الودیعة)[1]

امانت ضائع ہوجانے پر ضمان کا حکم

سوال: زید نے عمرو کو کچھ رقم کاروبار کے لیے دی، عمرو کاروبار کے سلسلے میں سفر پر چلا گیا، سفر کے دوران اس نے رقم اپنے رفیق سفر کو دے دی جس سے کسی نے وہ رقم چوری کرلی، تو کیا زید اب عمرو سے ضمان کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ محمود سے یہ رقم برفاقت عمرو ضائع ہوئی ہے لہٰذا ان دونوں میں سے کسی پر ضمان نہیں ہے، تاہم اگر عمرو محمود سے جدا ہوچکا تھا تو ہلاکت کی صورت میں عمرو زید کا ضامن ہوگا۔

قال العلامة سلیم رستم باز: ثم اعلم ان المستودع الاول انما یضمن اذا اودع الودیعة رجلاً بعد ان فارقه واما قبله فلا ضمان علی احد لان الثانی قبض المال من ید امین کما مر والاول لا یکون بالدفع ضمیناً ما لم یفارق بعضو

۱؎ قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: والودیعة لا تودع ولا تعار ولا تؤجر ولا ترهن وان فعل شیئاً منها ضمن۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۹۱ کتاب العاریة) ومثله فی مجلة الاحکام مادة ۷۹۲ الباب الاول فی الودیعة

رأیہ فاذا فارق فقد ترک الحفظ الملتزم بالتزامہ فیضمن بترکہ (مجمع الانہر)
(شرح مجلۃ الاحکام، مادۃ ۷۹۰ ص ۲۳۸) ؎۱

امانت پر اُجرت لینے کا حکم

سوال:- امانت کی حفاظت کرنے پر اُجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر حفظِ ودیعت کو مودَع پر شرط کر کے اجرت مقرر کر دی جائے تو جائز ہے اور اس صورت میں اگر مودَع سے شئ امانت کسی ایسے عمل سے ضائع ہو جائے جس سے بچنا ممکن تھا تو مودَع ضامن ہے ورنہ ضامن نہیں۔

وفی مجلۃ الاحکام: الودیعۃ امانۃ فی ید المودَع فاذا ھلکت بلا تعدٍ منہ وبدون صنعہ وتقصیرہ فی الحفظ لا یضمن ولکن اذا کان الایداع باجرۃ فھلکت او ضاعت بسبب یمکن التحرز عنہ لزم المستودع ضمانھا
(شرح مجلۃ الاحکام، مادۃ ۷۷۷ ص ۲۳۲ فی احکام الودیعۃ وضمانھا) ؎۲

مودَع کی وفات پر ورثاء کو مطالبہ کا حق ہے

سوال:- زید کی امانت بکر کے پاس رکھی ہوئی تھی، اب تک زید کی وفات ہو گئی، اس کے پسماندگان میں بیوی بچے ہیں لیکن ناقابلِ اعتماد ہیں، تو بکر یہ امانت کس کے حوالے کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید کے ورثاء کے مطالبہ پر امانت کی واپسی ضروری ہے

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فاذا دفع المودع لا لمودع فان اودع فھلکت عند الثانی ان لم یفارق الاول لا ضمان علی واحدٍ منھما وان فارقہ ضمن الاول عند ابی حنیفۃ ولا یضمن الثانی۔ (البحر الرائق ج۷ ص ۲۷۴ کتاب الودیعۃ)
ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص ۲۰۲ کتاب الودیعۃ۔ الثانی فی ما یکون ضامناً الخ

؎۲ قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وفی آخر کتاب الغصب من شرح الطحاوی المودع اذا شرط الاجر للمودع علی حفظ الودیعۃ صح۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص ۲۸۹ الفصل السادس فی المتفرقات)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۴ ص ۳۴۲ الباب التاسع فی المتفرقات۔

لیکن اگر یقین یا غالب ظن ہو کہ ورثاء اس مال کو ضائع کر دیں گے تو پچیس سال کی عمر تک نہ دیا جائے۔

وفی الهندیة: واذا مات رب الودیعة فالوارث خصمه فی طلب الودیعة کذا فی المبسوط۔ (الفتاوی الهندیة ج۴ ص۳۴۵ الباب السابع فی رد الودیعة)

امانت کے ضائع ہونے کے خدشہ کی صورت میں فروخت کرنے کا حکم

سوال:- اگر کسی امانت کے بارے میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور مالک تک رسائی کی مشکل ہو تو ایسی صورت میں امانت کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ کیا اسے فروخت کر کے رقم مالک کو دی جا سکتی ہے؟

جواب:۔ امانت میں بنیادی طور پر مالک کے حقوق کی رعایت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ امانت میں خیانت حرام اور ناجائز ہے۔ امانت مالک کو اصل حالت میں واپس کرنا مودع کی ذمہ داری ہے لیکن جہاں کہیں امانت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں مالک سے رابطہ کر کے اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے مالک سے رابطہ ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں حاکم وقت کو اطلاع دے کر تحفظ امانت کی صورت تلاش کی جائے، اور اگر حاکم وقت سے بھی رابطہ کی صورت میسر نہ ہو تو پھر اہل رائے سے مشورہ کر کے امانت کو فروخت کر کے اس کی قیمت مالک کے لیے محفوظ رکھی جائے۔ تاہم ان تمام صورتوں میں مالک سے ہمدردی کا جذبہ محرک رہے گا اور اگر حتی المقدور کوشش کے باوجود امانت ضائع ہو گئی تو محافظ پر کوئی تاوان لازم نہیں۔

قال العلامة خالد الاتاسی رحمه الله: اذا کان صاحب الودیعة غائبا غیبة منقطعة بحیث لا یعلم موته ولا حیاته یحفظها المستودع الی ان یعلم موت صاحبها، واذا کانت الودیعة مما یفسد بالمکث یبیعها المستودع باذن الحاکم ویحفظ ثمنها امانة عنده لکن اذا لم

لہ قال العلامة خالد اتاسی رحمه الله: واذا مات المودع تسلم الودیعة لوارثه
(معين الاحكام مادة ۷۹۵ ص۲۴۳ الفصل الثانی فی احکام الودیعة وضمانها)
ومثله فی رد المحتار ج۴ ص۴۹۳ کتاب الودیعة۔

بیعہا فخسرت بالمکث بنفسہ۔ (مجموعۃ الاحکام ملحقہ خلاصۃ الفتاویٰ ص۴۲۱ الفصل الثانی فی احکام الودیعۃ) ؎۱

عاریتہ دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حکم

سوال:۔ زید نے عمرو کو اپنی زمین پھلوں کی کاشت کے لیے عاریتہ دی اور عمرو نو سال تک اس زمین سے پیداوار حاصل کرتا رہا لیکن اب زید پیداوار میں حصہ مانگتا ہے اور زمین بھی واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا از روئے شریعت زید کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی زمین واپس لے؟ اور کیا زید پیداوار میں حصہ لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ زید نے عمرو کو زمین عاریتاً دی ہے اس لیے زید کو اپنی زمین واپس لینے کا حق تو حاصل ہے لیکن اس کی پیداوار میں حصہ لینے کا حقدار نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو اعار ارضاً للبناء والغرس صح وللمعیر بالمنفعۃ ان یرجع متی شاء۔ (رد المحتار ج۵ ص۶۷۸ کتاب العاریۃ) ؎۲

معیر یا مستعیر کی موت سے اعارہ فسخ ہوتا ہے

سوال: رشید خان فرید خان کی خدمت کرتا ہے فرید خان نے خدمت کے عوض میں رشید خان کو دس کنال زمین دیدی۔ رشید خان زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ اب جبکہ رشید خان بوڑھا ہوگیا ہے اور خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا تو فرید خان نے مذکورہ زمین رشید خان سے لے کر اس کے بیٹے جہانگیر خان کو دے دی۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد فرید خان کی جائیداد کسی وجہ سے حکومت نے

؎۱ وفی الہندیۃ: اذا کانت الودیعۃ شیئاً یخاف علیہ الفساد وصاحب الودیعۃ غائب فان رفع الامر الی القاضی حتی یبیعہ جاز وہو الاولیٰ وان لم یرفع حتی فسدت لا ضمان علیہ لانہ حفظ الودیعۃ علی ما امر بہ کذا فی المحیط۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۴ ص۳۴۲ الباب الرابع کتاب الودیعۃ)

ومثلہ فی فتاویٰ سراجیۃ علی ہامش قاضی خان ج۲ ص۴۵ کتاب الودیعۃ۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا استعار ارضاً لیبنی فیہا او لیغرس جاز وللمعیر ان یرجع فیہا ویکلفہ قلع البناء والغرس۔ (الہدایۃ ج۳ ص۲۷۶ کتاب العاریۃ)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۲۹۳ کتاب العاریۃ۔

ضبط کر لی لیکن جاوید خان کی بیس کنال زمین پر ستور اس کے تصرف میں ہے۔ اب جاوید خان کا دوسرا بھائی سلیم خان دعویدار ہے کہ چونکہ یہ زمین ہمارے والد صاحب کی ملکیت ہے اس لیے میں بھی اس زمین میں حقدار ہوں۔ کیا از روئے شرع سلیم خان کا اس زمین میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معاملہ کی حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرید خان نے رشید خان کو جو زمین دی تھی وہ عاریتاً دی تھی نہ کہ بطور ملکیت، اس لیے کہ جب رشید خان بوڑھا ہو گیا تو زمین واپس لے کر اس کے لڑکے جاوید خان کو دے دی لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ دینا عاریتاً تھا نہ کہ بطور تملیکاً۔ اس لیے مذکورہ زمین اگر فرید خان زندہ ہو تو اس کی ملکیت ہے نہ کہ رشید خان اور بیٹوں کی، اور اگر فرید خان فوت ہو چکا ہے تو یہ زمین اس کے وارثوں کی ہے، اور عاریہ بسبب اس کی وفات کے فسخ ہو چکا ہے۔

قال العلامۃ خالد الاتاسی رحمہ اللہ: تنفسخ الاعارۃ بموت المعیر والمستعیر۔
(مجلۃ الاحکام، مادہ ۸۰۶ ص ۴۴۸ الباب الثالث، الفصل الاول) [1]

معیر اور مستعیر کا اجارہ اور عاریت میں اختلاف

سوال: زید نے بکر سے مکان کے لیے کڑیاں حاصل کیں اور کڑیاں واپس کرتے وقت بکر نے دعویٰ کیا کہ کڑیاں اجارہ پر دی گئی تھیں نہ کہ عاریتاً جبکہ زید کا کہنا ہے کہ کڑیاں عاریتاً حاصل کی گئی تھیں۔ اب اس اختلاف کو حل کرنے میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ اگر بکر گواہوں کے ذریعے سے یہ ثابت کر دے کہ زید نے کڑیاں اجارہ پر حاصل کی تھیں تو زید اجرت دینے کا پابند ہوگا ورنہ عاریتاً پر محمول ہوگا اور زید اجرت دینے سے بری ہوگا۔

---

[1] قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ: واذا مات المستعیر او المعیر تبطل الاعارۃ کما تبطل الاجارۃ بموت احد المتعاقدین۔
(فتاویٰ خانیۃ علی ھامش الہندیۃ ج ۲ ص ۳۴۲ فصل فیما یضمن المستعیر)
ومثلہ فی سراجیۃ علی ھامش فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۸۲ کتاب العاریۃ۔

وفی الہندیۃ: ولذا قال اعرتنی دابتک وھلکت وقال المالک غصبتھا منی فلاضمان علیہ ان لم یکن رکبھا فان کان قد رکبھا فھو ضامن وان قال اعرتنی وقال المالک اجرتکھا وقد رکبھا وھلکت من رکوبہ فالقول قول الراکب ولاضمان علیہ کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۴ ص۳۶۲ کتاب العاریۃ، الباب الثامن فی الاختلاف الواقع فی ھذا الباب والشہادۃ فیہ)[1]

امانت رکھنے والا واپس نہ آئے تو امانت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کچھ رقم بطور امانت رکھ دے اور وہ امانت لینے کے لیے واپس نہ آئے تو امین اس رقم کے ساتھ کیا کرے؟

الجواب:۔ امین کو اگر امانت رکھنے والے کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو تو پھر اسے چاہیے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے امانت پہنچانے کی کوشش کرے ورنہ اس کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کے حوالے کر دے، اور اگر کوشش کے باوجود اس کا یا اس کے ورثاء کا علم نہ ہو سکے تو خود اس مال کو امانت رکھنے والے کی طرف سے صدقہ کر دے یا صدقہ کی نیت کر جائے، البتہ اگر امین فقیر ہو تو خود بھی کھا سکتا ہے، اور اگر صدقہ کرنے کے بعد مال کا مالک واپس آ جائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو امین سے اپنے مال کا مطالبہ کرے یا صدقہ رہنے دے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: فینتفع الرافع بھا لو فقیرا والا تصدق بھا علی فقیر ولو علی اصلہ وفرعہ وعرسہ ..... فان جاء مالکھا بعد التصدق خیر بین اجازۃ فعلہ ولو بعد ھلاکھا ولہ ثوابھا او تضمینہ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۴ ص۲۷۸ کتاب اللقیط)

---

[1] لما قال العلامۃ خیر الدین الرملی: وان قال اعرتنی وقال المالک اجرتکھا وھلکت من رکوبہ فالقول قول الراکب ولاضمان علیہ کذا ذکرہ کثیر من علمائنا۔
(فتاوی خیریۃ علی ہامش تنقیح الحامدیۃ ج۲ ص۱۶۱ کتاب العاریۃ)
ومثلہ فی الہدایۃ ج۳ ص۲۹۳ کتاب الاجارات۔

مجبوری کے تحت امانت فروخت کرنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! آج سے دو سال قبل ایک افغان مہاجر نے ہمارے پاس دو بوری گندم امانت رکھی تھی اور خود کہیں چلا گیا۔ اس کے بعد سے آج تک ہمارا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور نہ ہمیں اس کے گھر بار کا کوئی علم ہے جبکہ اس کی گندم پڑی پڑی خراب ہو رہی ہے۔ ان حالات میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اس کا کوئی حل بتائیں؟ کیا ہم یہ گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت بطور امانت محفوظ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- بلا ضرورت شدیدہ کسی کی امانت میں تصرف کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا تاہم مجبوری کے تحت بہت سارے محظورات میں بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ چونکہ صورت مسئولہ میں بھی ضرورت شدیدہ ہے اس لیے شرعاً آپ عدالت سے اجازت لیکر اس گندم کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اپنے پاس بطور امانت محفوظ رکھیں لیکن اگر عدالت تک رسائی ممکن نہ ہو اور گندم کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو پھر چند مسلمانوں کے سامنے اسے فروخت کر کے رقم محفوظ رکھیں۔

لما في الهندية: وان غاب صاحب الوديعة ولا يدري أحي هو أو ميت يمسكها حتى يعلم بموته ... وان كانت الوديعة شيئاً لا يمكن ان يؤاجر فالقاضي يامره بان ينفق من ماله يوماً او يومين او ثلاثة رجاء ان يحضر المالك ولا يامره بالانفاق زيادة على ذلك بل يامره بالبيع وامساك الثمن۔

(الفتاوى الهندية ج۴ ص۳۴۲ كتاب الوديعة) [1]

✻

---

[1] وقال مولانا عبد الكريم: وفي العالمگيرية: وان كانت الوديعة شيئاً لا يمكن ان يؤاجر فالقاضي يامره بان ينفق من ماله يوماً او يومين او ثلاثة رجاء ان يحضر المالك ولا يامره بالانفاق زيادة على ذلك بل يامره بالبيع وامساك الثمن. اھ

وفي ديارنا لا يمكن الرفع إلى القاضي فجماعة المسلمين قائمة مقامه۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بکرے کو فروخت کر کے اس کی قیمت امانت میں رکھنی چاہیئے، مگر خود تنہا فروخت نہ کرے بلکہ چند مسلمانوں کی رائے سے فروخت کرے۔ (امداد الاحکام ج۳ ص۶۱۶ کتاب الودیعۃ)

کتاب
احیاء الموات
والمزارعة

من احیا ارضا

میتة فهی له

کتاب احیاء الموات

(بنجر زمین کو آباد کرنے کے احکام و مسائل)

ایسی زمین آباد کرنا جس کے مالکان لاپتہ ہوں

سوال:- ایک قطعہ زمین قیامِ پاکستان سے قبل کا بیکار پڑا ہے، اس کے مالکان اس وقت سے افغانستان چلے گئے تھے، اس کے بعد سے آج تک اس زمین کے ساتھ ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب اگر کوئی اس زمین کو آباد کرے تو کیا وہ اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر واقعی یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں اور عرصہ دراز سے بنجر پڑی ہے اور قریب کے دیہات کے مصالح و منافع اس سے متعلق نہیں تو حکومت کی اجازت سے جو بھی آباد کرے گا مالک بن جائے گا۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیا ارضاً میتۃ فھی لہ۔
(سنن ترمذی ج ۱ ص[illegible] باب احیاء الموات) لے

اگر اذنِ امام نہ ہو تو احیاء موات میں ملکیت کے ثبوت کا حکم

سوال:- امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک احیاء موات میں اذنِ امام شرط ہے، سوال یہ ہے کہ جہاں امام نہ ہو وہاں احیاء موات سے ملکیت کیسے ثابت ہوگی؟

الجواب:- احیاء موات کے لیے امام صاحبؒ کے نزدیک حکومت کی اجازت ضروری ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک اذنِ امام شرط نہیں، اگرچہ اس مسئلہ میں راجح قول امام صاحبؒ کا ہے لیکن جہاں امام نہ ہو تو صاحبینؒ کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے گا۔ لہ

لہ اخرجہ الامام ابوداؤدؒ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیی ارضاً میتۃ فھی لہ ولیس لعرق ظالم حق۔ (ابوداؤد ج ۲ ص[illegible] باب احیاء الموات)

لہ وفیلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص[illegible] کتاب احیاء الموات۔

معاشرتی حالات کے زیادہ موافق ہوگا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی اذن امام شرط نہیں نیز ظاہر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اخرجہ الامام ترمذیؒ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیی ارضاً میتۃ فھی لہٗ۔ (سنن ترمذی ج ا ص۲۵۶ باب احیاء الموات) ؎

احیاء موات میں راجح قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے

سوال: ایک بنجر زمین کو چند افراد نے قابل کاشت بنایا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ مذکورہ افراد اس زمین کے مالک نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے حکومت سے باضابطہ اجازت نہیں لی ہے، سوال یہ ہے کہ حکومت کی اجازت کے بغیر احیاء موات سے ملکیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لیے بادشاہ وقت کی اجازت ضروری ہے یا نہیں، اس میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک بادشاہ کی اجازت ضروری ہے صاحبینؒ کے نزدیک ضروری نہیں لیکن امام صاحبؒ کا قول راجح ہے اور متون فقہ میں یہی قول مذکور ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وقول الامام ھو المختار ولذا قدمہ فی الخانیۃ والملتقی کعادتھما وبہ اخذ الطحاوی وعلیہ المتون۔

(رد المحتار ج ۵ ص۳۳ کتاب احیاء الموات) ؎

لیکن جہاں کہیں امام نہ ہو تو صاحبینؒ کے مذہب پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

؎ قال العلامۃ الزیلعیؒ: وقالا یملکہ من احیاہ ولا یشترط فیہ اذن الامام علیہ الصلوٰۃ والسلام من احیا ارضا لیست لاحد فھو احق بھا۔

(تبیین الحقائق ج ۶ ص۳۵ کتاب احیاء الموات)

(ومثلہ فی الہندیۃ ج ۳ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

؎ وفی الہندیۃ: ومن احیاہ باذن الامام ملکہ وھذا عند ابی حنیفۃؒ وقالا یملکہ من احیاہ ولا یشترط فیہ اذن الامام ...... والملک فی الموات یثبت بالاحیاء باذن الامام عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یثبت بنفس الاحیاء۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔ الباب الاول)

سوال: آبادی سے دور ایک

جنگل کو آپس میں تقسیم کرنے سے لوگ اس کے مالک نہیں بن سکتے

درخت دار جنگل ہے، اگر لوگ اس کو آپس میں تقسیم کرلیں تو کیا وہ اس کے مالک بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا درخت دار جنگل جو کسی کی ملکیت نہ ہو تمام لوگوں کے لیے مباح ہوتا ہے اس کے ساتھ تمام لوگوں کے منافع متعلق ہوتے ہیں ہر ایک کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی اس کو قابلِ کاشت بنائے تو وہ اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

لما فی الهندیة: ولکن اما کان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لاهلها ومرعی لهم لا یکون مواتاً۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات)[1]

ایسی زمین جس میں جنگل ہو موات میں داخل نہیں۔

سوال: بعض لوگ کسی غیر آباد

بنجر زمین پر محض نشانات لگانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

زمین کو اپنی ملکیت میں لانے کے لیے اس کے ارد گرد پتھروں کی دیوار بنا لیتے ہیں تو کیا ایسی زمین پر صرف نشانات لگانے یا دیوار بنا دینے سے کوئی اس کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بنجر اور غیر آباد زمین کی ملکیت اس وقت ثابت ہوگی جب اس کو قابلِ کاشت بنایا جائے، اس میں کھیتی باڑی کی جائے یا کسی قسم کی تعمیر کی جائے، کسی قسم کے نشانات لگانے یا پتھروں کی دیوار بنا کر حد بندی کرنے سے کوئی اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ومن حجر ای منع غیره منها بوضع

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولا یجوز احیاء ما قرب من العامر بل یترک لهم ومطرحاً لحصائدهم لتعلق حقهم به فلم یکن مواتاً وکذا لو کان محتطباً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات)

ومثله فی البدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۳ کتاب الاراضی

علامة من حجر او غيره ثم اهملها ثلاث سنين دفعت الى غيره وقبلها هو احق بها وان لم يملكها لانه انما يملكها بالاحياء والتعمير لا بمجرد التحجير.

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات)[1]

غیر مملوکہ مشترکہ چراگاہ کی زمین آباد کرنے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال: ایک زمین دو گاؤں والوں کے مابین صدیوں سے مشترکہ چراگاہ کے طور پر چلی آرہی ہے اور یہ غیر آباد زمین کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے، اس کا کچھ حصہ بعض لوگوں نے کافی عرصے سے آباد کرکے اُسے قابلِ کاشت بنایا ہوا ہے، اب اس مشترکہ زمین کی کل تقسیم ہو رہی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا آباد شدہ زمین آباد کرنے والوں کی ملکیت ہوگی یا کل تقسیم میں اس کی تقسیم بھی ہوگی؟

الجواب:- اگر اس زمین سے دونوں گاؤں کے لوگوں کی ضروریات مثلاً چراگاہ یا ایندھن (جنگل) وغیرہ وابستہ ہوں تو یہ موات کے حکم میں نہیں، اُسے آباد کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور جزوی طور پر آباد کرنے سے کسی کی ملکیت ثابت ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آباد شدہ زمین بھی کل تقسیم میں داخل ہوگی۔

لما في الهندية: وكذا ما كان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لاهلها ومرعى لهم لا يكون مواتاً حتى لا يملك الامام اقطاعها. انتهى

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۸۶ کتاب احیاء موات)[2]

---

[1] قال العلامة المرغيناني: لان التحجير ليس باحياء ليملكه به لان الاحياء انما هو العمارة والتحجير للاعلام. (الهداية ج۴ ص۴۲۹ کتاب احیاء موات)

ومثله في الهندية ج۵ ص۳۸۶ کتاب احیاء الموات۔

[2] قال العلامة التمرتاشي: ولا يجوز احياء ما قرب من العامر بل يترك مرعى لهم ومطرحاً لحصائدهم لتعلق حقهم به فلم يكن مواتاً وكذا لو كان محتطباً.

(تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ کتاب احیاء الموات)

ومثله في البدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۳ کتاب الاراضی۔

بنجر زمین کو آپس میں تقسیم کر کے آباد کرنا

سوال:۔ اگر کسی علاقہ کی زمین بنجر پڑی ہو اور وہاں کے سرکردہ افراد اس کو وہاں کے تمام افراد میں تقسیم کر دیں، اس کے بعد کچھ صاحب استطاعت اسے آباد کر لیں اور کچھ لوگ آباد نہ کر سکیں تو کیا آباد کنندگان کے لیے ان زمینوں کے محاصلات جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی تقسیم کے بعد جو آدمی بھی اپنے حصہ کی زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اس کے محاصلات اس کے لیے جائز ہوں گے کیونکہ یہ زمین حقیقت میں غیر آباد ہے صرف برائے نام سب لوگ اس میں شریک ہیں کہ اس علاقہ کی زمین ہے۔

واخرج الامام ابوداؤد، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضاً میتۃ فھی لہ۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص۸۱ باب احیاء الموات) ملہ

احیاء موات کا حق ہر ایک کو حاصل ہے

سوال:۔ موجودہ معاشرہ میں بعض لوگ حجام، لوہار، ترکھان، جولاہا وغیرہ کا پیشہ اختیار کرنے والوں کو گھٹیا تصور کرتے ہیں اور اگر یہ لوگ کسی غیر آباد زمین کو آباد کریں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا حق نہیں، کیا ایسا کرنا اور کہنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیث اور کتب فقہ میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ جو کوئی بھی کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، کسی بھی فقیہ نے اس مسئلہ میں اس قسم کی تخصیص بیان نہیں کی۔ احیاء موات کے حکم میں تعمیم ہے۔ من احیٰ ارضاً میتۃ فھی لہ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص۲۵۶ باب احیاء الموات) اس حدیث میں لفظ مَن عام ہے، اس عموم میں بلا دلیل تخصیص کرنا صحیح نہیں۔ فقہاء کرام نے بھی لفظ مَن استعمال کیا ہے: ومن احیاہ باذن الامام ملکہ (تبیین الحقائق ج ۶ ص۳۵) بلکہ ذمی غیر مسلم بھی احیاء موات سے مالک بن سکتا ہے جبکہ یہ حجام، جولاہا، لوہار، ترکھان وغیرہ تو مسلمان ہیں۔

قال العلامۃ برہان الدین المرغینانی رحمہ اللہ، ویملکہ الذمی بالاحیاء

ملہ اخرجہ الامام ترمذی رحمہ اللہ، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیٰ ارضاً میتۃ فھی لہ۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص۲۵۶ باب احیاء الموات)

ومثلہ فی الہدایۃ ج ۴ ص۴۲۹ کتاب احیاء الموات۔

کما یملکہ المسلم۔ (الهدایة ج ۴ ص ۴۴۹ کتاب احیاء الموات) ۱ھ

بنجر آباد زمین کو آباد کرنے والا بلا شرکتِ غیرے اس کا مالک ہوتا ہے

سوال: ہم نے بنجر آباد زمین کو ستر سال قبل آباد کیا تھا، کیا شرعاً اس میں ہمارے ساتھ کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟

الجواب: اگر یہ زمین کسی کی ملکیت نہیں تھی اور نہ اہل قریہ کے منافع اس کے ساتھ وابستہ تھے تو آپ بلا شرکتِ غیرے اس زمین کے مالک ہیں بشرطیکہ حکومت کی اجازت سے آباد کی ہو کیونکہ مردہ زمین کو آباد کرنے والا ہی اس کا مالک ہوتا ہے کسی کا بھی ایسی زمین کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا۔

لما ورد فی الحدیث: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیا ارضاً میتةً فهی له۔ (سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۶۵ باب ما ذکر فی احیاء ارض الموات) ۲ھ

ترجمہ: "جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا یعنی قابلِ کاشت بنایا وہ زمین اسی کی ہے۔"

مفادِ عامہ سے خارج رقبے کو آباد کرنے والا مالک متصور ہوتا ہے

سوال: اگر کسی علاقے میں پہاڑی اور غیر آباد بنجر زمین کو وہاں کے بسنے والے لوگ آباد کر لیں تو کیا وہ آباد کرنے سے اس کے مالک بن جاتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ علاقہ کے بعض بااثر لوگ ان کی ملکیت کے ثابت ہونے کی مخالفت کرتے ہیں؟

الجواب: جو پہاڑ کسی کی ملکیت نہ ہوں اور ان کا تعلق علاقے کے مفادِ عامہ سے بھی نہ ہو تو اس کو باقاعدہ حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والا شریعت کی رو سے

۱ھ لما فی الهندیة: عن ابی یوسفؒ و محمدؒ یثبت بنفس الاحیاء۔
(فتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۸۶ کتاب احیاء الموات)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۰ کتاب احیاء الموات۔

۲ھ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احیا ارضاً میتةً فهی له ولیس لعرقٍ ظالمٍ حق۔ (ابو داؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات)
ومثلہ فی فتح الودود حاشیة ابی داؤد ج ۲ ص ۸۱ باب احیاء الموات۔

اس کا مالک متصور ہوگا۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: (إذا أحيا مسلم أو ذمي أرضاً غير منتفع بها وليست مملوكة لمسلم ولا ذمي وهي بعيدة من القرية ملكه؛ وعند محمدؒ عدم ارتفاق أهل القرية به يكفي.

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ كتاب احياء الموات) [۱]

غیر مسلم کیلئے احیاء موات کا حکم

سوال:- ہمارے علاقے میں ہندو اور سکھ بھی رہتے ہیں انہوں نے حکومت کی اجازت سے گاؤں کی بنجر زمین کو آباد کیا اور اب اس میں مختلف فصلیں کاشت کرتے ہیں، تو کیا یہ زمین ان کی ملکیت متصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- موات کی احیاء کرنے والے کے لیے مسلمان ہونا شرط نہیں، اگر کوئی غیر مسلم بھی حکومت وقت کی اجازت سے علاقے کی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت متصور ہوگی۔ اس لیے صورت مسئولہ میں بنجر زمین کو حکومت کی اجازت سے آباد کرنے والے ہندو اور سکھ اس کے مالک متصور ہوں گے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: (إذا أحيا مسلم أو ذمي أرضاً غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمي ..... ملكها إن أذن له الإمام في ذلك وقالا يملكها بلا إذنه وهذا لو مسلماً فلو ذمياً شرط الإذن اتفاقاً.

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۸ كتاب احياء الموات) [۲]

---

[۱] قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحيا أرضاً ميتة فهي له۔
(سنن الترمذي ج۱ ص۲۵۶ باب ما ذكر في احياء أرض الموات)
ومثله في بدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۴ كتاب الأرض۔

[۲] قال العلامة المرغينانيؒ: ويملك الذمي بالإحياء كما يملكه المسلم لأن الإحياء سبب الملك إلا أن عند أبي حنيفةؒ إذن الإمام من شرطه فيستويان فيه كما في سائر أسباب الملك حتى الاستيلاء على أصلنا۔
(الهداية ج۴ ص۴۲۷ كتاب احياء الموات)

موات کی تعریف

سوال:- جناب مفتی صاحب! موات کسے کہتے ہیں اور کون کون سی زمینیں اس میں داخل ہیں؟

الجواب:- ہر وہ زمین جو گاؤں یا شہر سے باہر ہو اور اس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کے ساتھ کسی کا کوئی حق وابستہ ہو اور نہ وہ شہر یا گاؤں کے متعلقہ امور سے وابستہ ہو اس کو موات کہا جاتا ہے لہٰذا جن زمینوں میں یہ شرائط پائی جائیں وہ موات میں داخل ہیں۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: فالأرض الموات هی الأرض الخارج البلد لم تکن ملکاً لأحد ولا حقاً له خاصاً فلا یکون داخل البلد مواتاً اصلاً۔

(بدائع الصنائع ج۶ ص۱۹۴ کتاب احیاء الموات) [1]

صرف قبضہ سبب ملک نہیں

سوال:- اگر کوئی شخص گاؤں کی بنجر زمین (شاملات) پر قبضہ کرکے سرکاری کاغذات میں اپنے نام انتقال کرالے لیکن اسے آباد نہ کرے بلکہ کئی سالوں سے اسی طرح بنجر بننے دے تو کیا حاکم وقت یا اس کا نائب یعنی تحصیلدار وغیرہ وہی زمین کسی دوسرے شخص کو دے سکتے ہیں یا نہیں تاکہ وہ اس کو آباد کرے؟

الجواب:- موات کی ملکیت کے لیے ضروری ہے کہ حاکم وقت یا اس کے نائب (تحصیلدار وغیرہ) کی اجازت سے بنجر زمین پر قبضہ کرکے اسے آباد کرے یعنی قابل کاشت بنائے صرف اس پر قبضہ کرنا سبب ملک نہیں اس لیے اگر حاکم وقت یا اس کا نائب وہ زمین کسی دوسرے شخص کو دینا چاہے تو وہ ایسا کرسکتا ہے۔ [1]

---

[1] لما فی الهندیة: فالأرض الموات هی أرض خارج البلد لم تکن ملکاً لأحد ولا حقاً له خاصاً فلا یکون داخل البلد مواتاً اصلاً وکذا ما کان خارج البلدة من مرافقها محتطباً لأهلها ومرعی لهم لا یکون مواتاً حتی لا یملک الامام اقطاعها وکذا أرض الملح والقار ونحوها مما لا یستغنی عنها المسلمون لا تکون مواتاً حتی لا یجوز للامام ان یقطعها لأحد۔

(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۸۵ کتاب احیاء الموات)

حاکم کو تین سال تک انتظار کرنا ہوگا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومن حجر الارض ای منع غیرہ منہا بوضع علامۃ من حجر او غیرہ ثم اھملہا ثلاث سنین دفعت الی غیرہ وقبلہا ھو احق بہا وان لم یملکہا لانہ انما یملکہا بالاحیاء والتعمیر لا بمجرد التحجیر (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۸۳ کتاب احیاء الموات)[1]

لیز موجب ملک نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض دفعہ حکومت کسی بنجر قطعہ زمین کو ننانوے سال یا اس سے کم وبیش مدت کے لیے کسی شخص کو لیز یا پٹہ پر دے دیتی ہے اور اس شخص سے سالانہ یا یکمشت لیز کی رقم بصورت کرایہ وصول کرتی ہے، اور معاہدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد یہ زمین حکومت کو واپس کر دی جائے گی۔ تو کیا لیز یا پٹہ پر زمین لینے والا آدمی اس زمین کا مالک بن جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اجارہ یا لیز موجب ملک نہیں، یہ آدمی صرف اتنی مدت تک ہی اس زمین سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے جتنی مدت تک زمین لیز وغیرہ پر حاصل کی گئی ہو، مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کو واپس کی جائے گی، یہی وجہ ہے کہ لیز یا اجارہ پر زمین لینے والا شخص اسے فروخت نہیں کر سکتا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والارض بشرط ان یثنیہا ای یحرثہا او یکری انہارہا العظام او یسرقنہا لبقاء اثرہ، وکذا الارض لو لم یبق لم یفسد۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ تحت قولہ (بشرط ان یثنیہا) فان کان اثرہ یبقی بعد انتہاء العقد یفسد لان فیہ منفعۃ لرب الارض والا فلا۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۵ کتاب الاجارۃ۔ باب الاجارۃ الفاسدۃ)

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ومن حجر ارضا ولم یعمرہا ثلاث سنین اخذہا الامام ودفعہا الی غیرہ لان الدفع الی الاول کان لیعمرہا فتحصل المنفعۃ للمسلمین من حیث العشر او الخراج فاذا لم یحصل یدفعہ الی غیرہ تحصیلا للمقصود ولان التحجیر لیس باحیاء لیملکہ بہ۔

(الہدایۃ ج ۴ ص ۲۴۶ کتاب احیاء الموات)

سرکاری شاملات زمین پر کسی کے قبضے سے احیاء کا حکم

سوال :- ہمارے گاؤں کے قریب پرانی زمین ہے جو کہ ارضِ موات یعنی شاملاتِ دیہہ ہے، اب ایک آدمی جو کہ دوسرے علاقے سے آیا ہے اس شاملات زمین کا کچھ حصہ اپنے نام پر انتقال کرا لیا ہے، کیا اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شاملات زمین کا اپنے نام انتقال کرا لے، واضح ہو کہ یہ زمین گاؤں سے تقریباً ۲ کلومیٹر دور ہے، اس بارے میں شرعی حکم صادر فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- ایسی سرکاری شاملات جن سے اہلِ دیہہ کے مرافق متعلق ہوں اس کا احیاء درست نہیں ہے اور اسی وجہ سے ایسی زمین کسی کی بھی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ اسے تمام اہلِ دیہہ کے منافع اور مرافق کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اہلِ دیہہ کا اس سے مشترکہ مفاد وابستہ نہ ہو تو اس کا احیاء درست ہے مگر اس کے لیے اذنِ امام یعنی حاکمِ وقت کی اجازت شرطاً ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: اذا احيا مسلم او ذمي ارضا غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمي فلو مملوكة لم تكن مواتا فلو لم يعرف مالكها فهي لقطة يتصرف فيها الامام — وهي بعيدة من القرية اذا صاح من باقصى العامر لا يسمع بها صوته ملكها عند ابي يوسف ان اذن له الامام في ذلك وهو المختار. ان اذن له الامام في ذلك يملكها بلا اذنه الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۵ ص ۳۰۲ كتاب احياء الموات) [1]

---

[1] وفي الهندية: قال القدوري فما كان عاديًا الى قديم خرابه لا مالك له او كان مملوكًا في الاسلام لا يعرف له مالك بعينه وهو بعيد عن القرية ——— وبعد اسطر قال وملك في الموات يثبت باحياءه باذن الامام الخ

{الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۸۶
كتاب احياء الموات}

ہندوؤں کی متروکہ جائیداد پر قبضہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ۱۹۴۷ء میں علاقہ کشمیر پر مسلمانوں نے حملہ کیا جس کے نتیجہ میں کئی ہندو مارے گئے کئی روپوش ہو کر بھاگ گئے۔ بعدہٗ مسلمانوں نے ان کے مال و متاع پر قبضہ کر کے اپنے استعمال میں لائے اور ان کے مکانوں، مندروں اور گرجوں وغیرہ کی چادریں اکھیڑ کر اپنے ملک میں لائے اور یہاں مساجد کی تعمیر میں ان کو استعمال کیا۔ اب ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ ہندوؤں کے متروکہ مکانوں اور مندروں وغیرہ کی چادریں مساجد کی تعمیر میں استعمال کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے اور ایسی مساجد میں نماز باجماعت ادا کرنا نا جائز ہے، اور ان چادروں کو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے خرید بھی نہیں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسی چادریں اور اس طرح کا دیگر ساز و سامان مساجد کی تعمیر میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور ایسی مساجد عند الشریعت مسجد کا حکم رکھتی ہیں یا نہیں؟ نیز مسلمانوں کے لیے ایسی چادروں اور دوسرے سامان کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب: سب سے پہلے تو یہ بات تحقیق طلب اور قابل غور ہے کہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں نے کشمیر میں ہندوؤں پر جو حملے کیے ہیں اس کو شرعاً جہاد کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک تو کتب فقہ سے جہاد کے متعلق جو کچھ ثابت اور معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر جہاد مقرر ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کا ہو جائے اور اسلام معزز ہو اور کفر کے تمام توہمات اور رسم و رواج نیست و نابود ہوں۔ چنانچہ علماء فقہاء کرام نے وجوب جہاد کے لیے چند شرائط لکھے ہیں: اول یہ کہ مسلمان اتنی تعداد میں ہوں کہ جس سے قوت و شوکت پیدا ہو۔ دوم یہ کہ ان کا غلبہ بھی پیدا ہو۔ سوم یہ کہ ان کے لیے امن و حفاظت کی جگہ بھی ہو کہ کفار کے شر سے نجات حاصل ہو اور عند الحاجت کام آوے۔ اور اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ غلبہ کفار کو ہوگا تو اس صورت میں جہاد فرض نہیں ہے۔ "تبیین الحقائق" میں ہے: الجهاد فرض عين بشرط القدرة على القتال والسلاح والزاد والراحلة .... انتہی۔ اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے: وان كان لا يرجو الشوكة والقوة لاهل الاسلام بسبب ذلك كان لا يرجو الشوكة للمسلمين في القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة

اسی طرح درمختار، شامی اور فتح القدیر میں بھی مذکور ہے۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں ۱۹۴۷ء میں ہندوؤں پر مسلمانوں کے حملوں کو اگر جہاد کہا جاوے اور اس دوران جو کچھ املاک کتابوں بعض ہندوؤں کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے وہ مال غنیمت ہے اور اس کا ذاتی استعمال میں لانا، خرید و فروخت کرنا اور مساجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے اور وہ مساجد بہرحال شرعی مسجد ہونگی اور ان میں نمازیں پڑھنا درست ہے۔ (فقط واللہ اعلم)

گاؤں یا شہر کے قریب بنجر زمین آباد کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک قطعہ اراضی بنجر پڑا ہے جس میں گاؤں کے لوگ اپنے جانور وغیرہ چراتے ہیں اور اپنے مویشیوں کے لیے چارہ وغیرہ لاتے ہیں، اب ایک شخص تحصیلدار کی اجازت سے اس کو آباد کرنا چاہتا ہے جبکہ ایسا کرنے میں گاؤں کے لوگوں کی اکثریت کا نقصان ہے۔ تو کیا شرعاً یہ قطعہ زمین آباد کرنا جائز ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: کسی بنجر زمین کو آباد کرنا اور اس کو کارآمد بنانا ایک اچھا عمل ہے مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ گاؤں یا شہر والوں کا نقصان نہ ہو، اسی طرح وہ زمین گاؤں یا شہر کے قریب نہ ہو کہ لوگ اس سے اجتماعی طور پر نفع اٹھاتے ہوں صورت مسئولہ کے مطابق یہ بنجر زمین چونکہ گاؤں کے قریب ہے اور گاؤں والے اس کو بطور چراگاہ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس زمین کو تحصیلدار کی اجازت کے باوجود آباد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں گاؤں والوں کا اجتماعی نقصان ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: لا یجوز احیاء ما قرب من العامر ویترک مرعی لاھل القریۃ ومطرحاً لحصائدھم لتحقق حاجتھم الیھا حقیقتھا او دلیلھا علی ما بیناہ فلا یکون مواتاً لتعلق حقھم بھا بمنزلۃ الطریق والنھر۔ الخ (الھدایۃ ج۴ ص۴۹۲ کتاب احیاء الموات)

تحدید ملکیت زمین

انفرادی اور شخصی ملکیت

موجودہ دور میں معاشی اور اقتصادی مسائل کی اصلاح دو ہی اصولوں پر ممکن ہے، نظام اسلام عبث بھی ہے جب تک ہم اسلام کے عطا کردہ تجربے اور ابدی اصولوں پر عمل پیرا نہیں ہوں گے تب تک قوم و ملک ترقی کی منازل طے کرتے رہیں گے۔ ہمارے انہی زرین اصولوں سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ملک خداداد پاکستان میں محروم اور غریب پرور طبقہ کے درمیان معاشی تفاوت کی وجہ سے اقتصادی زبوں حالی پیدا ہو چکی ہے اور پورا ملک اس وقت بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ ملک کی اکثر سیاسی جماعتوں اور مفکرین نے اپنے طور پر اس کا حل نکالا کہ عارضی یا مستقل طور پر ملکیت زمین کی تحدید کر دی جائے اور اس کو قانونی شکل دینے کے لیے کوششیں بھی کی گئیں جس پر علماء کرام نے محسوس کیا کہ اس موقف پر شرعی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی جائے۔ جو حضرت دارالعلوم حقانیہ کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ نے "تحدید ملکیت زمین کے دلائل کا ایک جائزہ" کے عنوان سے ایک جامع مضمون لکھا جس میں اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے "انفرادی اور شخصی ملکیت" کے عنوان سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ ماہنامہ الحق نے ان پر دو گرانقدر مقالات کو شائع کیا، جنہیں اب افادۂ عام کے لیے قارئین کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے مقالات کی جلد میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

اس احتمال کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ ملکیت شخصی ثابت ہی نہیں ہوئی تھی، جبکہ تحدید ملکیت میں تو شخصی ملکیت کا ازالہ ہوتا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ واپسی تقسیم کے بعد ہوئی، جیسا کہ بخاری کی روایت "ما كنت استأنيت بكم" سے مفہوم ہوتا ہے تو اس سے بھی حاکمانہ اور جبری طور پر ملکیت چھین لینے یا اسے محدود کر دینے کا جواز نہیں نکالا جا سکتا، اس لئے کہ یہاں واپسی طیب خاطر یعنی پوری رضا و رغبت سے ہوئی تھی اور اس طیب خاطر کی پوری رعایت اور تحقیق کر کے ایسا کیا گیا۔ اور ایسی واپسی اب بھی بالاجماع جائز ہے۔

پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اکثر مجاہدین نے قیدیوں کو مفت واپس کیا اور جن افراد مثلاً اقرع بن حابس اور عیینہ اور ان کی قوم نے مفت واپس کرنے سے انکار کیا (البدایۃ والنہایۃ ص ۳۵۳ ج ۴) اور انہیں معاوضہ دینے کا وعدہ کیا گیا تو وہ عوض بھی قیمت اور ثمن نہیں تھا کیونکہ اس وعدہ میں نہ ثمن کی مقدار معلوم تھی اور نہ اجل متعین تھا اور شریعت میں ایسی خرید و فروخت جائز ہی نہیں جس میں نہ قیمت معلوم ہو نہ ادائیگی کی میعاد، یہاں تک کہ اس معاملہ میں تو ثمن کی ادائیگی اور اس کا تحقق بھی غیر یقینی تھا، جس پر بخاری کے یہ الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ "ومن احب منكم ان يكون على حظه حتى نعطيه اياه من اول ما يفيئ الله علينا فليفعل" (یعنی تم میں سے جو چاہے کہ اگر ہمیں اللہ نے مال غنیمت دیا تو اس سے کچھ دیا تو انہیں ان کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔) ان الفاظ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ پس اس حدیث سے بھی تحدید ملک یا تبدیل ملک کا استدلال غیر صحیح ہے۔

۵۔ پانچویں دلیل تحدید ملکیت کے لئے فقہاء کرام کے قاعدہ "يتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" کو پیش کی گئی ہے یعنی کسی عام ضرر کے ازالہ کی خاطر ضرر خاص برداشت کیا جائے، لیکن اس قاعدہ سے بھی تحدید ملکیت کے جواز کا استنباط درست نہیں، کیونکہ اس ملک میں ہر بے زمین شخص کو تو تکلیف اور مصیبت لاحق نہیں ہوتی، لاکھوں لوگ جو زمین کے مالک نہیں ہیں، مگر نہ تنگ ہیں نہ مجبور ہیں بلکہ دیگر ذرائع کی وجہ سے آسودہ حال ہیں۔ تاہم ضرر عام اگر موجود ہے تو دونوں طرف ہے اور دونوں صورتوں میں ہے۔ البتہ لا ابالی قسم کے وہ لوگ ہیں جو شکست خوردہ اقوام اور نظریات سے متاثر ہیں اور غالباً ان کے دلوں میں حلال و حرام کی تمیز اور آخرت کا احساس نہیں، مذہب ان کے نزدیک ثانوی حیثیت کا حامل ہے، پیٹ

بقیہ: تحدید ملکیت زمین کے مسائل سے مذہب کا خاطر خواہ تعلق نہیں تاہم یہ کہ اس شر و فساد
کے زمانہ میں جبکہ حکام و امراء عموماً بے دین خائن اور بددیانت ہوتے ہیں۔ مفاد پرستی، رشوت
ستانی، سفارش اور اقربا پروری ان کا شیوہ ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو اراضی کی تحدید اور تصرف
کی باگ ڈور سپرد کر دینا درحقیقت قوم اور ملک کی تباہی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر
بیت المال اور اوقاف کے حکام پر خیانت کے اثرات ظاہر ہونے لگیں تو انہیں مسلمانوں
کے اموال مصادرہ کرنے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس طرح کرنا حکام کو حرام خوری اور
خیانت کا دروازہ کھول دینا ہے۔ (در مختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۳۸۵)

الغرض تحدید ملکیت کے جواز میں جہاں دینی و ملی لحاظ سے بے شمار فتنوں اور اقتصادی
و مالی لحاظ سے بے شمار حق تلفیوں اور بددیانتیوں کا خطرہ ہے تو کیوں بے احتیاطی سے کام لے کر
فتنوں کا دروازہ کھولا جائے۔ لہٰذا تحدید ملکیت کے جواز یا حکومت کو اس کا حق دینے کا
فتویٰ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اور میرا اس سے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔

محمد فرید خادم دار الافتاء دار العلوم حقانیہ

انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبۂ نصح و خیر خواہی کی بناء پر "جماعت اسلامی" سے ایک گزارش کرنی ہے جو کسی
قومی و ملی مہم پر حکمت عملی کا سہارا لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ
میں "کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع
اور طریقے بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں" مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برتری کی خاطر
جماعت نہ صرف یہ کہ طریق کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو
سیاست کے خراد پہ چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے
آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سو اور دو سو ایکڑ
کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ... بیگھ تک محدود کر دی گئی ہے۔ وہ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ
"غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے
متصادم نہ ہوں" قطع نظر اس بات کے کہ شریعت کو مذکورہ تا عادی حالات اور غیر معمولی
تدابیر پر منطبق ہوتی ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے تو زمین کے بارہ
میں کسی قسم کی تحدید نہیں کی ہے اور نہ وہ دیگر ذرائع و اموال میں انفرادی اور شخصی ملکیت کی کسی قسم کی
حد بندی گوارا کرتی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے جتنی بھی ملکیت حاصل کی جائے شریعت نہ
صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و
شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان
کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی
مسئلہ میں تحریف اور تحدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیت سے نہیں روکتا البتہ وہ
مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت

ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے یعنی زکوٰۃ و عشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانون میراث تحدید ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر ان تحدیدوں کو محدود جانے کا یہ ملصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشرہ کی حق تلفی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسے سے نہیں روک سکتے۔

حکمتِ عملی کی پالیسی ایسے حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قینچی چلا کر قسادہ کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہرحال اپنی جگہ رہے گا۔ جماعت اسلامی اسے ہماری ناعاقبت اندیشی سمجھے یا کچھ اور ہم تو اس حکمتِ عملی کو بہرحال دین کے لئے زہر قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیت زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے "غیر متصادم" قرار دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو معاملہ صاف ہو، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی چاہا اس نے کسی چیز کا اصول اور پھر جب چاہا تو "اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم" کا فتویٰ لگا کر اسی اصول کو حکمتِ عملی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصولِ اسلام کی اس بے دردی سے پامالی۔ جنگ آزادی میں جمہوریت اور سیاسی نظام کو بدعت اور ضلالت کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت کی امارت اور حکومت کو ہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، پھر یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا۔ قوالی جدید کو خلاف شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلہ روزانہ رہن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر بڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیق جادۂ منزل بنایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں کود کر دے

عارضی کہا گیا) ایک ایسا موقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ بنا رہا تھا کا ملتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا معلوم نہیں جماعت کے علماء دین اس سے اجتہاد اور حکمت عملی کی کیا توجیہ کریں، تاویل جو بھی کریں مگر یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ فلاں فلاں جماعتوں نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آسکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں۔ ایسی بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر یہ تو ایک ایسا جرم ہے کہ ؏ در شہر شمار روز کنند — اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس موقف کو قابل تسلیم قرار دیا ہے۔ تعدیل صحابہؓ اور دیگر علمی و فقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں[1] کے بارہ میں جماعت کا یہی عذر گناہ سامنے آچکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب رہا ملکیت شخصی کو سلب کرنا یا اسے محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد | تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے لہٰذا نہ تو اس کی تحدید کی جا سکتی ہے اور نہ عصر حاضر کے مادی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے آیت (ولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون) میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہر ثبت کر دی ہے اور قرآن کی بے شمار آیتیں اس جملہ فھم لھا مالکون (پس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے کھینچتے ہیں کاٹ

---

[1] مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ مسلمان ہیں نہ کافر (رسائل)

کر اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور ان مقصداً اللہ نے خود یورثہا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے۔ قل اللّٰھم مالک الملک کے ساتھ تؤتی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذھب والفضۃ کے ساتھ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی ملکیت کا اعلان کر رہی ہے۔ بلکہ وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، اعتاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، دین، قرض، صدقہ، وصیت، میراث وغیرہ اس تصرف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست درازی سے بچنے کو ایمان کی دلیل علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ (الحدیث) (خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں)" ارشاد نبوی ہے"

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت | جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی خرابیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ اشتراکیت کے ہوتے ہوئے بالآخر نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پامالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رب سے فکر اور یقین سے محروم ہو جاتے بلکہ پوری قوم چند خود غرض اور مفسدوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے۔ اسلام کے مذکورہ تمام اصولوں کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحے کے لئے فرض کر لیں کہ سوشلزم آجاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حق ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت

اور وسائل معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اس کے
تمام حقوق دلا دے گی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشروں سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان
سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرے سے ہو جس کا خشت
نمونہ روس اور چین میں بدعنوان ممبروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا عمل و مقصد اس پیداوار کی
کے ہاتھوں میں ہو جو وسائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اسے تو سیلاب
بھی کر دیتی ہے اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے نا اہل و ناحل ختم کر دیتی ہے ـــــ
تو خدارا ذرا سوچیے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و
جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم کر سکے گا ـــ ؟ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تو خالص
کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوف خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبۂ آخرت کی، اور نہ کسی تنقید
اور نصیحت کی۔

مساوات یعنی مواسات کا حصول بذریعہ احتساب | اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو
ایک ایسا معاشرہ تعمیر کرتا ہے جو ہر جگہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت
کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غضب اور ہر بدی سے
روکنے کا جذبہ ہوتا ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہاں اگر اسلامی
قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مر جانے کی خبر سنتا ہے تو
اللہ کے سامنے جوابدہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس
کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبۂ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا
ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ
مواسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بنیادی سے حل کرنا
چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا، خلافت راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم گھر گھر کا بھیدی | دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی

اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی ہی میں دھڑام سے گرتی نظر آنے لگی ہے۔ تاریخ
کی اس مادی تعبیر پر تازہ ہتھوڑا تو حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برژنیف نے یہ کہہ کر رسید کیا
کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہو چکا ہے، اور اس طرح تشہد شاہد من اهلها
کا ایک نمونہ سامنے آ گیا ــــ غرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی ہر گتھی کے سلجھانے کے لئے
اسلام جیسا نسخۂ کیمیا موجود ہے، مگر افسوس اور صد افسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا
نہ پرکھا ورنہ کبھی اتنا [illegible]۔

ہاتھوں نہ دید نہ حقیقت ہوا افسانہ زدہ

<u>سوشلزم عیار لیڈروں کا دام فریب</u> | ہماری بے علمی اور حقیقت سے بے خبری
سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ بیچارے عوام
اسے اپنی ساری بیماریوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے
غافل ہو گئے کہ جو سراب کہیں گلا کم پہنچا کر رہی سہی پونجی سے بھی انہیں محروم کر دے گا۔ بات
ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کا ختنہ کراتے
وقت عموماً بچے کو ادھر ادھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور ختنہ کا عین موقعہ ہو تو کہتے
ہیں وہ دیکھو سونے کی چڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے۔ بچہ شوق
سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم
کی مثال اسی "سونے کی چڑیا" کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب فائدہ اٹھا
رہے ہیں ــــ (از [illegible])

✤

کتاب المزارعت

(مزارعت کے احکام و مسائل)

مزارعت کی چند صورتیں

سوال:۔ ہمارے معاشرہ میں علاقائی سطح پر مزارعت کی مختلف صورتیں پائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں مالک زمین کو تخم کھیتی باڑی یا دوسرے اخراجات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ کیا شرعی نقطۂ نظر سے مالک زمین پر یہ ذمہ داری عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مزارعت کا معاملہ ظاہر الروایۃ کی رُو سے تین صورتوں میں جائز ہے:۔

(۱) زمین اور تخم ایک طرف سے ہو اور بیل و عمل (محنت) دوسری طرف سے۔

(۲) زمین ایک طرف سے اور عمل و گائے و تخم دوسری طرف سے۔

(۳) زمین، بیل اور تخم ایک طرف سے اور عمل (محنت) دوسری طرف سے۔

ان جملہ تین صورتوں میں مزارعت کا معاملہ شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامۃ ابوالحسین احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: اذا کانت الارض والبذر لواحد والعمل والبقر لواحد جازت المزارعۃ وان کانت الارض لواحد والعمل والبقر والبذر لآخر جازت المزارعۃ وان کانت الارض والبذر والبقر لواحد والعمل لآخر جازت۔ (مختصر القدوری کتاب المزارعت ص۲۰۸)[1]

فصل کی کٹائی کی ذمہ داری کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں مالک زمین کسان (مزارعہ) پر دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ فصل کے تیار ہونے پر کاٹ کر صفائی کر کے مالک کے گھر پہنچائے گا کیا

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (و) لکن (ان صحت) و (لو کان الارض والبذر لزید والبقر والعمل للآخر) او (الارض له والباقی للآخر) او (العمل له والباقی للآخر) فهذه الثلاثة جائزة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۷۵ کتاب المزارعۃ) ومثله فی الهدایۃ ج۴ ص۳۹۶ کتاب المزارعۃ۔

کسان (مزارعہ) کیلئے ان شرائط کی پابندی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ظاہر الروایۃ میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود متاخرین علماء نے عرف کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کو اختیار کرکے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ کسان (مزارعہ) پر فصل کاٹنے اور تیار کرنے کی ذمہ داری ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فصل کو مالک زمین کے گھر پہنچانے کی ذمہ داری کی نشاندہی عام کتابوں میں نہیں ملتی البتہ اگر کسان بطور احسان یہ فریضہ سرانجام دے تو ایسا عمل طرفین کے باہمی تعلقات پر اچھے اثرات مرتب ہونے کا باعث بنتا ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: (وصح اشتراط العمل كحصاد ودياس ونصف على العامل وعند الثاني على العامل وهو الأصح) وعليه الفتوى۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۱۸۴ كتاب المزارعة) لہ

کسان (مزارعہ) کا مالک زمین کی اجازت کے بغیر فصل سے کچھ لینا

سوال:۔ مالک زمین کی اجازت کے بغیر کسان فصل سے کوئی چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی بعض چیزیں بوقت ضرورت گھر لے جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مزارعت سے مراد اگر بٹائی کا نظام (مزارعت بالنصف وغیرہ) ہو تو مالک زمین کاشتکار کے ساتھ شریک ہے اور شراکت میں بغیر اجازت شریک کے کوئی چیز بھی اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں سمجھو تاہم کسی معمولی چیز جس کی عرف میں اجازت ہو، استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ اور اگر مزارعت سے مراد اجارہ ہو تو تمام آمدنی کسان کی ہوتی ہے اس لیے مالک زمین سے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

لہ قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (قوله) تبعص من ظن الزيلعي صحة اشتراط العمل على العامل وبه صرح في متن التنوير والملتقى۔

(تنقيح الحامدية ج۲ ص۲۳۵ كتاب المزارعة)

ومثله في تبيين الحقائق ج۵ ص۲۸۲ كتاب المزارعة۔

لما رواه الامام علی بن عمر الدارقطنیؒ : عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیئ الا ما طابت به نفسه . انتهی

(سنن الدار قطنی ج۳ ص۲۵ رقم ۸۹ کتاب البیوع) [1]

کاشتکار سے بطور ضمانت کچھ رقم رکھنا

سوال :۔ اگر مالک زمین کاشتکار سے کچھ رقم بطور زر ضمانت اپنے پاس رکھے تاکہ کاشتکار معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرسکے اور مالک زمین بے جا نقصان سے بچ سکے، شرعاً زمین کے مالک کے اس اقدام کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب :۔ مالک زمین کے لیے بطور اعتماد کوئی چیز رکھنے کے جواز کے نظائر موجود ہیں تاہم شرعی رو سے یہ زمین رہن شمار ہوگی جس سے مرتہن (مالک) مرہونہ سے استفادہ کا حق نہیں رکھتا، عموماً کچھ رقم بطور ضمانت رکھ کر مالک زمین اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے جس کا اسے شرعاً حق نہیں۔

لما قال العلامة قاضی خانؒ : ولو استاجر خیاطاً لیخیط له ثوباً واخذ من الخیاط رهناً بالخیاط جاز . انتهی (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیه ج۲ ص۳۹۴ کتاب المزارعة) [2]

مزارعت پر موت کے اثرات

سوال :۔ مزارعہ کی وفات پر اگر اولاد عقد مزارعت کو باقی رکھنا چاہتی ہو لیکن مالک زمین اس پر راضی نہ ہو تو کیا اس صورت میں مزارعہ کے ورثاء کو منوانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

---

[1] لما ذکر الشیخ ولی الدین ابو عبد الله محمد بن عبد الخطیبؒ : وعن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه ۔ (مشکوٰة المصابیح ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعاریة ، الفصل الثانی)

ومثله فی نصب الرایة ج۴ ص۱۶۹ کتاب الغصب۔

[2] وفی الهندیة : ولو استاجر خیاطاً لیخیط له ثوباً واخذ من الخیاط رهناً بالخیاط جاز۔

(الفتاوی الهندیة ج۴ ص۴۲۵ الفصل الثالث فیما یجوز للاوقات الخ)

ومثله فی شرح مجلة الاحکام لشیخ سلیم رستم باز ص۲۸۲ تحت مادة ۷۰۱

الجواب:۔ عاقدین میں سے کسی ایک کی وفات سے مزارعت کا معاہدہ ختم ہوجاتا ہے تاہم جو فصل زمین میں موجود ہو تو اس کے پکنے تک انتظار کرنا ہوگا البتہ اگر مزارع کے ورثاء فصل کو چھوڑنا چاہتے ہوں یا چھوڑنا چاہتے ہوں تو ان کو اس کے خلاف پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: بخلاف ما لو مات رب الارض والزرع بقل فان العمل فيه جميعاً على العامل أو ورثته لبقاء مدة العقد والعقد يوجب على العامل عملاً يحتاج اليه في انتهاء الزرع كما مر ولو مات قبل الزرع بطلت ونحوه لكن بعد تمامه (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۲۸۱، ۲۸۲ كتاب المزارعة)۔ له

قدیم قبرستان میں زراعت کا حکم

سوال:۔ ایک قدیم قبرستان جس پر ۱۰۰ سال سے زائد مدت گزر گئی ہے اور اس میں قبریں بھی دکھائی نہیں دیتیں ہیں تو کیا ایسے قبرستان سے دوسرے فوائد مثلاً زراعت وغیرہ لیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی قبرستان کی قدامت کے لیے مدت کا کوئی تعین نہیں ہے تاہم فقہاء کرام کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب قبریں اتنی پرانی ہوں کہ مردوں کے ابدان بظاہر اس سے متاثر نہ ہوتے ہوں تو اس صورت میں ایسے قبرستان کا دوسرے

له لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفيؒ: (وتبطل بموت احدهما) لانها اجارة وهي تبطل بموت احد المتعاقدين اذا عقدها لا نفسهما وقد بيناه في الاجارة وهذا على اطلاقه هو جواب القياس وفي الاستحسان اذا مات احدهما وقد نبت الزرع يبقى عقد الاجارة حتى يستحصد ذلك الزرع ثم تبطل في الباقي لان في ابقاء العقد حتى يستحصد مراعاة الحقين فيعمل العامل أو ورثته على حاله فاذا حصد يقسم على ما شرطا ولا ضرورة في الباقي فتبطل ولو مات رب الارض قبل المزارعة بعد ما كرب الارض وحفر الانهار انتقضت المزارعة لانه ليس في ذلك اتلاف مال على المزارع ولا شيء للعمل بمقابلة العمل۔ انتهى (تبيين الحقائق ج ۵ ص ۲۸۱ كتاب المزارعة)۔

ومثله في البحر الرائق ج ۸ ص ۱۶۲ كتاب المزارعة۔

مقاصد کے لیے استعمال کیا جائز ہے اگر دوبارہ اس میں مُردے دفن کیے جائیں تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر قبرستان ذاتی ہو تو اپنے حصے میں آباد کرنا یا زراعت کے لیے استعمال کرنا بھی مرخّص ہے۔

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علی الزیلعیؒ: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه۔ (تبیین الحقائق ج۵ ص۲۴ کتاب المزارعة)[1]

افیون کی کاشت کا حکم

سوال: افیون کی کاشت کا شرعی نقطۂ نظر سے کیا حکم ہے؟

الجواب: افیون ایک ایسی چیز ہے جس سے عصرِ حاضر میں خطرناک اور مہلک ترین منشیات (یعنی ہیروئن وغیرہ) تیار کی جاتی ہیں جس سے پوری دنیا تباہی اور بربادی کے لپیٹ میں ہے اور اس کے مُضر محض ہونے پر پوری دنیا متفق ہے، اس لیے اس کی کاشت اور خرید و فروخت کے جواز کے کوئی خاص دلائل نہیں پائے جاتے بلکہ عام اقوال اس کی حرمت کے مؤید ہیں۔ تاہم اگر افیون کا استعمال دوائی تک محدود ہو یا تخم افیون (خشخاش) حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر ان ضروریات کے مطابق محدود پیمانے پر اس کی کاشت کی گنجائش پائی جاتی ہے لیکن معاشرہ میں یہ نیت بہت کم پائی جاتی ہے۔

لما قال العلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ: ویحرم أكل البنج والحشیشة والأفیون لكن دون حرمة الخمر۔ (تنویر الأبصار على صدر رد المحتار ج۶ ص[illegible] كتاب الأشربة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره وزرعه والبناء علیه۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۹۵ كتاب المزارعة)
ومثله فی الهندیة ج۵ ص[illegible] كتاب المزارعة۔

[2] قال العلامة شیخ الإسلام ابوبکر بن علی الحداد الیمنیؒ: ولا یجوز أكل الحشیشة والأفیون وذلك كله حرام۔ (الجوهرة النیرة ج۲ ص[illegible] كتاب الأشربة)
ومثله فی الفتاوىٰ الكاملیة ص۲۷۲ كتاب الأشربة۔

تمباکو کی کاشت جائز ہے

سوال:۔ سگریٹ یا نسوار کے لیے جو تمباکو استعمال ہوتا ہے شرعی نقطۂ نظر سے اس کی کاشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بعض فوائد کے باوجود جدید تحقیق کی رو سے اگرچہ تمباکو نوشی کے مضرات پائے جاتے ہیں لیکن کسی نتیجہ پر پہنچنا ابھی ثابت نہیں جس کی وجہ سے اس کو مضر شمار کر کے محرمات کی فہرست میں شمار کیا جائے، کیونکہ فقہاء کے اقوال سے اباحت کا حکم معلوم ہوتا ہے، درپیں حالات تمباکو کی کاشت اور خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ (شرب الدخان) فانه لم یثبت اسکاره ولا تفتیره ولا اضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحة۔

(رد المحتار ج۵ ص۲۹۵ کتاب الاشربة) [1]

بھنگ کی کاشت کا حکم

سوال:۔ بھنگ ایک نشہ آور بوٹی ہے جس کا بظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، کیا اس کی کاشت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھنگ چونکہ نشہ آور اشیاء کی فہرست میں شامل ہے اس لیے اس کی خرید و فروخت اور مزارعت شرعاً ناجائز ہے۔

لما قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: ویحرم اکل البنج والحشیشة والافیون لکن دون حرمة الخمر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۹۴ کتاب الاشربة) [2]

---

[1] قال العلامة المفتی محمد کامل بن مصطفی الطرابلسیؒ: وقد حقق المتأخرون من اهل مذهبنا الحنفیة انه (شرب الدخان) لیس بحرام وانما تعتریه الکراهة وقد قال الحسن ما قیل فیه قول الامیر رحمه اللہ و تختلف فی الدخان والورع ترکه۔ (الفتاوی الکاملیة ص۲۸۶ کتاب الکراهیة۔ مطلب فی حکم شرب الدخان)

[2] قال العلامة شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی الیمنیؒ: ولا یجوز اکل البنج والحشیشة والافیون وذلک کله حرام۔

(الجوهرة النیرة ج۲ ص۲۵ کتاب الاشربة)

ومثله فی الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۳۳۲ کتاب الاشربة۔

مزارع کی طرف سے تخم کے باوجود مالکِ زمین کا اس پر کھاد وغیرہ کے اشتراط سے مزارعت کا حکم

سوال:۔ اگر مالکِ زمین (رب الارض) کاشتکار (مزارع) پر کھاد وغیرہ امور کی اشتراط کرے جبکہ تخم (بیج) بھی کاشتکار کی طرف سے ہو تو کیا ان امور کے اشتراط کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مزارعت میں جب تخم (بیج) مزارع کی طرف سے ہو تو کھاد جیسے امور کی اشتراط علی المزارع کی وجہ سے مزارعت فاسد نہیں ہوتی بلکہ متاخرین فقہاء کرام کے نزدیک صحیح ہوتی ہے اور فتویٰ بھی متاخرین فقہاء کے قول پر ہے۔

وفی الهندیة: اذا شرط رب الارض والبذر من المزارع ان یسرقنها قیل تفسد المزارعة عند المتقدمین ولا تفسد عند المتاخرین والفتوی علی قول المتاخرین. کذا فی جواهر الاخلاطی۔

{ الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۴۳ کتاب المزارعة
الباب الثالث فی الشروط فی المزارعة }

ھدایہ کی ایک عبارت کی وضاحت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ھدایہ کی اس عبارت "لا تجوز المزارعة وانما تان عند ابی حنیفة" کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مزارعت کی جملہ انواع نا جائز ہیں؟ جبکہ احادیث مبارکہ مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

الجواب:۔ مزارعت کے مسئلہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف جتنے بھی اقوال منسوب ہیں اگر ان میں تطبیق سے غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ امام ابوحنیفہؒ کا ان اقوال سے مقصد مطلق عدم جواز کا نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ کوئی مالکِ زمین کاشتکار کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور ان کی محنت کو شیرِ مادر سمجھ کر ہڑپ نہ کیا جائے اسی طرح باہمی تنازعات اور جھگڑوں سے معاشرہ پاک وصاف ہو کیونکہ معاشرے میں جھگڑے عموماً اسی کی پیداوار ہوتے ہیں اور یہی کمال ہے کہ مالکِ زمین عزیمت پر عمل کر کے اپنی زمین کسی غریب آدمی کو کاشت کیلئے مفت دیدے ـــ اسلئے علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے حاوی القدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے: کرهها ابو حنیفةؒ ولم ینه اشد النهی۔

(فیض الباری ج۳ ص۲۲۵ کتاب المزارعة)

چشمہ کے پانی سے منع کرنے کا حکم

سوال:- ہمارے گاؤں موضع عکن ملکوٹ تحصیل وضلع ایبٹ آباد میں پینے کے صاف پانی کی سخت قلت ہے ہماری خواتین کو چار گھنٹے دور سے پانی لانا پڑتا ہے جبکہ راستے ہی کا فاصلہ پر سرکاری جنگل میں پانی وافر مقدار میں نالے میں بہہ رہا ہے۔ ہم نے کوشش کرکے گورنمنٹ سے ایک سکیم منظور کرائی اور گاؤں کو پانی سپلائی کرنے کے لیے باقاعدہ ٹینکی تعمیر کرکے پائپ لائن بچھانے کا کام شروع کر دیا، ساتھ والے گاؤں کے لوگوں نے آکر ٹینکی توڑ دی اور پائپ لائن بھی اکھاڑ دی۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اس جنگل پر ہمارے حقوق زیادہ ہیں اس لئے ہم اس کا پانی آپ لوگوں کو نہیں دیں گے جبکہ پانی وافر مقدار میں بہہ کر دوسرے دریا میں گرتا ہے یہ پانی اس گاؤں والوں کے نہ تو پینے کے کام آتا ہے اور نہ ہی وہ اس سے اپنی زمینیں سیراب کرتے ہیں۔ یہ لوگ صرف اور صرف ضد پر قائم ہیں۔

جناب عالی! قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں ہمیں اس مشکل سے نکالیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب:- پانی، آگ اور گھاس سب مشترکہ اموال ہیں، کوئی بھی شخص کسی کو ان سے منع نہیں کر سکتا، تاہم جو اس پانی کے قریب ہو اولاً اس کا حق ہے اور جو اس سے زائد ہو وہ دوسرے لوگ بغیر اس کی اجازت کے استعمال کر سکتے ہیں، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو اس کے استعمال سے منع کرے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق سرکاری جنگل کا پانی آپ سب لوگوں کا مشترکہ پانی ہے، ساتھ والے گاؤں کے لوگوں کا اس سے منع کرنا بے انصافی اور ناجائز ہے، ان کو شرعاً یہ حق نہیں کہ وہ آپ لوگوں کو اس پانی کے استعمال سے منع کریں۔

لما في الهندية: ماء البحر ولكل واحد من الناس فيها حق الشفعة وسقي الاراضي حتى ان من اراد ان يكري نهراً منها الى الارض لم يمنع من ذلك ۔۔۔۔۔ والثاني ماء الاودية العظام كجيحون وسيحون ودجلة والفرات للناس فيه حق الشفعة على الاطلاق وحق سقي الاراضي بان احيى واحد ارضاً ميتة وكرى منه نهراً ليسقيها ان كان لا يضر بالعامة ولا يكون نهراً في ملك احد فهي مباحة في الاصل ۔۔۔۔۔ والاصل فيه قوله عليه السلام الناس شركاء في ثلاث في الماء والكلاء والنار۔

(الهندية ج۵ ص۳۹۲ مسائل الشرب)

كتاب
الذبائح
والصيد

ولا تاكلوا مما لم يذكر
اسم الله عليه وانه لفسق

واذا حللتم
فاصطادوا

کتاب الذبائح

(ذبح کرنے کے احکام و مسائل)

ذبح کے لیے اللہ کا نام لینا ہی کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص کوئی جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کی بجائے دوسرے ایسے کلمات ذکر کرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں استعمال ہوتے ہوں تو کیا اس سے ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذبیحہ کی حلت کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا کافی ہے جس کی تخصیص مذکورہ بالا کلمات سے نہیں بلکہ ہر ان کلمات سے ذبح کرنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دال ہوں۔

لما قال العلامة التمرتاشيؒ: (والشرط في التسمية هو الذكر الخالص عن شوب الدعاء وغيره) فلا يحل بقوله اللهم اغفرلي لانه دعاء وسؤال (بخلاف الحمد لله وسبحان الله مريدا به التسمية) (تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج ۵ ص۲۰۳ كتاب الذبائح)

معاون ذابح کے لیے تسمیہ کا حکم

سوال:۔ ذبیحہ کی حلت کے لیے اگرچہ ذابح کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص ذابح سے تعاون کرے یا ہاتھ لگائے تو کیا اس کے لیے بھی ذابح کی طرح تسمیہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے تسمیہ ترک کرنے سے ذبیحہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ اگر معاون کی حیثیت اس درجہ کی ہو کہ ذابح کا کردار اس کے بغیر مکمل نہ ہو پاتا ہو مثلاً چھری ہاتھ میں لے کر ذبح کرنے میں دونوں شریک کار رہیں تو ہر ایک کے لیے تسمیہ کہنا ضروری ہے اور ہر ایک مستقل ذابح شمار ہوگا۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: وفيها اراد التضحية فوضع يده مع يد القصاب

له وقال الشيخ الامام ابو بكر بن علي الحداديؒ: وان قال بسم الله الرحمن الرحيم فهو حسن والشرط هو الذكر الخالص المجرد على ما قال ابن مسعود جردوا التسمية ...... ولو قال سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله يريد التسمية اجزأه لان المأمور به ذكر الله على وجه التعظيم۔ (الجوهرة النيرة ج ۲ ص۱۷۶ كتاب الذبائح)

فی الذبح واما انه علی الذبح حتی کل وجوباً فلو ترکہا احدھما وظن ان تسمیۃ الاٰخر تکفی حرمت۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۲ کتاب الاضحیۃ) ؎۱

ذبح فوق العقدہ کا حکم

سوال :۔ شریعت مقدسہ میں ذبح فوق العقدہ کا کیا حکم ہے، اور اس سے جانور کی حلت وحرمت پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟

الجواب :۔ ذبح میں اصل چیز حلقوم، مری اور دو رگوں کا کاٹنا ضروری ہے جو عقدہ کے نیچے جمع ہوتے ہیں اس لیے تحت العقدہ ذبح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ تاہم اگر ماہرین ذبح یہ کہیں کہ یہ اعضاء عقدہ کے اوپر کٹ جاتے ہیں تو بلا شبہ جانور حلال ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ ذبح تحت العقدہ ہو۔

لہ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: والذبح بین الحلق واللبۃ وفی الجامع الصغیر لا باس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ۔

(الہدایۃ ج ۴ ص ۴۳۴ کتاب الذبائح) ؎۲

کسی جانور کا حرکت کرنا یا خون نکلنا باعث حلت ہے

سوال :۔ اگر کسی جانور میں بظاہر زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے ہوں لیکن ذبح کرنے کے بعد اس سے خون نکل آئے یا وہ حرکت کرے تو کیا اس سے وہ جانور حلال تصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ جب کسی جانور میں ظاہری علامات حیات مفقود ہوں لیکن بوقت ذبح

؎۱ لما قال العلامۃ اشرف علیؒ: رجل اراد ان یضحی فوضع صاحب الشاۃ معہ یدا ففی الذبح واعانہ علی الذبح حتی صار ذابحا مع القصاب۔ قال الشیخ الامام رحمہ اللہ تعالیٰ یجب علی کل واحد منہما التسمیۃ حتی لو ترک احدھما التسمیۃ لاتحل الذبیحۃ۔

(الفتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ۳ ص ۳۵۲ کتاب الاضحیۃ۔ فصل فی مسائل متفرقہ)

؎۲ قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وذکاۃ الاختیار ذبح بین الحلق واللبۃ بالفتح: المنحر من الصدر (وعروقہ الحلقوم) کلہ وسطہ او اعلاہ او اسفلہ وھو مجری النفس۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۴ کتاب الذبائح)

ومثلہ فی العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۸ ص ۴۱۲ کتاب الذبائح۔

حرکت کرے یا اتنا خون نکل آئے جتنا کہ زندہ جانور سے نکلتا ہو تو اس کی زندگی کے لیے یہ علامت کافی ہے اور اس سے یہ جانور حلال سمجھا جائے گا۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفي: ذبح شاة مريضة فتحركت أو خرج الدم حلت وإلا لا إن لم تدر حياته. قال ابن عابدين: وقوله أو خرج الدم أي كما يخرج من الحي۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۰۸ كتاب الذبائح)[۱]

بوقت ذبح جانور کا سر تن سے جدا کرنا مکروہ ہے

سوال: ذبح کرتے وقت اگر ذابح سے جانور کا سر کٹ جائے تو کیا اس سے مذبوحہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ذبح کرتے وقت ذبیحہ کا سر کٹ جانے سے ذبح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کا گوشت حلال اور کھانے کے قابل ہے، تاہم جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل اس کا سر کاٹنا بوجہ غیر ضروری تعذیب کے کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال الامام ابو الحسين احمد بن محمد البغدادي: ومن بلغ بالسكين النخاع وقطع الرأس كره له ذلك وتؤكل ذبيحته۔ (مختصر القدوري ص۲۶۰ كتاب الذبائح)[۲]

بوجہ حادثہ سر کٹنے کے بعد جانور کا حکم

سوال: اگر کسی جانور کا سر کسی حادثہ میں تن سے جدا ہو جائے تو باقیماندہ بدن پر چھری پھیرنے سے یہ جانور حلال ہوگا یا نہیں؟

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: رجل ذبح شاة أو بقرة وتحركت بعد أن خرج منها دم مسفوح تحل وكذا إن تحركت ولم يخرج الدم أو خرج الدم ولم تتحرك ... وفي شرح الطحاوي وخروج الدم لا يدل على الحياة إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۱۳ كتاب الذبائح)

ومثله في الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۰۵ كتاب الذبائح۔

[۲] لما قال الامام عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي: ويكره أن يبلغ بالسكين النخاع أو يقطع الرأس وتؤكل۔ (الاختيار لتعليل المختار ج۵ ص۱۰ كتاب الذبائح)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۶ ص۲۹۶ كتاب الذبائح۔

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق سر کٹنے کے بعد وہ رگیں اگر باقی ہوں جن کو کاٹنے سے جانور حلال ہوتا ہو تو یہ جانور حلال ہوگا صرف چھری پھیرنا کافی نہیں۔

لما قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: ولو انتزع الذئب رأس الشاۃ وبقیت حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین وقیل.... شاۃ قطع الذئب اوداجھا وھی حیۃ لا تذکی لفوات محل الذبح۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۱۲ کتاب الذبائح)[1]

دانت یا ناخن وغیرہ سے ذبح کا حکم

سوال: اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ حلال جانور قریب المرگ ہو اور چھری وغیرہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے مردار ہونے کا خطرہ ہو تو کیا دانت، ناخن یا کسی تیز دھار پتھر سے جانور کا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی ہنگامی حالت میں چاقو یا چھری دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ناخن، دانت یا تیز دھار پتھر وغیرہ سے جانور کا ذبح کرنا صحیح اور درست ہے بشرطیکہ ناخن اور دانت نکلے ہوئے ہوں ورنہ انگلیوں میں جڑے ہوئے ناخن یا منہ کے دانتوں سے جانور ذبح کرنا جائز نہیں، لیکن انسان کے قابلِ احترام اجزاء ہونے کی وجہ سے نکلے ہوئے دانتوں یا ناخنوں سے جانور ذبح کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامۃ ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ: ظفر منزوع او قرن او عظم او سن منزوعۃ ذبح بہ فانھر الدم وافری الاوداج لم یکن باکلہ بأس وکرہ ھذا الذبح، وان ذبح بظفر او بسن غیر منزوعۃ فھی میتۃ۔ (الجامع الصغیر ص۳۸۶ کتاب الذبائح)[2]

---

[1] وذکر فی الھندیۃ: ولو انتزع الذئب رأس الشاۃ وھی حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین.... شاۃ قطع الذئب اوداجھا وھی لا تذکی لفوات محل الذبح۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۲۹۰ کتاب الذبائح الباب الثالث فی المتفرقات)

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: ویجوز بالظفر والسن والقرن اذا کان منزوعاً حتی لا یکون باکلہ بأس الا انہ یکرہ ھذا الذبح.... بخلاف غیر المنزوع لانہ یقتل بالثقل فیکون فی معنی المنخنقۃ۔ (الھدایۃ ج۴ ص۴۳۶ کتاب الذبائح)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۶ کتاب الذبائح۔

مشینی ذبیحہ کا حکم

سوال:- آجکل جدید سائنسی آلات سے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے، شریعت مقدسہ میں مشینی ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- کسی جانور کو ذبح کرنے کے لیے شریعت مقدسہ نے چند شرائط رکھی ہیں: (۱) ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا (۲) بوقت ذبح تسمیہ پڑھنا (۳) تحت العقدہ ذبح کرنا۔ لہٰذا اگر جدید سائنسی آلات سے ذبح کرنے میں مذکورہ شرائط موجود ہوں تو ذبیحہ حلال ہوگا اور اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، بصورت دیگر ایسا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ اس کا کھانا جائز ہے۔

لما قال الامام ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: وذبیحة المسلم والکتابی حلال ولا تؤکل ذبیحة المرتد والمجوسی والوثنی والمحرم وان ترک التسمیة عمداً فالذبیحة میتة لا تؤکل وان ترکها ناسیاً أکل والذبح بین الحلق واللبة والعروق التی تقطع فی الذکاة اربعة: الحلقوم والمری والودجان۔
(مختصر القدوری ص۲۴۲ کتاب الذبائح)[1]

خاص مواقع کے ذبح کا حکم

سوال:- بعض دفعہ خاص اسباب کی موجودگی میں کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے، مثلاً بیمار کو جب صحتیابی ملے تو اس کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے یا کسی اہم تقریب کے انعقاد پر مہمان نوازی کے لیے جانور ذبح کیا جاتا ہے تو کیا ان خاص اسباب کی وجہ سے ان کی حلت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت مقدسہ میں وہ ذبیحہ حرام ہے جو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا گیا ہو، مذکورہ بالا صورتوں میں غیر اللہ کا تقدس وتقرب نہیں بلکہ شکر ہی پیش نظر ہوتا ہے اس لیے ان ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] قال الامام عبد الله بن محمود بن مودود الموصلیؒ: والذکاة الاختیاریة وهی الذبح فی الحلق واللبة والاضطراریة وهی الجرح فی ای موضع اتفق وشرطهما التسمیة وکون الذابح مسلماً او کتابیاً۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۹ کتاب الذبائح)
ومثله فی کنز الدقائق ص۴۱۶ کتاب الذبائح۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (ولو ذبح للضیف لا یحرم) وعلیٰ ہذا فالذی یجعل وضع الجدار او عروض مرض او شفاء منہ لا شک فی حلہ لان القصد منہ التصدق۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۱۷ کتاب الذبائح)

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال:۔ موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ذابح کا مسلمان یا اہلِ کتاب ہونا ضروری ہے، اسلئے عیسائی اور یہودی اگر اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کی پیروی کے دعویدار ہوں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ تاہم موجودہ دور کی جدت پسندی کو مدِنظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائی اور یہودی ایسے عقائد ونظریات پر عمل پیرا ہیں جو اُن کے مذہب کے بنیادی عقائد سے متصادم ہیں، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانے سے احتراز کیا جائے۔

لما قال العلامۃ ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفیؒ: وحل ذبیحۃ مسلم و کتابی۔ الخ (کنز الدقائق ص۱۶۷ کتاب الذبائح) لہ

اہلِ تشیع کے ذبیحہ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا اہلِ تشیع کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء محققین کے نزدیک موجودہ دور کے اہلِ تشیع تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے ایسے عقائد کے معتقد ہیں جو موجبِ کفر ہیں، ایسے کفریہ عقائد رکھنے

لہ قال العلامۃ المفتی محمد کامل بن مصطفیٰ طرابلسیؒ: وعلیٰ ہذا فالذی یجعل وضع الجدار او عروض مرض او شفاء منہ لا شک فی حلہ لان القصد منہ التصدق۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۲۳۹ کتاب الذبائح)

ومثلہ فی غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر للحموی ج۲ ص۱۱ کتاب الذبائح۔

لہ قال الشیخ ابو الحسین احمد بن محمد البغدادیؒ: وذبیحۃ المسلم والکتابی حلال۔ (مختصر القدوری ص۲۰۳ کتاب الذبائح)

ومثلہ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۱۰ کتاب الذبائح۔

کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مرتدین کا ہے جو کھانے کے قابل نہیں۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: الرافضی ان کان یسب الشیخین ویلعنهما فهو کافر وان کان یفضل علیاً علی ابی بکر وعمر رضی الله عنہم لا یکون کافراً لکنه مبتدع۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۸۱ کتاب الکراهیة)[۱]

گائے کے گوشت کی حلت کا حکم

سوال: بعض واعظین سے اکثر ایسی باتیں سننے میں آتی ہیں جو گائے کے گوشت سے نفرت دلاتی ہیں، کیا گائے کا گوشت کھانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: از روئے شرع گائے ان حیوانات کی فہرست میں داخل ہے جو چیر پھاڑ نہیں کھاتے، اس لیے اس کی حلت میں کوئی شک نہیں، فقہاء کی تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ گائے تو درکنار بلکہ اس کے پیٹ میں زندہ بچے کو اگر ذبح کیا جائے تو وہ بھی حلال ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: بقرة تعسّر ولادتها فادخل ربها یده وذبح الولد حل وان جرحه فی غیر محل الذبح وان لم یقدر علی ذبحه حل وان قدر لا۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۴ کتاب الذبائح)[۲]

چوری کیے گئے جانور کے گوشت کا حکم

سوال: چوری کیے گئے یا کسی مغصوبہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

۱ لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: قلت وهذا فی حق الرافضة الخارجیة فی زماننا فانهم یعتقدون کفر اکثر الصحابة فضلاً عن سائر اهل السنة والجماعة فهم کفرة بالاجماع بلا نزاع۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج ۹ ص ۱۳۷ کتاب الفتن)

ومثله فی شرح الفقه الاکبر ص ۸۶ الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الایمان۔

۲ قال العلامة الاستاذ محمد الشهیر بالطوریؒ: لو ان بقرة تعسر علیها الولادة فادخل صاحبها یده وذبح الولد حل اکله وان جرحها فی غیر موضع الذبح اذا کان لا یقدر علی ذبحه یحل وان کان یقدر لا یحل۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۲ کتاب الذبائح)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۲۸۶ کتاب الذبائح الباب الاول۔

الجواب: حلال جانور کی حلت وحرمت کے احکام پر سرقہ اور غصب موثر نہیں ہوتے، شرعی طور پر ذبح مسلمان ہو اور ذبح کے وقت ذبیحہ پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تاہم سارق اور غاصب پر مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردری: غصب شاة وضحی بها ان اخذ صاحبها وضمنه النقصان لا یقع عن الاضحیة وان ضمنه قیمتها حیة وقعت عنه لانها صارت ملکا من وقت الغصب۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۲۹۹ کتاب الاضحیة) له

خرگوش حلال جانور ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اہل تشیع اس کی حرمت کے قائل ہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے خرگوش کو حلال جانور قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: (و) حل (غراب الزرع) الذی یأکل الحب (والارنب والعقعق)۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۰۳ کتاب الذبائح) ے

کوے کی حلت وحرمت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کوے کی حلت وحرمت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کوے کو عربی میں غراب کہا جاتا ہے، فقہاء کرام کے اقوال سے

له ما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: اذا غصب شاة وضحی بها لا یجوز ان صاحبها بالخیار ان شاء اخذها ناقصة ویضمنه النقصان ولا یجوز عن الاضحیة وان ضمنه قیمتها حیة فتصیر الشاة ملکا للغاصب من وقت الغصب فیجوز عند الثلاثة رحمهم الله استحسانا۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۱۶ کتاب الاضحیة)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۰۲ الباب السابع فی التضحیة عن الغیر۔

ے واخرجه الامام ابو عیسی الترمذی فی سننه: عن هشام بن زید قال سمعت انسا یقول انفجنا ارنبا بمر الظهران فسعی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم خلفها فادرکتها فاخذتها فاتیت بها ابا طلحة فذبحها بمروة فبعث معی بفخذها او بورکها الی النبی صلی الله علیه وسلم فاکله قال قلت اکله قال قبله۔ (جامع الترمذی ج۲ ص۳ ابواب الاطعمة باب ما جاء فی اکل الارنب)

ومثله فی البحر الرائق ج۸ ص۱۷۰ کتاب الذبائح۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) بعض کوّے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور نجس چیزیں کھاتے ہیں، غراب (کوّے) کی یہ قسم حرام ہے۔ (۲) دوسری قسم کے کوّے وہ ہیں جو کھیت میں صرف دانے یا پاکیزہ چیزیں استعمال کرتے ہیں مُردار نہیں کھاتے، ان کا کھانا حلال ہے۔ (۳) کوّوں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے مرکب ہوتی ہے یعنی مردار بھی کھا لیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی۔ قاضی ابو یوسفؒ اگرچہ اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپ ہی کے قول پر ہے۔

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعيؒ، والغراب ثلاثة انواع يأكل الجيف فحسب فانه لا يؤكل ونوع يأكل الحب فقط فانه يؤكل ونوع يخلط بينهما وهو ايضا يؤكل عند ابي حنيفةؒ وهو العقعق لانه كالدجاج وعن ابي يوسف رحمه الله انه يكره لان غالب ماكوله الجيف والاول اصح۔ انتهى

(تبيين الحقائق ج ۵ ص ۲۹۵ كتاب الذبائح) [1]

ہُدہُد کھانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہُدہُد کا گوشت کھانا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں ہر اس پرندے کا کھانا حرام ہے جو اپنی خوراک شکار یا چیر پھاڑ کر کھاتا ہو، ہُدہُد کا شمار چونکہ ایسے پرندوں میں نہیں ہوتا جو چیر پھاڑ کر کھاتے ہیں اس لیے اس کے کھانے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، تاہم بعض فقہاء کرام نے اس کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔

---

[1] لما قال العلامة الاستاذ محمد الشهير بالطوري رحمه الله: والغراب ثلاثة انواع نوع يأكل الجيف فحسب فانه لا يؤكل ونوع يأكل الحب فحسب فانه يؤكل ونوع يخلط بينهما وهو ايضا يؤكل عند الامام وهو العقعق لانه يأكل الدجاج وعن ابي يوسفؒ انه يكره اكله لانه غالب اكله الجيف والاول اصح۔

(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۲ كتاب الذبائح)

ومثله في مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر ج ۲ ص ۵۱۳ كتاب الذبائح۔

لما قال الامام شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی الیمنیؒ: ولکن لا بأس باکل العقعق والہدہد والحمام والعصافیر لان عامة اکلها الحب والثمار (الجوہرة النیرة ج۲ ص۲۶۹ کتاب الذبائح) ؎۱

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ویکره الصرد والہدہد۔

(رد المحتار ج۵ ص۳۰۶ کتاب الذبائح) ؎۱

موطوءہ جانور (چارپائے) کا شرعی حکم

سوال: کسی حیوان سے بدفعلی کرنے سے اس فعل کی قباحت اور حرمت سے قطع نظر اس کے گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: کسی حلال جانور سے ایسے مکروہ فعل کے کرنے سے اس کا گوشت یا دودھ حرام نہیں ہوجاتا ہے، تاہم ایسے حیوان کی موجودگی اس غیر فطری عمل کے تذکرہ اور یاد دہانی کا ذریعہ ضرور ہے، اس لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ ایسے جانور کو ذبح کرکے اس کا گوشت جلایا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ شناعت دائمی نہ رہے، تاہم کسی دور دراز علاقہ میں لے جاکر فروخت کرنے سے بھی ایسے جانور کو دور کیا جاسکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن الہمامؒ: (والذی یروی انه تذبح البہیمة وتحرق فذلک لتقطع امتداد التحدث به) کلما رؤیت فیتأذی الفاعل به ولیس بواجب واذا ذبحت وهی مما لا تؤکل ضمن قیمتها .... وان کانت مما تؤکل اکلت وضمن عند ابی حنیفةؒ وعند ابی یوسفؒ لا تؤکل۔ (فتح القدیر شرح الہدایة ج۵ ص۲۵۰ کتاب الذبائح) ؎۲

؎۱ قال الامام ابو اللیث السمرقندیؒ الفقیه الکامل: ولا بأس باکل العقعق عند ابی حنیفةؒ وکذا لا بأس بالہدہد۔ (الفتاوی النوازل ص۳۳۲ کتاب الذبائح)

ومثله فی الفتاوی الہندیة ج۵ ص۲۹۱ کتاب الذبائح۔ الباب الثانی۔

؎۲ قال العلامة ابن نجیمؒ: والذی انها تذبح البہیمة وتحرق فذلک لقطع التحدث به ولیس بواجب قالوا ان کانت الدابة مما لا تؤکل لحمها تذبح وتحرق لما ذکرنا وان کانت مما تؤکل تذبح وتؤکل عند ابی حنیفة وقالا تحرق هذه ایضاً۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۸ کتاب الذبائح)

ومثله فی رد المحتار ج۴ ص۲۶ کتاب الحدود، مطلب فی وطء الدابة

یورپ کے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بلادِ عرب میں یوروپ، ہالینڈ، آسٹریلیا وغیرہ یورپی ممالک سے بند ڈبوں میں مرغی اور دیگر جانوروں کا گوشت آتا ہے اور ان ڈبوں پر یہ تحریر ہوتا ہے کہ حلال طریقے سے ذبح کیا گیا ہے، تو کیا ایسے گوشت کا استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب: ایسے گوشت کے بارے میں اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے ذابحین مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلامی طریقہ سے ذبح کیا ہے تو فتویٰ کی رُو سے اس کا استعمال کرنا مرخص ہے مگر تقویٰ کی رُو سے اس سلسلہ میں عصرِ حاضر کی دیگر بے احتیاطیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس کے استعمال سے پرہیز ہی کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: (ذکاة الاختیار ذبح بین الحلق واللبة ..... والمری والودجان ..... وشرط کون الذابح مسلماً حلالاً خارج الحرم ..... والشرط فی التسمیة هو الذکر الخالص عن شوب الدعاء. (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۲۹۶ کتاب الذبائح)[1]

غیر فطری طریقہ کی پیداوار غیر ملکی گائے کا حکم

سوال: بعض نسل کی گایوں کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی نسل کشی کے لئے نر جانور کا مادہ منویہ بذریعہ ٹیسٹ ٹیوب یا بذریعہ تخمی استعمال کیا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، ایسی گائے کو جرسی یا غیر ملکی گائے کہا جاتا ہے۔ ایسی گائے کے گوشت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حیوانات کی نسل مادہ سے ثابت ہوتی ہے، نر کے مادہ منویہ کا کوئی

---

[1] وفی الهندیة: الاختیاریة فرکنها الذبح فیما یذبح من الشاة ...... والذبح هو فری الاوداج ومحله ما بین اللبة واللحیین ..... منها ان یکون مسلماً او کتابیاً ..... منها التسمیة حالة الذکاة عندنا ..... ومنها ان یرید بها التسمیة علی الذبیحة ..... منها قیام اصل الحیاة فی المستأنس وقت الذبح. (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۸۵، ۲۸۶ کتاب الذبائح، الباب الاول)

ومثله فی الهدایة ج۴ ص۴۳۶ کتاب الذبائح۔

اختیار نہیں ہوتا اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بکری کے ساتھ کوئی درندہ جفتی کرے تو بچہ ماں کے تابع ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق جرسی گائے کو ذبح کرنا اور اس سے استفاع حاصل کرنا یعنی اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله - فإن كان متولداً من الوحشي والإنسي فالعبرة للام فإن كانت اهلية يجوز والا فلا حتى ان البقرة الاهلية اذا نزى عليها ثور وحشي فولدت ولداً فانه يجوز ان يضحي به وان كانت البقرة وحشية والثور اهليا لم يجز لان الاصل في الولد الام لانه ينفصل عن الام۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۶۹ کتاب التضحیة)

بوقتِ ذبح عمداً تسمیہ چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت قصداً و عمداً بسم اللہ چھوڑ دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں ذبح کرتے وقت بسم اللہ کا قصداً و عمداً ترک کرنا ذبیحہ کے مردار ہونے کا سبب ہے، لہٰذا بوقتِ ذبح عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے جس سے کسی بھی قسم کا استفاع جائز نہیں، نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ دوسروں کو کھلا سکتا ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ان ترك التسمية عمداً لا يسع فيه الاجتهاد ولو قضى القاضي بجواز بيعه لا ينفذ۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج۸ ص۴۰۸ کتاب الذبائح) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابوبكر الجصاص الرازي: الا ترى لو حمارة اهلية لو ولدت من حمار وحشي لم يؤكل ولدها ولو ولدت حمارة وحشية من حمار اهلي اكل ولدها فكان الولد تابعاً لأمه دون أبيه۔ (احکام القرآن ج۳ ص۱۸۵ سورة النحل)

[2] قال العلامة ابن عابدين: ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلماً او كتابياً لنص القرآن ولانعقاد الاجماع۔ (رد المحتار ج۶ ص۲۹۹ کتاب الذبائح)

ومثله في الهداية ج۴ ص۴۲۵ کتاب الذبائح۔

حلال جانور کے حرام اجزاء

سوال: حلال جانور کے بدن سے کون کون سی چیزیں کھانا حرام ہیں؟

الجواب: حلال جانور کا شرعی طریقے سے ذبح ہونے کے باوجود اس کے سات مندرجہ ذیل اعضاء کا کھانا حرام ہے:۔ ١۔ پتّا ٢۔ مثانہ ٣۔ غدود ۴۔ فرج ۵۔ ذکر ۶۔ خصیتین اور ۷۔ دمِ مسفوح۔

لما قال العلامة محمد بن حسن الشیبانیؒ: عن مجاهد قال كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعاً: المرارة والمثانة والغدة والحياء والذكر والانثيين والدم. انتهى (كتاب الآثار ص١٩٩ باب ما يكره من الشاة والدم وغيره)[1]

جانور کو گولی مار کر ذبح کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں کے قریب ایک جنگل ہے جس کو ہم لوگ بیلہ کہتے ہیں۔ گاؤں والے اس میں اپنے مال مویشی چھوڑ دیتے ہیں جس میں کبھی کبھی کوئی جانور وحشی بھی ہو جاتا ہے جو کسی طرح قابو میں نہیں آتا تو لوگ اس کو گولی مار کر گرا لیتے ہیں اور پھر اس کو ذبح کرتے ہیں۔ تو کیا ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گولی مار کر گرانے کے بعد اگر جانور میں جان باقی ہو اور فوراً اس کو شرعی طریقے سے ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہوگا ورنہ نہیں، البتہ کسی جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بلاوجہ گولی مارنا ظلم و زیادتی اور موجب گناہ ہے۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله: وحل المذبوح بقطع اي ثلاث منها اذ للاكثر حكم الكل۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص[illegible] كتاب الذبائح)

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الكاسانيؒ: وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح والذكر والانثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج۵ ص[illegible] كتاب الذبائح)

ومثله في تنقيح الحامدية ج٢ ص٢٣١ كتاب الذبائح۔

خنزیر کی حرمت میں فلسفہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! یہاں جاپان میں عموماً خنزیر کا گوشت کھایا جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض مسلمان جو کہ عرصہ دراز سے یہاں مقیم ہیں وہ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے اور خنزیر کے گوشت میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا گوشت ایک ہی طرح کا ہوتا ہے بلکہ خنزیر کا گوشت گائے کے گوشت سے لذیذ ہوتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام قرار دینے کا کیا فلسفہ ہے؟

الجواب:- اسلامی نقطہ نظر سے کسی چیز کی حلت اور حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ جس چیز کو حلال فرمادیں وہ حلال ہوتی ہے اور جس کو حرام فرمادیں وہ حرام ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو قیاس آرائی کی اجازت نہیں کہ وہ ادھر ادھر کی منطق و دلیل لا کر کسی چیز پر حلال یا حرام ہونے کا حکم لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف حیوانات کی طرح گائے کو بھی حلال قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ ..... وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ:

(سورۃ الانعام پ ۸ آیت ۔۔۔)

(ترجمہ) آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم، آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو ..... اور گائے میں دو قسم، آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو۔

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

ثم بين اصناف الانعام الى غنم ...... والى ابل ذكورها واناثها وبقر كذلك وانه تعالى لم يحرم شيئاً من ذلك ولا شيئاً من اولادها بل كلها مخلوقة لبني آدم أكلاً وركوباً وحمولة وحلباً وغير ذلك من وجوه المنافع۔ (تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۱۸۳)

(ترجمہ) پھر اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی اقسام کو بیان کیا ..... یعنی اونٹ اس کا نر و مادہ اور اسی طرح گائے بھی، بیشک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

اس لیے گائے بکرے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں ہے ــــ اور خنزیر کو بعض دیگر چیزوں کی طرح حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا (سورۃ الانعام پ آیت ع)

(ترجمہ) آپ فرما دیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے۔

اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں:-

”خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔“ (حیات الحیوان اردو، ج ۲ ص ۱۱۶ الخنزیر)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ و تابعین اس کثرت سے دال ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے۔ چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

(۱) اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اوّل درجہ کا نجاست خور، بے غیرت اور بدہیئت ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر انسانی بدن اور روح پر بھی پلیدی ہی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بد ہی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے نہیں جبکہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے۔ لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرما دیا۔

(۲) خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی پاخانہ اس کی خوراک ہے۔ اس کا گوشت نجاست سے پیدا ہوتا ہے پس اس کا گوشت کھانا گویا

اسی نجاست کھاتا ہے۔

(۳) صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک اور اس کی حرمت کی وجوہ تفصیل تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"گوشت خوک مولد اخلاط غلیظہ است و مورث حرص شدید و صداع مزمن و داء الفیل و اوجاع المفاصل و فساد عقل و زوال مروت و غیرت و حمیت و باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی کہ دائمی خورند و قبل از ظہور اسلام گوشت آں را در بازار ہا می فروختند و بعد از آں در مذہب اسلام حرام و بیع آں ممنوع و موقوف گردید بسبب کثیفت و بدہیئت است۔"

(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۱۲)

(۴) سور کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو آنتوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام ٹرکی نوسس ہے جو کہ صحرائی آب و ہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ گدھے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بارے میں فرماتے ہیں:-

(۱) یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور مشابہ و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بہیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اسی توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت عام استعمال کرتے ہیں، فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ آدمی کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات سے ہوتا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہوا اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہونے مناسب تھے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(۲) چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال و جمال دونوں کا ہونا مناسب تھا لہٰذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جمال و جلال ہر دو صفات موجود ہیں۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۱۰)

مزید تفصیل کے لیے "حیات الحیوان" از علامہ دمیری رحمۃ اللہ کی طرف مراجعت کریں۔ مسلمانوں کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہی کافی ہے۔ (ھو الموفق والمعین)

کچھوا کھانے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ دریائی جانور سب پاک ہیں اس لیے کچھوا کھانا بھی جائز ہے، جبکہ کچھ لوگوں کے نزدیک اس کا کھانا درست نہیں، شریعت مطہرہ کے احکامات کی روشنی میں بتائیں کہ کچھوا کھانا حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے فقط مچھلی حلال ہے، باقی سب حرام، لہٰذا کچھوا (سنگ پشت) کھانا بھی حرام ہے۔

قال العلامة المرغیناني رحمه الله: ولا یؤکل من حیوان الماء الا السمك۔

(الهدایة ج۴ ص۴۴۲ کتاب الذبائح)

درندوں کی حرمت کا فلسفہ

سوال:۔ بعض اوقات میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ شریعت مقدسہ نے جو شیر، ریچھ، گیدڑ وغیرہ درندوں کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے اور کس فلسفہ کے تحت یہ درندے حرام قرار دیئے گئے ہیں؟ ازراہ کرم تسلی بخش جواب دے کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ ایک مسلمان کے لیے کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا اعتقاد کسی فلسفہ کے تحت نہیں ہونا چاہیئے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے ماننا ضروری ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کے بارے میں حلت و حرمت کا حکم بغیر کسی حکمت کے نہیں فرماتا۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سارے درندے جانوروں کی سرشت و فطرت میں بچوں سے چھیننا اور صولت سے زخم پہنچانا اور بے رحمی سخت دلی ہے سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑیئے کے بارے میں فرمایا ہے: او یاکل احد یعنی کیا بھیڑیئے کو بھی کوئی انسان کھاتا ہے یعنی اس کو کوئی نہیں کھاتا۔ وجہ حرمت ظاہر ہے کہ ان جانوروں کے کھانے سے انسان میں درندگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی طبیعت اعتدال سے خارج ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں رحم نہیں ہوتا، اسی واسطے ہر شکاری پرندے کے کھانے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔" (احکام اسلام عقل کی نظر میں ص۲۰۳ کتاب الاکل والشرب)

◎

كتاب الصيد

(شکار کرنے کے احکام و مسائل)

جال سے شکار کرنا جائز ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں مچھلی یا پرندوں کے شکار کے لیے جال استعمال کیا جاتا ہے جس میں عموماً پرندوں کو سبز باغ دکھا کر پکڑا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ دھوکہ دہی کے دائرہ میں ہو کر شکار پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شکار قرآن و حدیث کی رو سے مباح ہے، ایسے مباح امر کے حصول کے لیے کسی حیلہ کا اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں، جال سے شکار کرنا کوئی بیاسٹر نہیں ہے، فقہاء کی عام عبارتیں اس کے جواز پر دال ہیں۔

كما قال العلامة قاضي خانؒ: رجل حفر في ارضه حفيرة فوقع فيها صيد فجاء رجل واخذه قال الصيد يكون للآخذ وان كان صاحب الارض اتخذ تلك الحفيرة لاجل الصيد فهو احق بالصيد۔ (الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۳ ص۳۵۹ كتاب الصيد والذبائح) له

بندوق سے شکار کرنے کا حکم

سوال:۔ بندوق یا غلیل سے کیا ہوا شکار اگر ذبح نہ ہو سکے تو اس کے کھانے کا کیا حکم ہے؟ اگر بندوق یا غلیل کی گولی سے شکار زخمی ہو کر مر جائے تو کیا یہ جرح ذبح کے لیے کافی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز خود جارح نہ ہو بلکہ زور

له قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ: كمن نصب فسطاطا او حفر حفيرة في ارض رجل او نكسر جله فيها او وقع فيه بحيث لا يقدر على البراح فاخذه انسان ونازعه صاحب ان كان صاحب الارض بحيث لو مد يده يصل اليه فهو له وان كان بعيدا لا يصل اليه يده لو مده فهو للآخذ۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۰۲ كتاب الصيد الفصل في ملكية الصيد)
ومثله في الهندية ج۵ ص۴۱۸ الباب الثاني في تمليك ما يباح الصيد الخ۔

سے شکار کو زخمی کرے اور وہ اس سے مر جائے تو یہ موقوذہ کے حکم میں ہو کر حلال نہیں ۔
بندوق اور غلیل کی گولی خود جارح نہیں بلکہ عموماً جانور اس کے زور پر پٹیں سے زخمی ہوتا
ہے اس لیے اس کی حلت کے لیے یہ جرح کافی نہیں، تاہم اگر جانور میں کچھ حیات باقی ہو اور
اس کو ذبح کر لیا جائے تو پھر کھانے میں کوئی حرج نہیں ۔

لما قال العلامة قاضی خان: ولا يحل صيد البندقة والحجر والمعراض والعصا
وما اشبه ذلك وان جرح ذلك ۔ (الفتاوى قاضی خان على هامش الهندية ج ۳
کتاب الصيد والذبائح) ؎۱

مجروح شکار کا ذبح کرنا ضروری ہے

سوال: مجروح شکار اگر چند لمحے زندہ رہ سکتا ہو یا اضطراری کیفیت سے محفوظ ہو جائے تو
اس کی حلت کے لیے زخمی ہونا ہی کافی ہے یا اس کا ذبح کرنا ضروری ہے؟

الجواب: مجروح شکار جب کچھ دیر زندہ ہو یا کم از کم اضطراری موت سے بچ
سکتا ہو تو شرعاً ذبح کرنا ضروری ہے کیونکہ جرح ذبح اختیاری کے حکم میں ہے اور یہ
اس وقت کارآمد ہے جب تک ذبح اختیاری قابل عمل نہ ہو ۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی: وقال اصحابنا رحمهم الله لو جرحه السهم او الکلب
فادرکه لکن لم یاخذه حتی مات فان کان فی وقت لو اخذه یمکنه ذبحه فلم یاخذه حتی مات لم یؤکل لانه
قدر علی الاختیار فلم یقم الجرح مقام الذکاة ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۵۰ کتاب الصید) ؎۲

؎۱ عن ابراهیم عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا رمیت فسمیت فخزقت
فکل وان لم تخزق فلا تاکل ولا تاکل من المعراض الا ما ذکیت ولا تاکل من البندقة الا ما ذکیت ۔ (رواه احمد)
(نیل الاوطار ج ۸ ص ۱۴۳ کتاب الصید، باب النهی عن الرمی بالبندقة وما فی معناه)

ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۴۶۲ کتاب الصید ۔

؎۲ قال العلامة علاء الدین الحصکفی: ولا بد من جرح صید مستأنس لان ذکاة الاضطرار
انما یصار الیها عند العجز عن ذکاة الاختیار ویکفی جرح نعم کبقر وغنم توحش ۔ یجرح
کصید او تعسر ذبحه کأن تردی فی بئر او صال حتی لو قتله المصول علیه مریداً
ذکاته حل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۰۳ کتاب الذبائح)

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۱ کتاب الذبائح ۔

شکار کا کٹا ہوا عضو کھانا جائز نہیں

سوال:۔ اگر شکار کرنے وقت تیر یا کسی اور تیز دھار آلے سے زندہ جانور سے کوئی عضو الگ ہو جائے اور بعد میں وہ جانور ذبح کر لیا جائے تو اس کٹے ہوئے عضو کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کسی زندہ جانور سے اس کا کوئی عضو آلۂ شکار سے کٹ کر الگ ہو جائے تو اُس جانور کے ذبح کرنے سے وہ عضو حلال نہیں ہوتا اس لیے اس الگ شدہ عضو کو کھانا شرعاً درست نہیں۔

لما قال العلامة ابو بكر بن علي الحدادي اليمنيؒ: قوله واذا رمى صيداً فقطع عضواً منه أكل الصيد لما بيناه ولا يؤكل العضو لقوله عليه السلام ما ابين من الحي فهو ميت والعضو بهذه الصفة لان ابانته منه حقيقة لقيام الحياة فيه۔ (الجوهرة النيرة ج۲ ص۲۴۳ كتاب الصيد) له

دریاؤں میں موجود مچھلیوں کو بیچنا جائز نہیں

سوال:۔ بعض دریاؤں میں مچھلیوں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے حکومت ان دریاؤں کو بطور ذریعہ آمدنی استعمال کرتی ہے اور ایسی جگہوں پر اُن لوگوں کو مچھلی کا شکار کرنے کی اجازت دیتی ہے جو حکومت کو ایک خاص رقم ادا کرتے ہیں۔ عرف میں اس اجازت کو ٹھیکہ کہا جاتا ہے، کیا شرعاً اس طرح معاملہ طے کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ملکیت کے لیے جہاں فروخت (بیع) بطور سبب استعمال ہوتا ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ جو چیز فروخت کرنا مقصود ہو اس کی تسلیم بائع (فروخت کرنے والے) کے دائرہ اختیار میں ہو اور جہاں کہیں فروخت کی ہوئی چیز بائع

له قال العلامة أكمل الدين محمد بن محمود البابرتيؒ: قال (واذا رمى صيداً) اذا قطع بالرمي عضواً من الصيد لما بيناه ان الرمي مع الجرح ذبح وقد وجد ولا يؤكل العضو ان امكن حياته بعد الابانة فان لم يمكن كلا۔ (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير ج۹ ص۱۸۲ كتاب الصيد)

ومثله في الدر المختار مع رد المحتار ج۶ ص۴۷۳ كتاب الصيد۔

مشتری کے حوالے کرنے سے قاصر ہو تو وہاں پر بائع کا یہ معاملہ ناجائز ہو کر اس کے لیے یہ رقم لینا ناجائز ہے ، اس لیے صورت مسئولہ میں حکومت کا یہ ٹھیکیداری معاملہ ایک بے بنیاد معاملہ ہے ، تاہم اگر ٹھیکیدار محنت کرے اور مچھلی کا شکار کر کے فروخت کرے تو شکار کرنے سے اس کی ملکیت ثابت ہو کر اس کی آمدنی اس کے لیے حلال ہوگی ۔

لہ قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله : ولا يجوز بيع السمك قبل ان يصطاد لانه باع ما لا يملكه ولا في حظيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لانه غير مقدور التسليم ۔ (الهداية ج ۳ ص۵۵ كتاب البيوع) ۔ لہ

شکاری کتے کے شکار کا حکم

سوال :- ہمارے گاؤں میں لوگ شکار کے لیے کتے پالتے ہیں اور ان کو شکار کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر ان سے شکار کھیلتے ہیں ، تو اگر وہ کتا شکار کو پکڑ لے اور خود نہ کھائے بلکہ مالک کے پاس لے آئے لیکن وہ شکار راستے ہی میں اس کے منہ میں مر جائے تو کیا اس شکار کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اسلام نے شکار کی غرض سے کتا پالنے اور اس کے ذریعے شکار کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس کو شکار کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور وہ شکار پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے لیکن خود اس سے نہ کھائے تو ایسے کتے کا شکار کیا ہوا جانور حلال ہے اگرچہ وہ جانور کتے کے منہ میں ہی ختم ہو جائے لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مالک نے شکار پکڑنے کے لئے کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو ، بدون اس کے شکار حلال نہیں ۔

لقوله تعالىٰ : يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ (سورة المائدة آيت ۴)

لہ قال العلامة ابن نجيم رحمه الله : (قوله والسمك قبل الصيد) اى لم يجز بيعه لكونه باع ما لا يملكه فيكون باطلاً اطلقه فشمل ما اذا كان فى حظيرة اذا كان لا يؤخذ الا بصيد لكونه غير مقدور التسليم ۔ (البحر الرائق ج۶ ص۷۳ كتاب البيوع)

ومثله فى فتح القدير ج۶ ص۴۱۳ كتاب البيوع ۔

چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! کیا چیتے اور شیر کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: چونکہ یہ دونوں جانور بوجہ درندگی اور خونخواری کی وجہ سے تعلیم کے قابل نہیں ہوتے اس لیے فقہاء نے ان کے ذریعے شکار کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر یہ دونوں جانور تعلیم یافتہ ہو کر شکار کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ علت کی بنا پر ان کے شکار کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا تھا وہ مفقود ہو چکا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فلا یجوز الصید بدب واسد لعدم قابلیتهما للتعلیم فانهما لا یعملان للغیر الاسد لعلو همته والدب لخساسته۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۶۶ کتاب الصید)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وحاصله البحث فی استثناء الخنزیر والاسد والذئب وفی التعلیل لان الشرط فی ظاهر الروایة قبول التعلیم فیحل بکل معلم ولو خنزیرا۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۶۶ کتاب الصید)[1]

شوقیہ طور پر شکار کھیلنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں کچھ لوگ بعض موذی جانوروں مثلاً گیدڑ وغیرہ کا شکار شوقیہ طور پر کرتے ہیں اس سے ان لوگوں کا مقصود صرف کھیل تماشا ہوتا ہے، کیا شرعاً ایسا شکار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی بھی جانور کا شکار اس غرض سے کرنا چاہیئے کہ اس سے کچھ نفع حاصل ہو صرف کھیل تماشا کے طور پر شکار کرنا جائز نہیں خصوصاً حرام جانور کا شکار جس سے کوئی ظاہرا فائدہ نہ پہنچتا ہو مگر وہ جانور کھیت وغیرہ کو نقصان پہنچاتا ہو تو پھر اسے مارنا جائز اور صحیح ہے۔

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: ویکره الصید لهوا لانه عبث لقوله علیه السلام

---

[1] قال العلامة وهبة الزحیلی: واستثنی ابو یوسفؒ من ذلک الاسد والذئب لانهما لا یعملان لغیرهما الاسد لعلو همته والذئب لخساسته والحق بعضهم الحدأة لخساستها والخنزیر مستثنی۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۶۶۲ الفصل الثانی فی الصید)

لا تتخذوا شیئاً فیہ الروح غرضاً ای ھدفاً من قتل عصفوراً عبثاً عج الی اللہ یوم القیامۃ یقول یا رب ان فلاناً قتلنی عبثاً ولم یقتلنی منفعۃ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۳ ص ۶۹۱ الفصل الثانی فی الصید) سلہ

تجارت کی غرض سے شکار کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ! ہم چند ساتھی اجتماعی طور پر دریائے سندھ میں مچھلی کا شکار کرتے ہیں اور پھر اُسے فروخت کردیتے ہیں۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ شکار صرف کھانے کی حد تک جائز ہے تجارت کے لیے شکار جائز نہیں۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ تجارت کی غرض سے شکار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بعض علماء کے ہاں شکار کو بطورِ پیشہ اختیار کرنا مکروہ ہے مگر راجح قول یہ ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق تجارت کے لیے شکار کرنا مباح ہے اس میں حرمت کا کوئی شائبہ نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھو مباح الا للمحرم فی غیر الحرم او للتلھی کما ھو ظاھر او حرفۃ علی ما فی الاشباہ قال المصنفؒ وانما زدتہ تبعاً لہ والا فالتحقیق عندی اباحۃ اتخاذہ حرفۃ لانہ نوع من الاکتساب وکل انواع الکسب فی الاباحۃ سواء علی المذھب الصحیح۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۶۲ کتاب الصید) سلہ

سلہ لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھو مباح بخمسۃ عشر شرطاً ۔۔۔۔ الا لمحرم فی غیر الحرم او للتلھی کما ھو ظاھر۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ فی مجمع الفتاوی: ویکرہ للتلھی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۶۱، ۴۶۲ کتاب الصید)

سلہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی التاتارخانیۃ قال ابو یوسفؒ اذا طلب الصید لھواً ولعباً فلا خیر فیہ واکرھہ وان طلب منہ ما یحتاج الیہ من بیع او ادام او حاجۃ اخری فلا بأس۔

(رد المحتار ج ۶ ص ۴۶۲ کتاب الصید)

كتاب
الاضحية

کتاب الاضحیۃ

(قربانی کے احکام و مسائل)

نصاب قربانی کا معیار سوال:۔ قربانی کے وجوب کے لیے شریعت مطہرہ میں نصاب کے معیار کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنے حوائج اصلیہ اور قرض کے علاوہ ۲/۱ ۷ تولے سونا یا ۲/۱ ۵۲ تولے چاندی یا اس مقدار سے زائد نقد مالیت کا مالک ہو تو ایسے شخص پر شرعی قربانی کرنا لازم ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری: قال ابو حنیفة الموسر الذی له مائتا درهم او ما یساوی مائتی درهم سوی المسکن والخادم والثیاب التی یلبس ومتاع البیت الذی یحتاج الیه وفرس. اذا بقی له الی ان یذبح الاضحیة۔

(خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۰۹ کتاب الاضحیة) ؎۱

قربانی کے ایام کا حکم سوال:۔ قربانی کتنے دنوں تک کرنا جائز ہے؟ اور اس میں جلدی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ایام النحر (قربانی کے دن) تین ہیں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ متعین دن ہیں تاہم پہلے دن (۱۰ ذی الحجہ) قربانی کرنا افضل ہے۔

لما ذکر العلامة محمود آلوسی فی تفسیره: وعدتها ثلاثة ایام یوم العید ویومان

؎۱ لما ذکر فی الهندیة: (اما شرائط الوجوب) منها الیسار وهو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما یتعلق به وجوب الزکوٰة .... والموسر فی ظاهر الروایة من له مائتا درهم او عشرون دینارا او شیء یبلغ ذلک سوی مسکنه ومتاع مسکنه ومرکوبه وخادمه فی حاجته التی لا یستغنی عنها۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۹۲ کتاب الاضحیة الباب الاول فی تفسیرها)

ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۳۱۲ کتاب الاضحیة۔

وبعده ..... لما روی عن عمر و علی و ابن عمر و ابن عباس و انس و ابی هریرة رضی الله عنهم انهم قالوا ایام النحر ثلاثة افضلها اولها وقد قالوه سماعا لان الرای لایهتدی الی المقادیر۔ (روح المعانی ج۱۷ ص۱۴۵ ...)

اضحیہ (قربانی کے جانوروں کی عمر)

سوال: شریعت مقدسہ میں قربانی کے لیے جانور کی عمر کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے قربانی کے لیے مختلف اجناس کے حیوانات میں مختلف عمروں کا اعتبار کیا ہے۔ اونٹ میں پانچ سال، گائے بھینس میں دو سال، دنبہ اور بکری میں ایک سال کا تعین کیا ہے تاہم اگر دنبہ موٹا تازہ ہو اور ایک سال کا دکھائی دیتا ہو تو پھر اس میں چھ ماہ کی عمر کے دنبے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ویجزئ من ذلک کله الثنی فصاعدا الا الضأن فان الجذع منه یجزئ ..... اذا کانت عظیمة لو خلط بالثنیان یشتبه علی الناظر من بعید والجذع من الضأن ما تمت له ستة اشهر فی مذهب الفقهاء ..... والثنی منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتین ومن الابل ابن خمس سنین ویدخل فی البقر الجاموس لانه من جنسه۔ (الهدایة ج۴ ص۴۴۶ کتاب الاضحیة)[2]

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی: وهی جائزة فی ثلاثة ایام یوم النحر ویومان بعده لما روی عن عمر وعلی وابن عباس رضی الله عنهم انهم قالوا ایام النحر ثلاثة افضلها اولها۔ (الهدایة ج۴ ص۴۴۳ کتاب الاضحیة) — قال الحافظ قاسم بن قطلوبغا: قوله روی عن عمر وعلی وابن عباس۔ قلت رواه الطحاوی فی احکام القرآن عن علی وابن عباس۔
(منیة الالمعی فیما فات من تخریج احادیث الهدایة للزیلعی ص۲۱ کتاب الاضحیة)
ومثله فی الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۱۹ کتاب الاضحیة۔

[2] قال الشیخ ابوبکر بن علی الحداد الیمنی: ویجزئ فی ذلک الثنی فصاعدا الا الضأن فان الجذع منه یجزئ یعنی اذا کان عظیما بحیث لو خلط بالثنیان یشتبه علی الناظر من بعید۔ جذع من الضأن ما تمت له ستة اشهر وقیل سبعة والثنی منها ومن المعز ما له سنة وطعن فی الثانیة ومن البقر ما له سنتان وطعن فی الثالثة ومن الابل ما له خمس سنین وطعن فی السادسة ویدخل فی البقر الجوامیس لانها من جنسها۔ (الجوهرة النیرة ج۲ ص۲۸۵ کتاب الاضحیة)
ومثله فی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۷۰ کتاب الاضحیة۔

شرکاءِ قربانی کی تعداد

سوال:۔ گائے بھینس وغیرہ کی قربانی میں کتنے اشخاص شریک ہوسکتے ہیں؟

الجواب:۔ گائے بھینس کی قربانی میں شرعاً سات حصوں کی حد مقرر ہے اس سے زائد حصوں کی گنجائش نہیں تاہم سات سے کم حصوں میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ: ولا یجوز بعیر واحد ولا بقرۃ واحدۃ عن اکثر من سبعۃ ویجوز ذلک عن سبعۃ او اقل من ذلک۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۷۰ کتاب الاضحیۃ)[۱]

شرکاءِ قربانی کی نیت کا حکم

سوال:۔ اگر قربانی کے شرکاء کی نیت قربت کی حیثیت مختلف ہو مثلاً بعض نے وجوب اور بعض نے نفل کی نیت کی ہو تو کیا اس سے قربانی متاثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور (گائے بھینس وغیرہ) میں شراکت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ سب کی نیت حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو اگرچہ مختلف انواع کی قربات ہوں لہٰذا متنفلین و واجبین کی قربانی صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ: ولو ارادوا القربۃ الاضحیۃ او غیرها من القرب اجزاهم سواء کانت القربۃ واجبۃ او تطوعاً او وجبت علی البعض دون البعض وسواء اتفقت جهات القربۃ او اختلفت (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۷۱ کتاب الاضحیۃ)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والتقدیر بالسبع یمنع الزیادۃ ولا یمنع النقصان حتی لو کانت الشرکاء فی البدنۃ او البقرۃ ثمانیۃ لم یجزهم ولو کانوا اقل من ثمانیۃ الا ان نصیب واحد منهم اقل من السبع لا یجوز ایضاً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص۳۱۵ کتاب الاضحیۃ)

ومثلہ فی الفتاوی الهندیۃ ج ۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکۃ فی الضحایا۔

[۲] قال العلامۃ محمد الشهیر بالطوریؒ: تجوز عن سبعۃ بشرط قصد الکل القربۃ وان اختلفت الجهات فیها لا یضر کالقران والمتعۃ والاضحیۃ لاتحاد المقصود وهو القربۃ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص۱۷۷ کتاب الاضحیۃ)

ومثلہ فی الفتاوی الهندیۃ ج ۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکۃ فی الضحایا۔

شرکت اضطراری میں قربانی کا وجوب

سوال :۔ اگر والد کی وفات کے بعد چند بیٹے اس کے وارث ہوں، جائداد متروکہ کو بحال خود رکھ کر جملہ برادران اس سے استفادہ کرتے ہیں لیکن تقسیم کرنے کی نوبت نہ آئی ہو، ہر بھائی کا حصہ نصاب کی مقدار سے زائد ہو، کیا اس صورت میں جملہ برادران ایک قربانی کریں گے یا ہر ایک پر قربانی مستقل طور پر واجب ہوگی؟

الجواب :۔ ایسی حالت میں جبکہ ہر ایک بھائی کا حصہ نصاب کو پہنچتا ہو تو سبب کے متحقق ہونے پر ہر ایک کو میت کا استقلالاً حصہ ہوگا۔ ملکیت متحقق ہونے پر شرکت مانع نہیں، اس لیے ہر ایک پر الگ الگ قربانی واجب ہوگی۔ مشترکہ طور پر ایک قربانی کرنے سے کسی ایک کا بھی ذمہ ساقط نہیں ہوگا۔

لما قال الامام ابوالحسین احمد بن محمد البغدادی القدوریؒ: الاضحیة واجبة علی کل حر مسلم موسر فی یوم الاضحی یذبح عن نفسه۔ اھ

(مختصر القدوری ص ۲۴۷ کتاب الاضحیة) [1]

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا

سوال :۔ قربانی کے لیے جانور خریدنے کے بعد کسی کو اس میں شریک کیا جائے تو کیا اس طرح کرنے سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ قربانی کا جانور خریدنے سے قبل سات افراد تک کی شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ایک دفعہ چند افراد مل کر قربانی کا جانور خریدیں اور ان میں سے کسی ایک شخص کی قربانی نفل ہو تو ایسی حالت میں کسی کو بعد ازاں شریک کرنا جائز نہیں، البتہ اگر تمام حصہ داروں کی قربانی واجب ہو تو پھر کسی کو شریک کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ قربانی میں شرکت کا دائرہ قربانی کا جانور خریدنے سے قبل تک محدود رکھا گیا ہو۔

---

[1] قال العلامة ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفیؒ: تجب علی حر مسلم مقیم موسر عن نفسه۔ اھ (کنز الدقائق ص۲۲۴ کتاب الاضحیة)

ومثلہ فی الھدایة ج۴ ص۴۴۳ کتاب الاضحیة۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني: ولو اشترى بقرة يريد ان يضحي بها عن نفسه ثم اشرك فيها ستة معه جاز استحسانا ..... والاحسن ان يفعل ذلك قبل الشراء ليكون ابعد عن الخلاف۔ (الهداية ج۴ ص[illegible] كتاب الاضحية) له

نابالغ کی قربانی کا حکم

سوال:۔ کیا صاحب نصاب نابالغ پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اور وجوب کی ادائیگی باپ یا ولی اپنے مال سے کرے گا یا نابالغ کے مال سے کی جائے گی؟

الجواب:۔ صاحب نصاب نابالغ پر شرعاً قربانی واجب ہے اور ادائیگی وجوب اس کے مال سے کی جائے گی۔ عـه

لما قال العلامة ابو بكر الكاساني: واما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قول ابي حنيفة وابي يوسف ..... حتى تجب الاضحية في مال الصبي والمجنون اذا كانا موسرين۔ (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج۵ ص۶۴ كتاب الاضحية) ع

میت کے لیے قربانی کا حکم

سوال:۔ کیا میت کی حصہ داری سے دیگر شرکاء کی قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قربانی میں میت کی حصہ داری سے بعد میں مرنے والے کی شراکت شرعاً نقصان دہ نہیں بلکہ شرکاء کی قربانی درست اور صحیح ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: وان مات احد السبعة المشتركين في البدنة

له قال العلامة الحصكفي: (وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لاضحية) اي ان نوى وقت الشراء الاشتراك صح استحسانا والا لا (استحسانا وكذا لو فعلا) اي الاشتراك (قبل الشراء احب)۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۵ ص۲۲۰ كتاب الاضحية)

ومثله في الهندية ج۵ ص۳۰۴ الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا۔

ع قال العلامة ابن عابدين: (قوله يضحي عن ولده الصغير من ماله) اي مال الصغير ومثله المجنون. قال في البدائع: ان البلوغ والعقل ليسا من شرائط الوجوب في قولهما۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۱۶ كتاب الاضحية)

عـه: البتہ کہ علماء نے نابالغ اور مجنون کے مال پر قربانی کے عدم وجوب کو راجح قرار دیا ہے (مرتب)

(وقال ابو حنیفة) یجوز عنه (وعندهما) عن الکل استحساناً لقصد القربة من الکل۔ (رد المحتار علی صدر الدر المختار ج ۶ ص ۳۲۶ کتاب الاضحیة) [1]

بلا عذر شرعی قربانی چھوڑ دینا

سوال: قربانی واجب ہونے کے باوجود بلا عذر شرعی چھوڑ دی جائے اور قربانی کے ایام گذر جائیں تو پشیمانی کے احساس کے طور پر کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: قربانی واجب شرعی ہے بلا عذر ترک کرنا موجب گناہ ہے تاہم قربانی کے دن گذرنے کے بعد اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسکی طرف سے قبول کرے، اور اگر کوئی قربانی کو اپنے اوپر خود واجب کرے یا فقیر قربانی کے لیے جانور خریدے تو اس صورت میں زندہ جانور کو صدقہ کر دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانی: ولو لم یضح حتی مضت ایام النحر ان کان اوجب علی نفسه او کان فقیراً وقد اشتری الاضحیة تصدق بها حیة و ان کان غنیاً تصدق بقیمة شاة اشتری او لم یشتر لانها واجبة علی الغنی وتجب علی الفقیر بالشراء بنیته۔ (الهدایة ج ۴ ص ۴۴۳ کتاب الاضحیة) [2]

قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا بعد ازاں محض اس لالچ کی وجہ سے فروخت کرنا کہ دوسرا کم قیمت والا جانور مل جائے تو کچھ رقم کا فائدہ ہوگا، تو کیا اس صورت میں آپ

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: ولو اشترك سبعة فی بدنة فمات احدهم قبل الذبح فرضی ورثته ان یذبح عن المیت جاز استحساناً۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۷۲ کتاب الاضحیة)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۱۵ کتاب الاضحیة۔

[2] قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلی: فان مضت ولم یذبح فان کان فقیراً وقد اشتری تصدق بها حیة وان کان غنیاً تصدق بثمنها اشتراها اولا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۱۹ کتاب الاضحیة)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۰ کتاب الاضحیة۔

خریدے ہوئے جانور کو فروخت کرکے دوسرا جانور خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر قربانی کرنے والا غنی ہو اور اس پر قربانی واجب ہو تو ایسی حالت میں خریدنے سے جانور متعین نہیں ہوتا اس لیے اس حال میں تبدیلی مرخص ہے لیکن اگر قربانی نفلی ہو جو کہ خریدنے سے واجب ہو جاتی ہے پھر اس میں تبدیلی مرخص نہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ایسی صورت میں زائد رقم بچے تو اس کا تصدق کیا جائے گا، بلکہ فقہاء نے صورت اول میں بھی زائد رقم کے تصدق کو اولیٰ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي الأصل اشترى اضحية ثم باعها جاز في ظاهر الرواية ولو اشترى مثلها وضحى بها ان كانت الثانية مثل الاولى او خيرا منها جاز ولا يلزمه شيء آخر ولئن كان دون الاولى تصدق بفضل القيمتين۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۲۱ كتاب الاضحية)[1]

قربانی کے جانور سے انتفاع کا حکم

سوال:- کیا قربانی کے جانور سے دودھ لینا یا سواری کے لیے استعمال کرکے انتفاع لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قربانی کے جانور سے انتفاع لینا شرعاً درست نہیں بلکہ اس کے دودھ کو ٹھنڈے پانی سے خشک کیا جائے گا، تاہم اگر دودھ یا بال وغیرہ اجزاء سے انتفاع لیا جائے تو پھر ان اجزاء کو یا اس کی قیمت کو فقراء میں تقسیم کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله ويكره الانتفاع بلبنها) فان كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد لاجله ويتصدق به۔ (رد المحتار ج۵ ص۳۲۹ كتاب الاضحية)[2]

---

[1] وفي الهندية: رجل اشترى شاة للاضحية واوجبها بلسانه ثم اشترى اخرى جاز له بيع الاولى في قول ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وان كانت الثانية شر من الاولى وذبح الثانية فانه يتصدق بفضل ما بين القيمتين۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۴ الباب الثاني في وجوب الاضحية بالنذر)

[2] قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ: ويكره حلبها وجز صوفها قبل الذبح وينتفع به فان فعله تصدق به ...... وان في ضرعها لبن وهو يخاف عليه ينضح ضرعها بالماء البارد فان لم ينقطع تصدق به ...... ايام النحر وان بعدت حلبها ويتصدق باللبن وما اصاب من اللبن تصدق بمثله او قيمته وكذا الصوف۔ (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۲۹۴ كتاب الاضحية السادس في الانتفاع)
ومثله في خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۲۱ كتاب الاضحية۔

قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقہ

سوال:۔ شریعت مقدسہ میں قربانی کے گوشت کو حصہ داروں اور فقراء میں تقسیم کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور میں حصہ داروں کو جائز رکھا ہے لہٰذا گوشت کو شرکاء آپس میں اپنے طریقے سے تقسیم کریں جس میں کسی کی حق تلفی کا امکان نہ ہو تاہم فقراء پر صدقہ کے لیے وزن کرنا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة فخر الدین حسن بن منصور الفرغانیؒ: جماعة ضحوا ببقرة واقتسموا لحمها وزنًا جاز لأن بیع اللحم باللحم وزنًا بمثل جائز فکذا القسمة فان اقتسموا جزافًا لا یجوز اعتبارًا بالبیع۔ (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۳۵۱ فصل فیما یجوز فی الضحایا... الخ) [1]

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا

سوال:۔ کیا قربانی کا سارا گوشت خود رکھا جا سکتا ہے یا تین حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟ اس کی تقسیم کے صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا مندوب ہے۔ ایک حصہ فقراء پر تقسیم کیا جائے، دوسرا حصہ عزیز و اقرباء کو کھلایا جائے اور تیسرا حصہ اپنے لیے رکھا جائے، تاہم اگر سارا گوشت صدقہ کر دیا جائے یا اپنے لیے ذخیرہ کر لیا جائے تو بھی مرخص ہے۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: والأفضل أن یتصدق بالثلث ویتخذ الثلث ضیافة لأقاربه وأصدقائه ویدخر الثلث۔ ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس الکل لنفسه جاز۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۸۱) [2]

---

[1] قال العلامة شمس الدین محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ: ویقسم اللحم وزنًا لا جزافًا۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۱۷ کتاب الاضحیة)

ومثله فی الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۲۹۲ الرابع فیما یتعلق من الاضحیة۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: والأفضل أن یتصدق بالثلث ویتخذ ثلثا ضیافة لأقاربه وأصدقائه ویدخر الثلث ویستحب ان یأکل منها ولو حبس الکل لنفسه جاز لأن القربة فی الاراقة والتصدق باللحم تطوع۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۸ کتاب الاضحیة)

ومثله فی الهندیة ج۵ ص۳۰۰ الباب فیما یستحب من الاضحیة۔

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال:- کیا میت کی طرف سے کی گئی قربانی کا گوشت خود کھایا جا سکتا ہے یا صدقہ کرنا لازمی ہے؟

جواب:- اموات کی طرف سے ذبح شدہ قربانی کے جانور کا گوشت خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے لیکن قربانی میت کی وصیت سے نذر کی گئی ہو تو وصیت کی صورت میں صدقہ کرنا لازمی ہے۔

لما قال العلامة قاضي خانؒ: ولو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز وله أن يتناول منه ولا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت ... وإن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه ولا يتناول منه لأن الأضحية عن الميت. (الفتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۳ ص۳۵۲ فصل فيما يجوز في الأضحية وما لا يجوز) له

نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا حکم

سوال:- نذر کی ہوئی قربانی کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ کیا قربانی کرنے والا اس میں سے خود کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- نذر کی ہوئی قربانی بھی قربت الی اللہ کا ذریعہ ہے لیکن نذر والی قربانی کا گوشت نذر کی وجہ سے خود نہیں کھا سکتا بلکہ تمام گوشت فقراء میں تقسیم کرنا لازمی ہوگا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولو نذر ... فتصدق بعينها ... تصدق بقيمتها ايضا ولا يأكل الناذر منها فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل. وفي حاشية رد المحتار: أي فقيرا كان أو غنيا ... وإن ذبحها لا يأكل منها. (رد المحتار ج۶ ص... كتاب الأضحية) له

له قال العلامة ابن عابدينؒ: من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح. قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل. (رد المحتار ج۶ ص۳۳۶ كتاب الأضحية) — ومثله في خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۱۶ كتاب الأضحية.

له قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: وإن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا ولا أن يطعم غيره من الأغنياء سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل من صدقته ولا أن يطعم الأغنياء. (تبيين الحقائق ج۶ ص... كتاب الأضحية)
ومثله في الهندية ج۵ ص... الباب الخامس في محل إقامة الواجب۔

چرمِ قربانی کا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنا

سوال:- چرم قربانی یا اسکی قیمت مسجد، مدرسہ یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- چرم قربانی از قبیل تطوعات ہے اس لیے بعینہٖ کھال کو مسجد، مدرسہ یا رفاہ عامہ کے کاموں یا اغنیاء کو تملیکاً دینا اور استعمال کرنا شرعاً مباح ہے البتہ کھال کی قیمت کا مصرف صرف فقراء و مساکین ہیں اس کے علاوہ دیگر امور میں استعمال کرنا ناجائز عمل ہے تاہم اگر بعینہٖ کھال کسی غنی کو تملیکاً بغیر توکیل وحیلہ کے حوالے کی جائے تو غنی کا اپنی طرف سے کھال کی قیمت مسجد یا مدرسہ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: (ويتصدق بجلدها او يعمل منه نحو غربال وجراب وقربة وسفرة ودلو او يبدله بما ينتفع به باقياً) كما مر (لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه) كدراهم (فان بيع اللحم او الجلد به) اي بمستهلك (او بدراهم تصدق بثمنه)۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۲۸ كتاب الاضحية) لہ

صاحبِ نصاب کو چرمِ قربانی دینا جائز ہے

سوال: کیا صاحبِ نصاب امام مسجد یا دیگر اشخاص کو چرم قربانی دینا یا خود استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- راجح اور مفتیٰ بہ قول کی رو سے چرم قربانی صدقاتِ نافلہ کے زمرے میں ہے اس لیے بعینہٖ چرم قربانی کو خود استعمال کرنا اور اپنی اولاد یا دیگر

لہ لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ويجوز الانتفاع بجلد الاضحية والهدي والمتعة والتطوع بان يتخذه فروا او بساطا او جرابا او غربالا وله ان يشتري بمتاع البيت كالغربال والجراب والخف ولا يشتري به الخل والملح واللحم ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۳۲۳ كتاب الاضحية)

ومثله في الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۲۹۶ السادس في الانتفاع كتاب الاضحية

اغنیاء کو دینا شرعاً درست ہے۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: (ویتصدق بجلدہا او یعمل منہ نحو غربال وجراب) وقربۃ وسفرۃ ودلو (او یبدلہ بما ینتفع بہ باقیاً)۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۸ کتاب الاضحیۃ)[1]

قربانی کا گوشت اُجرت میں دینا جائز نہیں

سوال:۔ اگر قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور صاف کرتے وقت کسی شخص سے مدد لی جائے اور پھر اس کو گوشت یا چمڑا اجرت یا حق الخدمت کے طور پر دیا جائے تو اس سے قربانی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ قربانی کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے اراقۃ الدم (خون بہانے) تک محدود ہے، تاہم ایسے مقدس فعل میں کسی قول یا خودغرضی کا شائبہ ہونا اس کے فلسفہ سے متصادم ہے، اس لیے قربانی کے کسی جزء کو ذاتی مقاصد کے لیے فروخت کرنا یا کسی کو حق الخدمت میں دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

قال العلامۃ شمس الدین محمد بن عبداللہ التمرتاشیؒ: (ولا یعطی اجر الجزار منہا) لانہ کبیع۔
(تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۲۸ کتاب الاضحیۃ)[2]

داغدار جانور کی قربانی کا حکم

سوال:۔ داغدار جانور کی قربانی کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ داغ، دھبہ ایسے عیوب نہیں جو قربانی کرنے سے مانع ہوں لہٰذا داغدار

---

[1] لما قال الامام شیخ الاسلام ابوبکر الحدادی الیمنیؒ: (قولہ ویتصدق بجلدہا) لانہ جزء منہا (قولہ او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت) کالنطع والجراب والغربال ولان لہ ان یتخذ منہ فرواً لنفسہ۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب الاضحیۃ)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۸ کتاب الاضحیۃ۔

[2] قال العلامۃ علاؤ الدین ابوبکر الکاسانیؒ: ولا یعطی اجر الجزار والذابح منہا۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۸۱ کتاب الاضحیۃ)

ومثلہ فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۵ ص ۱۸ کتاب الاضحیۃ۔

جانور کی قربانی صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والتی بها کیٌّ والتی لا ینزل لها لبن من غیر علة والتی لها ولد یجوز۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۲۱ کتاب الاضحیة)[1]

نکیل والے جانور کی قربانی کا حکم

سوال: کسی جانور کی ناک میں نکیل ڈالنے سے قربانی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کے جانور میں کسی عضو کا ثلث سے زیادہ عیب دار ہونا قربانی پر اثر انداز ہوتا ہے، ثلث یا ثلث سے کم قربانی سے مانع نہیں، چونکہ نکیل ڈالنے سے جانور کی ناک میں معمولی سا سوراخ ہو جاتا ہے جس کا قربانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما قال الامام المجتهد ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ: وان قطع من الذنب والاذن والالیة الثلث او اقل اجزأه وان کان اکثر لم یجزه۔ (الجامع الصغیر ص۳۲۸ کتاب الاضحیة)[2]

سینگ کا ٹوٹ جانا مانع قربانی نہیں

سوال: اگر کسی جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ جائیں تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعت مقدسہ نے قربانی کے جانور میں اس عیب کو معیوب قرار دیا ہے جو جانور کے منافع اور خوبصورتی میں رکاوٹ بنتا ہو، چنانچہ سینگ جانور کا ایسا جز نہیں جس کے نہ ہونے کی وجہ سے جانور کے منافع یا خوبصورتی میں فرق آتا ہو، لہٰذا اس قسم کے جانور کی قربانی میں شرعاً کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سینگ دماغ کی ہڈی

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: تجوز التضحیة بالمجبوب..... والتی بها کیٌّ والتی لا لسان لها فی الغنم۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۲۵ کتاب الاضحیة)

ومثله فی الهندیة ج۵ ص۲۹۷ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب۔

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: وان قطع من الذنب او الاذن او العین او الالیة الثلث او اقل اجزأه وان کان اکثر لم یجزه لان الثلث تنفذ فیه الوصیة من غیر رضا الورثة فاعتبر قلیلاً۔ (الهدایة ج۴ ص۴۴۵ کتاب الاضحیة)

ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۳۲۳ کتاب الاضحیة۔

تک نہ ٹوٹا ہو۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ ویضحی بالجماء) ھی التی لا قرن لہا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب قرنہا بالکسر ان لم یبلغ المخ لم یجز۔
(رد المحتار ج۶ ص۳۲۳ کتاب الاضحیۃ)[1]

حاملہ جانور کی قربانی کا حکم

سوال:۔ اگر قربانی کے لیے خریدا گیا جانور (گائے، بکری وغیرہ) حاملہ نکل آئے تو کیا اس کی قربانی جائز ہے یا اس کو تبدیل کیا جائے گا؟

الجواب:۔ شریعت مطہرہ میں عیب دار جانور کی قربانی صحیح نہیں لیکن حمل کوئی ایسا عیب نہیں جو قربانی سے مانع بنے، تاہم چونکہ اس میں بلا ضرورت ایک دوسری جان کا ضیاع ہے اس لیے حاملہ کی قربانی کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال العلامۃ جلال الدین الخوارزمیؒ: رجل لہ شاۃ حامل فاراد ذبحہا تقارب الولادۃ یکرہ ذبحہا لان فیہ تضییع لما فی بطنہا من غیر فائدۃ۔
(الکفایۃ شرح الھدایۃ فی ذیل فتح القدیر ج۸ ص۴۳۵ کتاب الاضحیۃ)[2]

خنثیٰ مشکل جانور کی قربانی کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! خنثیٰ مشکل جانور کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس جانور کے نر یا مادہ ہونے کی تمیز مشکل ہو اور دونوں کی علامات موجود ہوں تو چونکہ ایسے جانور کے گوشت کے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے اس لیے

---

[1] قال العلامۃ ابو بکر الکاسانیؒ: وتجزی الجماء وھی التی لا قرن لہا خلقۃ وکذا المکسورۃ القرن ...... فان بلغ الکسر المشاش لا تجزیہ المشاش رؤس العظام۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۷۵ کتاب الاضحیۃ)
ومثلہ فی الھدایۃ ج۴ ص۴۴۸ کتاب الاضحیۃ۔

[2] قال العلامۃ المحقق محمد الشہیر بالطوریؒ: ویکرہ ذبح الشاۃ اذا تقارب ولادتہا لانہ یضیع ما فی بطنہا۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۷۸ کتاب الاضحیۃ)
ومثلہ فی رد المحتار ج۶ ص۳۰۳ کتاب الذبائح۔

ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ : ولا بالخنثیٰ لان لحمها لا ینضج۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص۳۲۵ کتاب الاضحیة) [1]

خصی جانور کی قربانی کا حکم

سوال :۔ شریعت مقدسہ میں خصی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ جانور کے اخصاء سے اس کے گوشت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس لیے خصی جانور کی قربانی نہ صرف جائز ہے بلکہ فقہاء نے مستحب کہا ہے ۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی الحدادی الیمنیؒ : قوله یجوز ان یضحی ...... والخصی لانه اطیب لحما من غیر الخصی ۔ قال ابو حنیفةؒ ما زاد فی لحمه انفع مما ذهب من خصیته ۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص۲۸۵ کتاب الاضحیة) [2]

قربانی کیلئے جانور خرید کر موٹا کرنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص دس ذی الحجہ سے دو تین ماہ قبل قربانی کے لیے جانور خریدے اور پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرے تو کیا اس شخص کو اس عمل کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ قربانی کے لیے پہلے سے جانور خریدنا اور پھر اس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنا مستحب اور باعث اجر و ثواب عمل ہے ۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ : (الجواب) قربانی کا جانور پہلے سے خریدنا اور اس کو موٹا تازہ کرنا مستحب ہے الخ (امداد الاحکام جلد ۴ ص۱۹۰ کتاب الصید والذبائح والاضحیة)

---

[1] لما ذکر فی الهندیة : لا تجوز التضحیة بالشاة الخنثیٰ لان لحمها لا ینضج۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۲۹۹ الباب الخامس فی محل اقامة الواجب)

[2] لما ورد فی الحدیث : عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی صلی الله علیه وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین ۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص۳۸۲ کتاب الضحایا)
ومثله فی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص۸۰ کتاب الاضحیة ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربانی کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرے تو یہ قربانی ہو جائے گی یا نہیں اور اس میں ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ درست ہے اور اس میں ثواب بھی ہوتا ہے اور اس کے گوشت کا حکم اپنی قربانی کے گوشت جیسا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۵۸۹ کتاب قربانی اور عقیقہ کے مسائل)

قربانی کے جانور کے دانت دیکھنا

سوال:۔ ہمارے علاقے کے اکثر لوگ قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کے دانت ضرور دیکھتے ہیں اگر کسی جانور کے سامنے والے دو دانت نہ نکلے ہوں تو اس کو قربانی کے لیے نہیں خریدتے چاہے اس جانور کی عمر پوری ہی کیوں نہ ہو۔ تو کیا قربانی کرنے کے لیے جانور کے سامنے کے دو دانتوں کا نکل آنا ضروری ہے یا نہیں؟ وضاحت سے اس مسئلے کو بیان فرمایا جائے۔

الجواب:۔ علماء احناف کے نزدیک قربانی کے لیے جو جانور متعین کیا جائے اس کی عمر کا خیال رکھنا ضروری ہے دانتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو تو اس کی قربانی بلاشک وشبہ جائز ہے چاہے اس کے دانت نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں، چونکہ اس عمر میں عموماً جانوروں کے دانت نکل آتے ہیں اس لیے بطور علامت دیکھے جاتے ہیں۔ ویسے آجکل دھوکہ دہی کا عام رواج ہے لوگ چند پیسوں کی خاطر کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کم عمر جانور کی عمر پوری بتاتے ہیں اس لیے دانتوں کا دیکھنا مناسب ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وصح الجذع ذو ستۃ اشھر من الضأن ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لا یمکن التمییز من بعید وصح الثنی فصاعدا من الثلاثۃ والثنی ھو ابن خمس من الابل وحولین من البقر والجاموس وحول من الشاۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۲۱، ۳۲۲ کتاب الاضحیۃ)[۱]

---

[۱] قال الشیخ المفتی عبد الرحیم: عمر پوری ہونی ضروری ہے دانت کی علامت ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ جلد ۶ ص۱۸۴ کتاب الاضحیہ)

عقیقہ کی مشروعیت کا فلسفہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! عقیقہ کی مشروعیت کا کیا فلسفہ ہے، اسلام نے اس کا کیوں حکم دیا ہے؟ تفصیلاً وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- اسلامی شریعت کی مشروعیت میں بعض حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں، عقیقہ کی مشروعیت اور ساتویں دن کی رعایت کی بعض حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں، نفس مشروعیت کی حکمتوں اور فلسفوں کی طرف فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ:-

وكان فيه مصالح كثيرة راجعة الى المصلحة الملية والمدنية والنفسية فابقاها النبي ﷺ وعمل بها ورغب الناس فيها. (حجة الله البالغة ج۲ ص۱۴۴)

(ترجمہ) عقیقہ میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کا تعلق مصالح نفسیہ مدنیہ اور ملیہ سے تھا ان مصالح کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو باقی رکھا خود بھی اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی رغبت دلائی۔

عقیقہ کے فوائد کے متعلق حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

(۱) ایک فائدہ تو یہ ہے کہ معاشرہ میں بچے کا باپ سے نسب کا متعارف کرانا ایک ضروری امر ہے تاکہ معاشرہ والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اور کوئی شخص اس کے متعلق بیہودہ بات نہ کہہ سکے اس کے تعارف کے لیے ایک صورت یہ بھی تھی کہ یہ شخص خود گلی کوچوں میں پکارتا پھرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات نامناسب تھی اس لئے جب لوگوں کو عقیقہ پر بلایا جائے یا ان کے پاس گوشت بھیجا جائے تو اس وجہ سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔

(۲):- عقیقہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان میں سخاوت کا مادہ پیدا ہوتا ہے، بخل اور کنجوسی جیسی مذموم صفت سے بچنے کی ایک تدبیر ہے جو انسان کی خوبی شمار ہوتی ہے۔

عقیقہ کے مذہبی اور ملی فائدے:- عقیقہ کے مذہبی اور ملی فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں ملت ابراہیمی سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ عیسائیوں کے ہاں بچہ پیدا ہونے پر زرد رنگ کے پانی میں اس کو رنگ دیا جاتا ہے جس کو یہ لوگ معمودیہ (بپتسمہ) کہتے ہیں اور اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۸)

ترجمہ: ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا ہے اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور ہم تو اسی کے پرستار ہیں۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی نسبت ملت ابراہیمی سے واضح کریں، مسلمانوں
کے عام معاشرتی افعال میں ایسے طریقے ہونے چاہئیں جن سے ملت ابراہیمی کا تعلق معلوم ہوتا ہو، ملت
ابراہیمی میں یہ متعارف تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی جگہ ایک دنبہ ذبح کیا تھا۔

علاوہ ازیں مشہور افعال میں سے حج بھی ہے جس میں ذبح کرنا اور بال منڈوانا [illegible] ہے۔
تو عقیقہ کرنے سے ملت ابراہیمی کے ان متعارف افعال اور امور سے نسبت پیدا ہوتی ہے اس لیے
مذہبی تعلق کے مظاہرہ کے لیے ایک عظیم صورت ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس میں
تابعداری اور انقیاد کا ایک نمونہ ہے کیونکہ بچے کی پیدائش پر اس عقیقہ سے ایسا ہی ہوا جیسا کہ اس نے
اپنا بیٹا ہی اس کے دربار میں پیش کیا ہو، اتباع اور فرمانبرداری کی معراج ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۴)

عقیقہ کرنے میں ایک حکمت اور راز یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنا بچہ بڑا پیارا ہوتا ہے، بچے کی پیدائش
پر والدین کو بہت ہی خوشی ہوتی ہے اور مستقبل کی امیدوں کی سوچ و فکر سے گھر کا ہر فرد خوشی کی وجہ سے
اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا، ہر ایک کا دل فرحت و سرور سے لبریز ہوتا ہے اس کے لیے
ضروری ہے کہ بطور شکر کچھ تصدق ہو اور تصدق کی بہترین صورت یہ قربانی یعنی عقیقہ ہے۔
([illegible] ص ۲۹۵ [illegible])

عقیقہ کے فوائد میں سے اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ عقیقہ کا گوشت فقراء اور مساکین
دوستوں اور رشتہ داروں کو پیٹ بھر کر کھلانے سے طبعی طور پر ان کے دلوں سے دعائیں
نکلیں گی جس سے بچہ کا مستقبل روشن ہوگا، عقیقہ فقراء اور مساکین، دوست و احباب
کی دعاؤں کے حصول کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

تسمیہ کی رعایت کا فلسفہ | یہ بات ثابت ہے کہ عقیقہ میں بہتر یہ ہے کہ یہ
بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ہو، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کے متعلق فرماتے
ہیں کہ اگر بچہ کی پیدائش کے وقت یہ ضروری قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس سے بچے کے
والدین کو تکلیف ہو کیونکہ اس وقت ایک تو گھر کے لوگ بچہ اور اس کی ماں کی خبر گیری میں
مصروف اور مشغول ہوتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو عقیقہ کا حکم کرنا ان کے لیے کہیں تکلیف
کا باعث نہ بنے، علاوہ ازیں ایسے اوقات میں کبھی کبھار جانور ملنے میں بھی دشواری ہوتی ہے
نیز ولادت کی صورت میں پورا گھرانہ ان تمام مشکلات سے دوچار ہوگا، اس لیے مسنون یہ ہے کہ عقیقہ
ساتویں دن ہو جس کے لیے ایک مدت قابل اعتماد مدت ہے (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۴)

عقیقہ کے لیے جانور متعین کرنے کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص عقیقہ کے لیے کوئی جانور متعین کردے مگر زیادہ قیمت ملنے کے لالچ یا کسی اور فائدہ کی غرض سے وہ شخص اسے فروخت کرکے کوئی دوسرا جانور ذبح کردے تو کیا اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: عقیقہ چونکہ شرعاً واجب نہیں اس لیے اگر کسی شخص نے عقیقہ کے لیے کوئی جانور متعین کیا لیکن بعد میں اس نے کسی وجہ سے دوسرا جانور ذبح کیا تو اس سے عقیقہ کی سنت ادا ہوگئی، متعین کردہ جانور ذبح کرنا ضروری نہیں۔

مردہ بچے کے عقیقہ کا حکم

سوال: اگر کوئی بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد فوت ہوجائے تو کیا اس بچے کا عقیقہ کرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرنا مستحب ہے لیکن یہ استحباب صرف زندہ بچے تک محدود ہے مردہ بچے کے عقیقہ کا استحباب ثابت نہیں۔

لما قال الشیخ المفتی عبدالرحیمؒ: مرحوم بچے کے عقیقہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ جلد۲ ص۲۴۲ کتاب الاضحیہ)

بچے کا عقیقہ کس پر ہے

سوال: بچے کا عقیقہ کرنا والدین میں سے کس کے ذمے لازم ہے؟

الجواب: بچے کا نان و نفقہ والدین میں سے جس کے ذمے واجب ہو تو استطاعت ہونے کی صورت میں بچے کا عقیقہ کرنا بھی اسی پر لازم ہے، عدم استطاعت ہونے کی صورت میں کسی کے ذمے لازم نہیں۔

لما قال الشیخ المفتی عبدالرحیم: جس کے ذمے بچہ کا نفقہ واجب ہے اسی کے ذمہ عقیقہ بھی ہے، باپ کی حیثیت نہ ہو تو ماں عقیقہ کرے۔

(فتاوی رحیمیہ جلد ۲ ص۲۴۵ کتاب الاضحیہ)

قربانی اور مسائل عید قربان

> دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء سے ماہنامہ الحق میں افادۂ عام کے لیے "قربانی اور مسائل عید قربان" کے عنوان سے یہ مضمون شائع ہوا تھا۔ فتاویٰ اور مسائل کی مناسبت سے یہاں درج کیا جاتا ہے ——— مرتب ———

قربانی اور قرآن

قربانی اسلام کی اہم یادگار عبادت ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مرتبہ، آٹھ سورتوں میں خداوند کریم نے قربانی اور متعلقات قربانی اس کی اہمیت اور حکمت و فلسفہ مختلف آیتوں میں اس شکل و صورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور امت مسلمہ ملت ابراہیمی کے لیے اسے دینی شعار اور امتیازی نشان قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ (سورۃ الحج ۳۴)

(ترجمہ) اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دیئے گئے مویشیوں پر اللہ کا نام ذکر کریں۔ جیسا کہ آیت کریمہ سے واضح ہے، یہاں منسک سے مراد ذبح کرنا (قربانی دینا) ہے۔ محققین اور تمام اکابر مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (تفسیر سراج المنیر، فتح القدیر للشوکانی وغیرہ)

قربانی کی حکمت اور فوائد کے بارے میں ارشاد باری ہے:

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (سورۃ الحج آیت ۳۷)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا مگر اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

سورۃ الکوثر میں واضح اور قطعی حکم ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر) (ترجمہ) پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قربانی اور حدیث

(۱) عن ابن عمرؓ قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی۔ (جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۸۲ ابواب الاضاحی)

(ترجمہ) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ منورہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے۔

الروایۃ و بہ المفتی[۱۰] (۳) قربانی یعنی جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو اس پر عید کے دن صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے چاہے وہ مال تجارت کا نہ ہو اور چاہے اس پر پورا سال گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ (بہشتی زیور)[۱۱]

قربانی کے جانور

اونٹ، گائے، بکری کی تمام انواع نر، مادہ، خصی، غیر خصی کی قربانی ہو سکتی ہے بھینس گائے میں شامل ہے اور بھیڑ دنبہ بکری میں۔ گائے، بھینس، اونٹ میں سات آدمی بھی شریک کر سکتے ہیں بشرطیکہ کسی کا ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ اگر کسی گائے یا اونٹ میں سات یا اس سے کم آدمی شریک ہوئے تو سب کی قربانی درست ہے اور اگر آٹھ یا زیادہ ہوئے تو سب کی قربانی نہ ہوگی[۱۲]

جانور کی عمر

اونٹ پانچ سال کا، گائے بھینس دو سال کی، بکری ایک سال کی۔ اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں اگر دنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو چھ مہینے کی عمر والے کی بھی قربانی درست ہے[۱۳]

کانے اور اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اگر ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا یا دم تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی یا پیدائشی نہ ہوں تو قربانی درست نہیں۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو یا ایسا لنگڑا جو تین پاؤں سے چل سکتا ہے چوتھا پاؤں رکھ نہیں سکتا یا اس سے چل نہیں سکتا اس کی قربانی درست نہیں۔ جس کے سامنے یا آدھے سے زیادہ دانت نہ ہوں اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں مگر جڑیں سالم نہ ہوں یا خصی ہو اس کی قربانی درست ہے[۱۴]

خنثیٰ جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلالہ جو صرف غلیظ چیز کھاتا ہو یا جس کی ناک کٹی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ اور اگر جانور خریدنے کے بعد ایسا کوئی عیب پیدا ہو تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور خریدے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہ ہو تو اس کے واسطے درست ہے کہ وہی قربانی کر دے[۱۴]

قربانی کے اوقات

(۱) قربانی کا وقت بقر عید یعنی دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ پہلا دن دس ذی الحجہ سب سے افضل ہے پھر گیارہ ذی الحجہ پھر بارہ ذی الحجہ کا درجہ ہے[۱۵]

(۲) بقر عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں۔ ہاں دیہات یا قصبوں والے جہاں

میں سے کھانا یا کھلانا اور بانٹنا سب درست ہے جس طرح نفلی قربانی کا حکم ہے۔ (بہشتی زیور)[۲۹]

تکبیرات تشریق | نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک تشریق کے دنوں میں ہر نماز کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے اگر زیادہ بار کہے تو افضل ہے اسے تکبیر تشریق کہتے ہیں جو یہ ہے: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

عید کی سنتیں | حجامت بنوانا، غسل کرنا، اچھے سے اچھا لباس پہننا جو میسر ہو، سرمہ لگانا، جو میسر ہو تو خوشبو لگانا۔ اس عید میں نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا چاہئے بلکہ افضل یہ ہے کہ واپس آکر قربانی کرے اور اس کا گوشت کھائے۔ اس عید میں عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے یہ تکبیر پڑھے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ عیدگاہ میں وقت سے پہلے جانا اور شروع صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنا، واپسی پر عیدگاہ سے جس راستے سے گیا تھا اس کی بجائے دوسرے راستے سے آنا بھی مستحب ہے۔

نماز عید کی نیت | دو رکعت نماز عید الاضحیٰ مع چھ تکبیرات واجب کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ طرف قبلہ شریف کے، پیچھے اس امام کے۔

پہلی رکعت میں ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے امام صاحب تین بار اللہ اکبر کہیں گے، مقتدی بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں، پہلی دو بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں اور حسب معمول امام صاحب کے ساتھ رکعت پوری کریں۔ دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین بار تکبیرات کہیں گے، مقتدی حسب سابق اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں، چوتھی بار اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

توجہ | نماز عید کے بعد خطبہ ہوتا ہے جس کا سننا واجب ہے، کچھ لوگ خطبہ ختم ہونے سے پہلے عیدگاہ سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں [illegible] خطبہ ختم ہونے تک اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

۱؎ عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یذبح او ینحر بالمصلّٰی۔ (سنن النسائی ج ۲ ص [illegible] باب ذبح الامام اضحیتہ بالمصلّٰی)

۲؎ عن انسؓ قال ضحی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین اقرنین ذبحهما

بيده ويسمّي ويكبّر ووضع رجله على صفاحهما. (صحيح بخاري ج ٢ ص ٨٣٥
باب التكبير عند الذبح — سنن النسائي ج ٢ ص ٢٠٣ باب الكبش كتاب الاضحية)

٣ عن عائشةؓ ان النبي صلى الله عليه وسلم دخل عليها وحاضت بسرف قبل ان تدخل مكة وهي تبكي فقال ما لكِ أنفستِ قالت نعم قال ان هذا امر كتبه الله على بنات آدم فاقضي ما يقضي الحاج غير ان لا تطوفي بالبيت فلما كنا بمنىً أتيت بلحم بقر فقلت ما هذا قالوا ضحّى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ازواجه بالبقر. (صحيح بخاري ج ٢ ص ٨٣٢ باب الاضحية للمسافر والنساء)

٤ عن مخنف بن سليم قال كنا وقوفا عند النبي صلى الله عليه وسلم بعرفة فقال يا ايها الناس ان على كل اهل بيت في كل عام اضحية وعتيرة أتدرون ما العتيرة هي التي يسميها الناس الرجبية.

(ابن ماجه ص ٢٢٦ باب الاضاحي واجبة ام لا)

٥ عن ابي هريرةؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (ابن ماجه ص ٢٢٦ باب الاضاحي واجبة ام لا)

٦ عن زيد بن ارقمؓ قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم عليه السلام.

(مشكوٰة ج ١ ص ١٢٩ باب في الاضحية. الفصل الثالث)

٧ عن عائشةؓ ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما عمل ابن آدم يوم النحر عملا احب الى الله عز وجل من هراقة دم وانه ليأتي يوم القيامة بقرونها واظلافها واشعارها وان الدم ليقع من الله عز وجل بمكان قبل ان يقع بالارض فطيبوا بها نفسا. (ابن ماجه ص ٢٢٦ باب ثواب الاضحية)

٨ عن زيد بن ارقمؓ قال قال اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله ما هذه الاضاحي قال سنة ابيكم ابراهيم قالوا فما لنا فيها يا رسول الله قال بكل شعرة حسنة قالوا فالصوف يا رسول الله قال بكل شعرة من الصوف حسنة.

(ابن ماجه ص ٢٢٦)

٩ قال العلامة الكاسانيؒ يشترط وجوب قربانى، الاسلام، الاقامة، حرية

ولا تجب على الصبي في ظاهر الرواية ولكن الافضل ان يفعل ذلك۔

(بدائع الصنائع ج۵ ص۶۴ كتاب الاضحية)

؎ بہشتی زیور ص۲۵ حصہ تیسرا

؎ قال العلامة الزيلعيؒ: (والاضحية من الابل والبقر والغنم) لان جواز التضحية بهذه الاشياء عرف شرعاً بالنص على خلاف القياس فيقتصر عليها۔

(تبيين الحقائق ج۶ ص۷ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاسانيؒ: ويدخل في كل جنس نوعه والذكر والانثى منه الى قوله والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر بدليل انه يضم ذلك الى الغنم والبقر في باب الزكوٰة۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۶۹ كتاب الاضحية)

قال العلامة الكاسانيؒ: ولا يجوز بعير واحد ولا بقرة واحدة عن اكثر من سبعة ويجوز ذلك عن سبعة۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۷۰ كتاب الاضحية)

؎ لما في الهندية: فلا يجوز شيء مما ذكرنا من الابل والبقر والغنم عن الاضحية الا الثني من كل جنس والا الجذع من الضأن خاصة اذا كان عظيماً الى قوله قالوا الجذع من الغنم ابن ستة اشهر والثني ابن سنة والجذع من البقر ابن سنة والثني منه ابن سنتين والجذع من الابل ابن اربع سنين والثني ابن خمس۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۷ الباب الخامس)

؎ لما في الهندية: ولا تجزئ العمياء والعوراء البين عورها الى قوله ولو ذهب بعض هذه الاعضاء دون بعض من الاذن والالية والذنب والعين۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۸ الباب الخامس)

وفي جامع الجوامع: اذا كان ذهب الثلث او اقل جاز وان كان اكثر من الثلث لا يجوز۔ وروي عن ابي يوسف رحمه الله انه ان كان ذهب الثلث لا يجوز وان كان اقل من ذلك جاز۔ وقال ابو يوسف رحمه الله ذكرت لابي حنيفة رحمه الله فقال قولي مثل ذلك۔ (الفتاوى الهندية ج۵ ص۲۹۸ الباب الخامس كتاب الاضحية)

قال العلامة التمرتاشيؒ: فلو مهزولة لم يجز الى قوله المهزولة التي لا مخ في عظامها۔ (شرح تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۵ ص۲۲۳ كتاب الاضحية)

۱۲ه قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا بالخنثى لان لحمها لا ينضج. (شرح تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۸ کتاب الاضحية)

قال العلامة ابن عابدینؒ: والعجفاء التي تمشي بثلاثة قوائم وتجافي الرابع عن الارض لا تجوز الاضحية بها (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۷۷ کتاب الاضحية)

قال المرغينانیؒ: واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فعن ابي يوسفؒ انه يعتبر في الاسنان الكثرة والقلة وعنه ان بقي ما يمكن الاعتلاف به اجزأه۔
ويجوز ان يضحي بالجماء وهي التي لا قرن لها لان القرن لا يتعلق به مقصود وكذا مكسورة القرن لما قلنا والخصي لان لحمها اطيب. (الهداية ج ۴ ص ۴۴۸ کتاب الاضحية)

قال الحصكفیؒ: واشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع من التضحية كان عليه ان يقيم غيرها مقامها ان كان غنيا وان كان فقيرا يجزيه ذلك لان الوجوب على الغني بالشرع ابتداء لا بالشراء۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۹ کتاب الاضحية)

۱۵ه قال العلامة الكاسانیؒ: فلا يجوز لاحد ان يضحي قبل طلوع الفجر الثاني من اليوم الاول من ايام النحر. (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۷۳ کتاب الاضحية)

۱۶ه وايام النحر ثلاثة يوم الاضحى وهو يوم العاشر من ذي الحجة الخ۔
(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۵ کتاب الاضحية)

۱۷ه والمستحب ذبحها بالنهار دون الليل لانه امكن لاستقصاء العروق كذا في الجوهرة النيرة۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۹۶ کتاب الاضحية)

۱۸ه لما في الهندية: ولو كان معسرا في اول الوقت ثم ايسر في آخره تجب عليه۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۹۳ کتاب الاضحية. باب محل الوجوب)

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ: ولو جاء يوم الاضحى ولا مال له ثم استفاد مائتي درهم ولا دين عليه وجبت الاضحية۔
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۰۹ کتاب الاضحية)

لما في الهندية: وهكذا لو كان فقيرا في اول الوقت ثم ايسر في آخره تجب عليه۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۹۲ کتاب الاضحية باب محل الوجوب)

۱۹ لما في الهندية : والافضل ان يذبح اضحيته بيده ان كان يحسن الذبح لان الاولى في القربات ان يتولى بنفسه وان كان لا يحسن الذبح فالافضل ان يستعين بغيره ولكن ينبغي ان يشهدها بنفسه ۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۰۰ كتاب الاضحية الباب الخامس)

۲۰ عن جابر قال ذبح النبي صلى الله عليه وسلم يوم الذبح كبشين اقرنين املحين موجوئين فلما وجههما قال اني وجهت وجهي الخ (مشكوٰة ص ۱۲۸ كتاب الصلوٰة باب في الاضحية)

۲۱ قال العلامة ابن عابدين : ولا يشترط ان يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما في الصلوٰة ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۱۹ كتاب الاضحية)

۲۲ اذا اوجب شاة بعينها او اشتراها ليضحي بها فمضت ايام النحر قبل ان يذبحها تصدق بها حية ولا يأكل من لحمها لانه انتقل الواجب من اراقة الدم الى التصدق وان لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت ايامها تصدق بقيمة شاة تجزي للاضحية ۔
(رد المحتار ج ۵ ص ۲۲۹ كتاب الاضحية)

۲۳ قال العلامة الحصكفي : ويأكل من لحم الاضحية ويوكل غنيا ويدخر وندب ان لا ينقص التصدق عن الثلث ۔ (الدر المختار على رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۰ كتاب الاضحية)

۲۴ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري : سبعة ضحوا واردوا ان يقتسموا اللحم بينهم [illegible] اقتسموها وزنا [illegible] بجعلوا مع اللحم شيئا من السقط كالرأس والاكارع يجوز فان لم يجعلوا لا يجوز ۔
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۱۵ كتاب الاضحية)

۲۵ ولا بأس بالدراهم ليتصدقها وليس له ان يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه ۔ (خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۲ كتاب الاضحية)

۲۶ ويجوز الانتفاع بجلد الاضحية والهدي والمتعة والتطوع بان يتخذه فروا او بساطا او جرابا او غربالا الخ
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۲ كتاب الاضحية)

۲۷ لما في الهندية : ولا يحل بيع شحمها واطرافها ورأسها وصوفها

ووبرها وشعرها ولبنها الذي يحلبه منها بعد ذبحها بقدر لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه من الدراهم والدنانير والمأكولات والمشروبات ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۳۰۱ كتاب الأضحية)

۲۸ لما في الهندية: ولو ذبحها تصدق بجلالها وقلائدها كذا في السراجية۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص۳۰۱ كتاب الأضحية الباب السادس)

۲۹ قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: سئل نصير عن رجل ضحى عن الميت قال الأجر له والملك لهذا، وفي الفتاوى إن كان بأمر الميت المختار أنه لا يتناول، وقال في باب [illegible] إن ضحى بغير أمره المختار أنه يتناول۔
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص۳۱۲ كتاب الأضحية)

۳۰ لما في الهندية: أما صفته فإنه واجب، وأما عدده وماهيته فهو أن يقول مرة واحدة الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد۔
وأما شرطه فالإقامة والمصر والمكتوبة والجماعة المستحبة، وأما وقته فأوله عقيب صلوة الفجر من يوم عرفة وآخره في قول أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى عقيب صلوة العصر من آخر أيام التشريق والفتوى على قولهما۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۵۲ الباب السابع)

ويستحب يوم الفطر للرجل الاغتسال والسواك ولبس أحسن ثيابه ويستحب التختم والتطيب ويستحب في عيد الفطر أن يأكل قبل الخروج إلى المصلى الأكل قبل صلوة يوم الأضحى لا يكره لكن يستحب له أن لا يفعل ويستحب أن يكون أول تناوله من لحوم الأضاحي ويكبر في الطريق في الأضحى جهرًا۔
وكيفية صلوتهما أن ينوي صلوة العيد بقلبه ويقول بلسانه أصلي صلوة العيد لله تعالى الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۵۰ باب صلوة العيدين)

ثم يكبر للتحريمة ...... ثم يكبر الإمام والقوم تكبيرات الزوائد ثلاثًا يرفع يديه الإمام والقوم في كل منها ثم يكبر الإمام والقوم تكبيرات الزوائد ثلاثًا ويرفع يديه فيها كما في الركعة الأولى۔ (طحطاوي ص۲۹۱ باب العيدين)

كتاب
الوصية
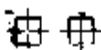
ان الله تعالى تصدق عليكم

بثلث اموالكم زيادة في

اعمالكم فضعوها حيث شئتم

کتاب الوصیۃ

(وصیت کے احکام و مسائل)

وارث کے لیے وصیت کرنا باطل ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنے کل مال کی وصیت پوتے کے لیے کر دی جبکہ اس کی پوتیاں اور بیٹیاں بھی موجود ہیں، تو کیا یہ وصیت شرعاً درست اور نافذ ہوگی یا نہیں؟ تفصیلاً جواب مطلوب ہے؟

الجواب:- ورثاء کے حقوق قانونِ وراثت کے مطابق متعین ہیں اور مورث ورثاء کو وصیت کر کے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی کا حق نہیں رکھتا، جس وارث کے لیے وصیت کی جائے اس کی تنفیذ دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اگر دیگر ورثاء اجازت نہ دیں تو وصیت کالعدم رہے گی تاہم بصورتِ اجازت وصیت پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة المرغيناني: ولا تجوز لوارثه لقوله عليه الصلوٰة والسلام: ان الله تعالىٰ اعطى كل ذي حق حقه الا لا وصية لوارث ولانه يتأذى البعض بإيثار البعض ففي تجويزه قطيعة الرحم ولانه حيف بالحديث الذي رويناه۔

(الهداية ج۴ ص۶۲۵ كتاب الوصايا) [1]

نابالغ اولاد کی شادیاں کرانے کیلئے وصیت کا حکم

سوال:- زید نے اپنی بالغ اولاد کی شادیاں کر دی ہیں، کیا وہ اپنی نابالغ اولاد کی شادی کے لیے اپنی جائیداد میں سے شرعاً کسی حصہ کی وصیت

---

[1] عن عمرو بن خارجة خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ان الله قد اعطى كل ذي حق حقه الا لا وصية لوارث۔
(سنن النسائي ج۲ ص۱۳۱ كتاب الوصايا باب ابطال الوصية للوارث)

کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- اولاد کی شادیاں کرانا والد کی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ احسان کا معاملہ ہے زندگی میں تو باپ کو اپنی جائیداد میں تصرف کا مکمل اختیار حاصل ہے لیکن مرنے کے بعد اولاد کے لیے ایسے اضافی اخراجات کی وصیت کالعدم رہے گی۔

کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام : إن اللہ اعطی کل ذی حق حقہ ألا لا وصیۃ لوارث۔
(سنن النسائی ج ۲ ص ۱۳۲ کتاب الوصایا، باب ابطال الوصیۃ للوارث) ؎

وصیت مملوکہ جائیداد میں نافذ ہے

سوال :- زید نے بکر کے لیے اپنی جائیداد میں پانچویں حصے کی وصیت کی پھر اپنے بیٹے خالد کو بعض جائیداد متفرق جگہوں میں دے دی، تاہم وفات کے وقت اس کی ملکیت میں کچھ جائیداد ضرور تھی، کیا ایسی حالت میں وصیت تمام جائیداد میں نافذ ہو گی جس میں بیٹے کو دی ہوئی جائیداد بھی شامل ہے یا صرف موت کے وقت مملوکہ جائیداد میں وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب :- وصیت درحقیقت مرنے کے وقت نافذ ہوتی ہے، اس لیے موت کے وقت جو جائیداد باقی ہو اس میں وصیت معتبر ہوگی، چونکہ موت سے قبل وصیت کرنے والا اپنی جملہ جائیداد میں مالکانہ تصرفات کا حق محفوظ رکھتا ہے اس لیے اُسے وصیت سے قولاً یا عملاً رجوع کا حق بھی حاصل ہے، لہٰذا بیٹے کو جو جائیداد زندگی میں دی ہو وہ اسی کی ملکیت ہوگی البتہ باقیماندہ جائیداد سے پانچواں حصہ موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ : ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدین۔
(السراجی ص ۳) ؎

؎ کما قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ :- ولا تجوز لوارثہ لقولہ علیہ السلام ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث۔
(الهدایۃ ج ۴ ص ۶۵۴ کتاب الوصایا)

؎ ومثلہ فی الهندیۃ : ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الکفن والدین۔
(الفتاویٰ الهندیۃ ج ۶ ص ۴۴۷ کتاب الفرائض) ومثلہ فی البزازیۃ علی ہامش الهندیۃ ج ۶ ص ۴۵۰ کتاب الفرائض۔

کل مال کے ثلث سے زائد میں وصیت معتبر نہیں

سوال:- ایک عورت نے زندگی میں اپنی کل جائیداد غیر منقولہ رائج الوقت شرعی قانون کے تحت بذریعہ تحریر محلہ کی مسجد کے لیے اس شرط کے ساتھ وقف کی کہ میری وفات تک یہ جائیداد میری رہے گی میرے مرنے کے بعد کل اثاثہ یعنی سو فیصدی تک مسجد کی ملکیت ہوگی، اور اس بات کے گواہ بھی موجود ہیں۔ جبکہ مرحومہ کے ورثاء میں ماموں زاد بھائی کی بیٹی کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے جس کے بارے میں مرحومہ نے بتایا تھا کہ میں نے اس لڑکی کو جو کچھ دینا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے دے دیا ہے اب اسے اور کچھ نہ دوں گی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مرحومہ کی موت کے بعد اس کے ترکہ سے وارثہ کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ یا اس کا جملہ اثاثہ مسجد کے لیے ہی وقف ہوگا؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں مرحومہ کا یہ وقف وصیت سے متعلق ہے اور وصیت کل مال کے ثلث سے زائد میں معتبر نہیں یعنی کل جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کا صرف ۱/۳ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا اور ۲/۳ حصہ میں وراثت جاری ہوگی کیونکہ وصیت کے ذریعے کوئی اپنے ورثاء کو میراث سے محروم نہیں کر سکتا۔

قال العلامة محمد علاء الدين آفندیؒ: الارث جبري لا يسقط بالاسقاط۔

(تکملة رد المحتار ج۱ ص۳۵۹ مطلب واقعة الفتوى - کتاب الدعوى)

قال العلامة السجاوندیؒ: وتنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين۔

(مقدمة السراجي ص۳)۔ لـه

میت کی زبانی وصیت سے مسجد پر خرچ کرنا

سوال:- زید نے وفات سے چند ماہ قبل مسجد کے لیے دس ہزار روپے دینے کا کہا تھا جن میں سے اس نے دو سو پچاس روپے مسجد پر خرچ بھی کر دیے لیکن بقیہ رقم وفات تک کسی وجہ سے خرچ نہ کر سکا تو کیا مرحوم کے ترکہ سے یہ رقم مسجد پر خرچ

له وفي الهندية: ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الكفن والدين ...... ثم يقسم الباقي بين الورثة على سهام الميراث۔

(الفتاوى الهندية ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض)

ل جائے گی یا نہیں جبکہ مرحوم کی وصیت پر گواہ بھی موجود ہیں؟

الجواب: اگر مرحوم کی وصیت کے بارے میں اس کے ورثاء اقرار کرتے ہوں یا اس پر گواہ موجود ہوں اور جائیداد متروکہ کے ثلث سے اس کی ادائیگی ممکن ہو تو اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

قال العلامة سجاوندی رحمہ اللہ: ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدین۔ (مقدمۃ السراجی ص۲) ۱؎

وصیت کی وجہ سے وارث حق میراث سے محروم نہیں ہوتا

سوال:- ایک عورت جو کہ لاولد ہے نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میری ساری جائیداد اور مکان میرے دونوں دیوروں کو برابر دی جائے کیونکہ ان دونوں نے میری بیماری پر کافی مال خرچ کیا ہے اور آئندہ بھی میری تجہیز وتکفین پر خرچ کریں گے، اس لئے میرے کسی دوسرے اقارب کو میری جائیداد میں کوئی حق حاصل نہیں، جبکہ اس کی وفات کے بعد اس کے دو چچازاد بھائی زندہ ہیں تو کیا شرعاً ان دونوں کو مرحومہ کی میراث میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: شریعت کے مطابق کفن ودفن پر جو خرچ ہوگا وہ ترکہ سے لیا جائے گا اور باقی جائیداد کے ثلث سے وصیت پوری کی جائے گی اس لئے کہ ثلث سے زیادہ وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور بقیہ مال ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں مرحومہ کے دونوں دیوروں کو ثلث مال ملنے کے بعد باقی مال اس کے دونوں چچازاد بھائیوں کا ہوگا۔

قال العلامة سجاوندی رحمہ اللہ: تتعلق بترکة المیت حقوق اربعة مرتبة الاول یبدأ بتکفینه وتجهیزه من غیر تبذیر ولا تقتیر...... ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسنة واجماع الامة۔ (مقدمة السراجی ص۳) ۲؎

۱؎ قال العلامة ابن البزاز: وتبرعات المریض کالهبة والصدقة...... من الثلث۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۴۲۳ کتاب الوصایا)

۲؎ قال العلامة المرغینانی: قال ولا تجوز بما زاد علی الثلث لقول النبی علیه السلام فی حدیث سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ: الثلث والثلث کثیر۔ (الهدایة ج۴ ص۶۵۲ کتاب الوصایا، باب صفة الوصیة)

وصیت صرف ثلث مال میں نافذ ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص زندگی میں ہی اپنے مال کی وصیت کرے تو اس کی وصیت کتنے مال میں نافذ ہوگی یا کہ اس کا جملہ مال وصیت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب:۔ وصیت میت کے کل مال کے صرف ثلث میں جاری ہوگی یعنی میت کی وصیت کو اس کے ثلث مال سے پورا کیا جائے گا اور باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشیدؒ: ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما بقی بعد الدَّین الخ

(السراجی ص۳) [1]

وصیت سے رجوع صحیح ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنے مال میں مخصوص حصہ کی وصیت کرے اور اسے اسٹامپ پر تحریر بھی کر دے لیکن چند دن بعد وصیت کرنے والا کچھ ذاتی ناراضگی کی وجہ سے وصیت سے رجوع کر لیتا ہے تو کیا اس شخص کا وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب وصیت کنندہ نے اپنے وصیت نامہ سے رجوع کر لیا تو بعد الموت وصی کو کچھ نہیں ملے گا۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیۃ واذا صرح بالرجوع او فعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعاً۔ (الہدایۃ ج۴ ص۶۴۲ کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ ما یجوز من ذلک الخ) [2]

---

[1] وفی الہندیۃ: ثم تنفذ وصایاہ من ثلث ما یبقی بعد الکفن والدَّین الا ان تجیز الورثۃ اکثر من الثلث الخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض الباب الاول فی تعریفہا وفیما یتعلق بالترکۃ)

ومثلہ فی الہدایۃ ج۴ ص۶۶۸ کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ ما یجوز من ذلک الخ

[2] وفی الہندیۃ: ویصح للموصی الرجوع عن الوصیۃ ثم الرجوع قد یثبت صریحاً وقد یثبت دلالۃ الخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۹۳ کتاب الوصایا الباب الاول فی تفسیرہا وشرط جوازہا وحکمہا)

ومثلہ فی فتاوی قاضیخان ج۳ ص۴۴۳ کتاب الوصایا فصل فیما یکون رجوعاً عن الوصیۃ الخ

غیر مسلم کو وصیت کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک مسلمان کا اپنے مال میں کسی غیر مسلم کے لئے وصیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ وصیت کتنے مال میں جاری ہوگی؟

الجواب:۔ اسلام میں وصیت کا دائرہ وسیع ہے، مسلمان کے علاوہ غیر مسلم کے لیے وصیت کرنا درست ہے اور اس کا اجراء صرف ثلث مال میں ہوگا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: اما کونه مسلماً فلیس بشرط حتی لوکان ذمیاً فاوصی له مسلم اوذمی جاز۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۴۱ کتاب الوصایا)[1]

اثبات وصیت کے لیے شہادت ضروری ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے یہ دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لیے اتنے مال کی وصیت کی ہے جبکہ مرحوم کے ورثاء اس وصیت سے منکر ہیں مگر مدعی کے پاس گواہ موجود ہیں، تو کیا شرعاً ورثاء کا انکار مرحوم کی وصیت کو ختم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس طرح دیگر معاملات اور عقود کے اثبات کیلئے گواہوں کی گواہی موجب اثبات ہے بالکل اسی طرح وصیت بھی گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوجائے گی اور اس سے ورثاء کے انکار کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔

لما قال العلامة الدکتور وهبة الزحیلی: وتثبت الوصية بطرق الاثبات الشرعية كالشهادة والكتابة۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۸ ص۳۶
المبحث السابع اثبات الوصية)

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز ان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم، فالاول لقوله تعالیٰ: لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین۔

(الهداية ج ۴ ص۶۴۱ کتاب الوصایا)

موصیٰ لہ کا موصی سے پہلے وفات پا جانے پر وصیت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ہی اپنے ایک دوست کے لیے ایک قطعہ اراضی کا وصیت نامہ لکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین تمہاری ہے لیکن والد صاحب کا یہ دوست ان کی زندگی میں ہی انتقال کر گیا۔ اب میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد اس کے دوست کے بیٹے اس قطعہ اراضی کو مطالبہ کرتے ہیں کیا شرعاً ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وصیت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ موصیٰ لہ وصیت کرنے والے کی وفات تک زندہ ہو تب وہ وصیت کا اہل ہوگا ورنہ بصورتِ دیگر اگر موصیٰ لہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، اس لیے صورتِ مسئولہ میں وصیت کا مال وصیت کرنے والے کا حق ہے موصیٰ لہ کی اولاد کا دعویٰ استحقاق درست نہیں۔

قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ: وتبطل بموت الموصی لہ قبل موت الموصی لان العقد وقع لہ لا لغیرہ فلا یمکن ابقاء علی غیرہ۔
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۹۴ کتاب الوصایا، فصل تبطل الوصیۃ)[1]

وصی کو معزول کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو وصی مقرر کرے اور پھر چند دنوں کے بعد اس کو معزول کرکے کسی اور کو وصی مقرر کرے تو کیا شرعاً اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ایک دفعہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد پھر اس کو معزول کر سکے؟

الجواب:۔ موصی کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو وصی مقرر کرنے کے بعد

---

[1] قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی: موت الموصی لہ المعین قبل موت الموصی تبطل بہ الوصیۃ باتفاق المذاہب الاربعۃ لان الوصیۃ عطیۃ و قد صادفت المحل میتاً فلا تصح کالہبۃ للمیت۔ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۸ ص ۱۱۹ المبحث الرابع مبطلات الوصیۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۴۳۵ کتاب الوصایا۔

پھر اس کو معزول کرے لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وصی کو اس کی معزولی کی اطلاع ہو جائے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: فالوصیۃ تبطل بالنص علی الابطال ... اما النص فنحو ان یقول ابطلت الوصیۃ التی اوصیتہا لفلان او فسختہا او نقضتہا. الخ. (بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۹۴ کتاب الوصایا، فصل بیان ما تبطل بہ الوصیۃ) [1]

وصیت کی ملکیت کے لیے قبول کرنا ضروری ہے

سوال: اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنے مرنے کے بعد ایک مخصوص مال کی وصیت کر جائے تو کیا اس شخص کی طرف وصیت سے موصی لہ اس مخصوص مال کا مالک بن جائے گا یا اس کا قبول کرنا اس کے لیے ضروری ہے؟

الجواب: وصیت ایک عقد ہے اور حنفیہ کا اصول ہے کہ ہر عقد کی تکمیل کے لیے قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں بھی موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا لازمی امر ہے بدون اس کے وہ اس چیز کا مالک نہیں بن سکتا، لیکن قبول کرنے میں واضح الفاظ کا کہنا ضروری نہیں، نفس قبضہ میں لینا بھی کافی ہے۔

قال العلامة وھبة الزحیلی: حکم الوصیة بمعنی الاثر المترتب علیھا ھو انتقال ملکیة الموصی بہ الی الموصی لہ ملکاً جدیداً بقبول الموصی لہ بعد وفاة الموصی وبہ تلزم الوصیة بالاتفاق. (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۸ ص۱۲ کتاب الوصایا، وقت ثبوت ملک الموصی بہ) [2]

---

[1] قال العلامة وھبة الزحیلی: والرجوع اما ان یکون صریحاً او دلالة. فالرجوع الصریح: ما کان بلفظ صریح فی الرجوع مثل قول الموصی رجعت عن وصیتی لفلان او ترکتھا او ابطلتھا او نقضتھا او ما اوصیت بہ لفلان ھو لوارثی ونحوہ.
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۸ ص۱۱۳ المبحث الرابع، مبطلات الوصیة)

[2] قال العلامة الکاسانیؒ: ویملک بدون القبول او بدون عدم الرد ووقوع الیاس عنہ وانہ یوجد القبول منہ ولا وقع الیاس عن الرد مادام حیا فلا یعتق.
(بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۳۲ کتاب الوصایا، فصل فی الوصیة)

(ومثلہ فی الھندیة ج ۶ ص کتاب الوصایا، الباب الاول)

مبہم وصیت کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص ان الفاظ سے وصیت کرے کہ میرے مال سے کچھ حصہ فلاں شخص کو دیدیا جائے مگر اس نے اس مال کی تعین نہ کی ہو تو کیا وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد موصیٰ لہٗ کو وہ مبہم مال دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ شرعاً تو ایسی وصیت صحیح ہے البتہ ابہام کی وجہ سے وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا تعین ورثاء کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ موصیٰ لہٗ کو جتنا چاہیں دے سکتے ہیں، تاہم اگر وصیت کرنے والے نے اپنی زندگی میں ہی اس مال کو متعین کر دیا ہو تو بعد الموت وہی مال دینا پڑے گا بشرطیکہ وہ مال میت کے کل ترکہ کے ثلث سے زیادہ نہ ہو۔

قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ : ومنہا اذا اوصی لرجل بجزء من ماله او بنصیب من ماله او بطائفة من ماله او ببعض او بشقص من ماله فان بین فی حیاته شیئاً والا اعطاه الورثة بعد موته ماشاءوا لان هذه الالفاظ تحتمل القلیل والکثیر فیصح البیان فیه ما دام حیاً ومن ورثته اذا مات لانهم قائمون مقامه۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص۳۵۷ کتاب الوصایا : فصل شرائط الوصیة)

مجنون (پاگل) اور نابالغ کی وصیت کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی مجنون یا نابالغ کسی کے لیے وصیت کر جائے تو کیا اس کے مرنے کے بعد موصیٰ لہٗ اس مال کا مالک متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ نابالغ اور مجنون چونکہ تصرفات کا حق نہیں رکھتے اس لیے شرعاً ان کی وصیت کا بھی کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا مجنون کی وصیت سے موصیٰ لہٗ اس مال کا مالک متصور نہ ہوگا۔

قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ : ومنہا ان یکون من اهل التبرع فی الوصیة بالمال وما یتعلق به لان الوصیة بذلک تبرع بایجابه بعد موته فلا بد من اهلیة التبرع فلا تصح من الصبی والمجنون لانهما لیسا من

اهل التبرع لكونه من التصرف نافذ

(البدائع والصنائع جلد ۷ ص ۳۳۴ کتاب الوصایا، فصل فی الشرائط) لہ

پوتے کے لیے وصیت کا حکم

سوال:۔ اگر دادا پوتے کے لیے اپنے بیٹوں کے برابر حصہ میراث کی وصیت کرے تو کیا اس کی وصیت پوتے کو چچوں کے برابر حصۂ میراث ملے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کے لیے وصیت کرنا اگرچہ صحیح ہے مگر یہ وصیت میت کے ثلث مال میں جاری ہوگی ثلث مال سے زیادہ پوتے کو نہیں ملے گا۔ تاہم اگر ثلث مال اتنا ہو کہ بیٹوں کے حصص کے برابر بنتا ہو تو وصیت کے مطابق برابر حصہ ملے گا، مثلاً مرحوم کے دو بیٹے اور ایک پوتا ہو تو مال کے تین حصے کرکے ایک ایک حصہ ہر ایک کو ملے گا۔

کما فی الہندیۃ: یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ للاخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص ۹۰ کتاب الوصایا۔ الباب الاول)۔

وصیت سے رجوع کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنے کسی دوست کے لیے کچھ مال کی وصیت کرے لیکن مرنے سے پہلے اس کو منسوخ کردے تو کیا اس شخص کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ وصیت چونکہ امر استحبابی ہے اس لیے اگر موصی وصیت کرنے کے بعد اس سے رجوع کرلے اور اپنی ماقبل وصیت کو باطل کردے تو یہ اس کا شرعاً حق بنتا ہے اور اس رجوع سے وہ وصیت باطل ہو جائے گی چاہے رجوع

لہ وفی الہندیۃ: ولا تصح الوصیۃ الا ممن یصح تبرعہ فلا تصح من المجنون والمکاتب والماذون الخ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص ۹۲ کتاب الوصایا الباب الاول)

قولاً ہو یا عملاً یا تحریراً۔

قال العلامة الکاسانی: لان الموصی حتی یملک الرجوع عنہ ما دام حیا لان الموجود قبل موتہ مجرد ایجاب وانہ یحتمل الرجوع فی عقد المعاوضة ففی التبرع اولیٰ۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۳۸۷ کتاب الوصایا فصل صفة ھذا العقد)[1]

موصی بہ پر صرف قبضہ کرنا بھی کافی ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! وصیت کو قبول کرنے کے لیے "قبول کرتا ہوں" کے الفاظ کہنا ضروری ہے یا کہ صرف موصی بہ پر قبضہ کر لینے سے موصی لہٗ کی قبولیت پوری ہو جائے گی؟

الجواب: "قبول کرتا ہوں" کے الفاظ کہنے سے جس طرح قبول کرنا پورا ہوتا ہے تو اسی طرح دلالةً وفعلاً جو قبول کرنے کو واضح کرتے ہوں سے بھی پورا ہوتا ہے الفاظ سے قبول کرنا ضروری نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وفی البدائع رکنہا الایجاب والقبول وقال زفر الایجاب فقط قلت والمراد بالایجاب ما یعم الصریح والدلالة بأن یموت الموصی لہ بعد موت الموصی بلا قبول۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۶۵۸ کتاب الوصایا)[2]

وصی کا موصی کے انتقال کے بعد وصیت کو رد کرنا

سوال: ایک صاحب نے کسی کو اپنا وصی بنایا اور کسی نے

---

[1] قال العلامة وھبة الزحیلی: تبطل الوصیة باسباب اما من الموصی کرجوعہ عن الوصیة او زوال اھلیتہ او ردتہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۸ ص۱۱۴ البحث الرابع مبطلات الوصیة)

ومثلہ فی الھندیة ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا الباب الاول۔

[2] وفی الھندیة: ویشترط فی الوصیة القبول صریحاً او دلالة وذلک بان یموت الموصی لہ قبل الرد والقبول فیکون موتہ قبولاً فتورثہا ورثتہ۔

(الفتاوی الھندیة ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا الباب الاول فی تفسیرہا)

قبول بھی کر لیا اور اس بات پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہا۔ اب وہ موصی کی وفات کے بعد اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے تو کیا وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک آدمی کسی شخص کو وصی مقرر کرے اور وہ وصیت کو قبول کرکے اس پر وصیت کرنے والے کی وفات تک قائم رہے تو وصیت کرنے والے کے انتقال کے بعد وصی ہونے کی ذمہ داری کو پورا کرنا اس پر لازم ہوگا اور وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

قال العلامۃ محمد الطوری رحمہ اللہ: واذا اوصی الیہ فقبل قبل موتہ او بعدہ ثم رد لم یخرج لان الموصی ما اوصی الا الی من یعتمد علیہ من الاصدقاء ولا صدقاء الخ. (البحر الرائق ج۸ ص۵۲۴ کتاب الوصایا) اھ

بیٹے کی موجودگی میں بھائی کے لیے وصیت کرنا

سوال:۔ ایک بھائی غریب اور نادار ہے جبکہ دوسرا بھائی امیر و مالدار ہے، دونوں بھائیوں کی اولاد بھی موجود ہے۔ اب اگر مالدار بھائی اپنے غریب بھائی کے لیے اپنے مال میں سے کچھ مخصوص رقم کی وصیت کرے تو کیا اپنی اولاد کی موجودگی میں بھائی کے حق میں وصیت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھائی اگرچہ وارث ہے مگر اپنی اولاد یعنی بیٹوں کی موجودگی میں وہ بمنزلہ اجنبی کے ہے جبکہ شریعت مطہرہ میں اجنبی کے لیے ایک تہائی مال تک کی وصیت جائز ہے، لہٰذا بیٹوں کی موجودگی میں غریب بھائی کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے، البتہ اگر مخصوص مال کل مال کے ایک تہائی سے متجاوز ہو تو وہ ورثاء کے اختیار میں ہوگا۔

وفی الہندیۃ: یعتبر کونہ وارثا او غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیۃ حتی لو اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ ولو اوصی لاخیہ ولہ ابن ثم مات الابن قبل موت الموصی بطلت الوصیۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۶ ص۹۰ کتاب الوصایا الباب الاول)

شیخ احمد کی طرف منسوب وصیت نامہ کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ گذشتہ کافی عرصہ سے پاک و ہند میں بار بار ایک وصیت نامہ شائع ہو رہا ہے جس کی نسبت شیخ احمد خادم روضۂ رسول مقبول علیہ السلام کے نام سے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے۔ یہ وصیت نامہ بصورت اشتہار مختلف عنوانات سے بار بار مختلف مضامین کے ساتھ شائع ہوتا رہا اور سادہ لوح مسلمانوں کو ترغیب و ترہیب دے دے کر اس کی تشہیر و اشاعت کی تلقین کی گئی ہے۔ کیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے؟ اور کیا ایک ایسے غیر یقینی طریقہ سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اس کا منسوب کرنا جائز ہے؟ اس اشتہار (وصیت نامہ) کی شرعی حیثیت اور شرعاً اس کی اشاعت پر روشنی ڈالیں؟

الجواب:- مذکورہ وصیت نامہ بشکل اعلان و اشتہار نصف صدی سے مختلف ممالک و بلاد میں بار بار چھپ رہا ہے اور اس کے مندرجات کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے علماء کرام نے بار بار اس کی تردید کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس قسم کے وصیت نامے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں کیونکہ اس کے مندرجات بالکل بیہودہ، غلط اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ چنانچہ آج سے کافی عرصہ قبل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ نے اس من گھڑت کہانی کی سختی سے تردید کی۔ چنانچہ اس بارے میں ان کا مفصل فتویٰ امداد الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ [illegible] پر موجود ہے۔ مگر مسلمانوں کی بدقسمتی اور جہالت کا عجیب کرشمہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یقینی ثابت شدہ اور قطعی ارشادات و تعلیمات جو کہ بشکل قرآن و سنت مدون و منضبط موجود ہیں ان کی ترویج و اشاعت کی طرف تو توجہ نہیں مگر دوسری طرف علماء کرام کے بار بار اعلانات اور وضاحتوں کے باوجود ایک بے سروپا اور بے ثبوت افسانے کی ترویج و اشاعت میں ایک دوسرے سے سبقت لے کر دانستہ و نادانستہ وعیداتِ نبوی کے مصداق بن رہے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے:۔

من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (الحدیث)

(ترجمہ) "جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھا پس وہ اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنائے۔"

یہ اور اس کے علاوہ بے شمار نصوص و احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم
اور مذہب کے نام منسوب رطب و یابس پر بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرنا چاہیئے
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات و ارشادات کو من گھڑت اور جعلسازوں کی دسیسہ کاریوں اور
من گھڑت باتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مسلمانوں کے اسلاف نے فن حدیث، فن اصول حدیث،
فن اسماء الرجال کے اصول سے عظیم الشان علوم و فنون مدون کئے اور محدثین نے ایک ایک
روایت کو شریعت، عقل، فہم و درایت، ادراک و بصیرت کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح و ضعیف کو
ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا اور معمولی قرائن کی وجہ سے بھی جو روایت کے خلاف شرع
ہونے پر دال تھے احادیث کو موضوع کہہ دیا۔ ایک طرف ان کی حزم و احتیاط، تقویٰ اور
دینی بصیرت کی یہ کیفیت ہے اور دوسری طرف یہ ہمارے سادہ لوح مسلمان بھائی اپنی کم علمی و
کم فہمی کی وجہ سے ایک موضوع، بے اصل اور من گھڑت وصیت نامہ کی اشاعت میں دن رات
مصروف ہیں، حالانکہ معمولی توجہ اور عقل و دانش سے کام لیا جائے تو اس کا خلاف اصل اور
بے سند و دلیل ہونا واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس بات کی نہ کوئی سند ہے نہ دلیل ہے
محض ایک فرضی نام سے منسوب کردہ ایسے مضامین کی کیا حیثیت ہے جو از روئے شرع قرآن و
سنت کی بنیادی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان مختلف النوع وصیت ناموں سے بعض عجیب
باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں:۔

(۱) اس وصیت نامہ کی نسبت شیخ احمد خادم روضۂ نبوی کی طرف کی جاتی ہے اور یہ ہمیشہ
اسی نام اور لقب سے شائع ہوتا ہے، حالانکہ آج تک شیخ احمد کے نام سے روضۂ اقدس کا
کوئی خادم نہیں گزرا۔ (ب) اور پھر تعجب ہے کہ یہ ایک ہی شخص اتنی بڑی عمر پا سکے (ج) پھر
یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ایک شخص کے علاوہ کسی اور خادم روضۂ نبوی یا عالم اسلام کے دیگر اکابر
اولیاء، بزرگان دین اور علماء و مقربین کو خواب میں اس قسم کی وعیدات و تہدیدات اور وصیت
کیوں نہیں کی گئی؟ (د) اور اگر بالفرض یہ قصہ صحیح بھی ہوتا تو حرمین الشریفین (مکہ مکرمہ
اور مدینہ منورہ) میں اس کی شہرت زیادہ ہونی چاہیئے تھی اس لئے کہ پوری دنیا سے مسلمانوں کی
آمد و رفت اور رسل و رسائل کے باوجود وہاں اس وصیت نامے کا نام و نشان بھی نہیں۔
اور اگر اس قصہ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر وہ کون لوگ تھے
جنہیں خواب دیکھنے والے نے یہ قصہ سنایا اور پھر کن راویوں نے کن وسائط سے یہ واقعہ

ہندوستان تک پہنچا اور یہاں کس ثقہ اور مستند شخص نے اسے سنا اور پھر کس نے اس کے اس بدتر الزام کے لوگوں میں اس کی اشاعت کی؟ کیا یہ ہے کہ ایک ایسی روایت جس کا نہ راوی معلوم ہے نہ سند، اسناد و رجال و ساقط، اور نہ اس کی کوئی تاریخی حیثیت ہے محض ایک من گھڑت اور تراشیدہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جعلی یا موضوع حدیث کی اشاعت و روایت نقلاً اور اجماعاً حرام ہے بلکہ بعض محدثین کے نزدیک تو کفر ہے۔

(۲) اس میں لکھا ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ساٹھ ہزار آدمی مرے جن میں سے کوئی بھی ایمان دار نہ تھا۔ اور بعض وصیت ناموں کے مطابق ستر لاکھ مسلمان گزرے اور ان میں صرف ستر آدمی صحیح مسلمان تھے۔

یہ مضمون بھی اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات کے خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے:۔

وسعت رحمتی علیٰ غضبی۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

نیز ہمارا مشاہدہ ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی اکثر مسلمان توبہ کرتے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں جو خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے۔

(۳) اسی طرح اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے! یہ حکم صاف طور پر حدیث کے خلاف ہے، ارشاد نبوی ہے: صلوا علیٰ کل بر و فاجر۔ یعنی ہر نیک اور بدکار مسلمان پر نماز جنازہ پڑھو۔

(۴) اس میں علامات قیامت اور قرب قیامت کے ضمن میں بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا روایات و احادیث میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا، مثلاً:۔

(الف) ایک ستارہ آسمان پر طلوع ہوگا (ب) قرآن مجید کے حروف اڑ جائیں گے۔

(۵) اس میں بعض ایسی چیزوں کی ترغیب و تعلیم ہے جن کا حرام اور بدعت قطعی ہونا بدلائل شرعیہ ثابت ہو چکا ہے، مثلاً:۔

(الف) تخصیص شربت کی شہدائے کربلا کے واسطے (ب) اور کھیر حضرت خاتون جنت کے واسطے (ج) اور ملیدہ حضرت غوث الاعظم کے واسطے۔

(۶) اسی طرح آجکل کے مروجہ مولود شریف اور نوافل ایسے ہیں جو کہ تمام شرع و عقل کے خلاف ہیں جیسا کہ اس وصیت نامہ کے بارے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمت نے امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص

میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

(۷) اس میں بعض ایسی چیزیں ذکر ہوئی ہیں جن سے والعیاذ باللہ بخاکم بدہن حضور تاجدار کائنات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کا پہلو نکلتا ہے اور حضور کی شان شفاعت کبریٰ و رحمۃ للعالمین اور بخشش جنت و مقبولیت بارگاہ خداوندی پر زد پڑتی ہے۔ مثلاً:

۔۔۔ جس نے اس وصیت نامہ کی تشہیر کی اس کی اور اس کے پورے خاندان کی شفاعت کی جائے گی اور انہیں جنت میں جگہ دلوائی جائے گی اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ حضور کی رحمت سے محروم رہے گا۔ گویا محض ایک فرضی خواب کی وجہ سے مسلمانوں کی نجات و شفاعت کے لیے ایک ایسی شرط لازمی کر دی گئی ہے جس کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ احادیث میں۔

گر واقعی ایمان کی مقبولیت اور انسان کی مغفرت و شفاعت کے لیے اس وصیت نامہ کی تشہیر ضروری قرار دی جائے تو مطلب یہ ہے کہ کروڑوں مسلمان، علماء و صلحاء، اہل اللہ اور بزرگان دین سب کے سب محروم الشفاعت اور مستحق جہنم ٹھہریں گے جنہوں نے اس وصیت نامہ کی تشہیر نہیں کی اور نہ اب کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ اس من گھڑت روایت و داستان کی نوبت یہاں تک پہنچ رہی ہے۔

ایک اور وصیت نامہ جو کہ ملتان سے مشتہر کیا گیا ہے اس میں حسب ذیل عبارتیں موجود ہیں۔

(الف) اے شیخ احمد میں خدا تعالیٰ عزوجل سے بہت شرمندہ ہوں۔

(ب) اس وجہ سے میں خداوند کریم اور فرشتوں کو منہ نہیں دکھا سکتا۔

(ج) اے شیخ احمد میری امت کو کہہ دے کہ تمہاری بدولت خداوند کریم سے بہت شرمندہ ہوں۔

(د) میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اپنے خدا سے معافی چاہتا ہوں اے شیخ احمد تو جلدی یہ وصیت نامہ لوگوں تک پہنچا دے تاکہ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔ (ملاحظہ ہو مختلف جنتوں کے علامہ کوثر نیازی مطبوعہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ص ۱۵، ۱۵ جنوری ۱۹۶۳ء)

ان تمام جملوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس، شان شفاعت اور وجاہت و عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے جو اسلام دشمن آریوں اور عیسائیوں کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضہ رسالت اور تبلیغ کی ذمہ داریوں کو بالکل باحسن و بتمام و کمال ادا کر کے سبکدوش ہو گئے اور بارگاہ خداوندی سے راضیۃ مرضیۃ اور فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ نیز انا فتحنا لک و رفعنا لک ذکرک۔ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر اور دیگر بے شمار بشارات و انعامات پر مشتمل آیتیں اور

رحمۃ للعالمین کے مقام پر فائز ہوئے۔ اب امت کو بدکرداری اور گنہگار ہونے کا کوئی خطرہ اور بوجھ اور بار پرسش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہیں اور نہ ہماری۔ بد اعمالیوں کا وبال آپ پر ہے جس کی وجہ سے معاذ اللہ آپ کو شرمندہ ہونا پڑے، وہ اپنے فریضہ سے کہیں ہزار ہا درجہ زیادہ بہتنا ہم رشد و ہدایت تمام نوع انسانیت تک پہنچا کر اپنے فریضہ تبلیغ سے باحسن وجوہ سرخرو ہو چکے ہیں۔

اس وصیت نامہ کی اشاعت کی طرف توجہ دیتے ہوئے لوگوں کو لاکھوں کروڑوں نیکیوں کے لالچ اور خوف و عذاب تباہی و بربادی سے ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ اور پھر سنا ہے کہہ کر کامیابی اور بربادی کے بعض فرضی افسانے لکھے ہوئے ہیں، جبکہ نہ تو سنانے والا معلوم اور نہ ہی سننے والا معلوم ہو سکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہرگز اس کے تمام مندرجات اور مضامین کو صحیح نہ سمجھنا چاہئے، البتہ جو باتیں قرآن و حدیث اور دین کی کتابوں میں لکھی ہیں ان کے موافق نیک راہ پر چلنے اور نبی کریم کی سنت کو مضبوطی سے تھام کر نیکی کی راہ سے چلنے کی کوشش کرنی چاہئے، جھوٹی اور بے اصل باتوں کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا بہت بڑا بھاری گناہ ہے۔ اسلئے از روئے شرع ایسے مضمون کی اشاعت کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ اگر کسی کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات، بشارات و مندرجات کے پڑھنے سیکھنے اور انہیں شائع کرنے کا شوق ہو تو یہ تمام تعلیمات احادیث شریفہ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں، ان کے پڑھنے، سیکھنے، عمل کرنے اور شائع کرنے سے ایمانی جذبہ اور عشق نبوی کا ثبوت دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

وصیت نامہ کی تحریر وارث کے حق میں نافذ نہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! گذارش ہے کہ میرے والد صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وفات سے تقریباً آٹھ سال قبل یعنی ۱۰/۱/۲۲ کو ایک اقرار نامہ تحریر کیا جس میں انہوں نے اپنا ملکیتی دس مرلہ زمین کا پلاٹ اپنی بیٹی (میری سگی بہن) کے نام کیا تھا۔ بعد میں ۲۳/۷/۷۹ کو انہوں نے ایک دوسرا اقرار نامہ تحریر کیا جس میں مذکورہ بالا دس مرلہ کا پلاٹ اپنی دوسری بیوی (میری سوتیلی والدہ) اور اس کے بیٹے (میرے سوتیلے بھائی) کے نام کیا۔ بعد ازاں ۲۱/۸/۷۶ کو میرے والد صاحب نے ایک وصیت نامہ تحریر کیا جس میں بھی مذکورہ زمین اپنی دوسری بیوی کے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں (میرے سوتیلے

بھائی بہنیں) کے نام کردی، بعد ازاں اپنی وفات سے چند روز قبل یعنی ۲۲/۱/۱۹ کو ایک اور وصیت نامہ تحریر کیا جس میں مجھے مذکورہ بالا زمین کا مختار خاص بنا کر ہدایت کی گئی ہے کہ اس زمین کو بیچ کر میری دوسری بیوی کے بچوں (میرے سوتیلے بھائی بہنیں) کی پرورش اور تربیت پر صرف کرنا ۔

جناب عالی ! مندرجہ بالا صورتحال کے پیش نظر آپ سے التماس ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہماری راہنمائی کریں کہ مذکورہ بالا چار دستاویزات میں سے کس پر عمل کیا جائے؟ عین نوازش ہوگی ۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ دو مسئلوں پر مشتمل ہے ۔

(۱) **ھبہ** : چونکہ موصوف نے اپنی دختر مرحومہ کو زمین کو ہبہ کیا ہے اور شریعت اسلامی میں ہبہ نافذ العمل ہے مگر اس کی تکمیل قبض پر موقوف ہے ۔ اگر موہوبہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے تو صرف زبانی کہنے یا تحریری اقرارنامہ سے ہبہ تام نہیں ہوتا ، اور جب کسی رشتہ دار کو کوئی چیز ہبہ کردی جائے اور وہ اس کے قبضہ میں دے دی جائے تو پھر اس سے رجوع کرنا شرعاً صحیح نہیں اور نہ واہب کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے ۔ لہٰذا اگر موصوف نے مذکورہ زمین اپنی دختر مسماۃ شاہجہان کے قبضہ میں دے دی تھی تو اب موصوفہ کو مالکانہ حقوق حاصل ہیں اور والد کا ہبہ سے رجوع یا تنسیخ کا استحقاق نہیں ، اور اگر قبضہ میں نہیں دیا ہو تو والد کا کسی وقت بھی اپنے ہبہ سے رجوع کرنا صحیح ہے اور ہبہ کا اقرارنامہ بحق مسماۃ شاہجہان بی بی ناکارہ اور منسوخ متصور ہوگا ۔

لما قال المرغینانیؒ : الهبة عقد مشروع تصح بالايجاب والقبول والقبض اما الايجاب والقبول فلانه عقد والعقد ينعقد بالايجاب والقبول والقبض لابد منه لثبوت الملك اھ (الھدایة جـ۳ صـ۲۸۱ کتاب الھبة)

لما قال المرغینانیؒ : وان وهب هبة لذى رحم محرم لم يرجع فيها لقوله عليه السلام اذا كانت الهبة لذى رحم محرم لم يرجع فيها لان المقصود صلة الرحم وقد حصل ۔

(الھدایة جـ۳ صـ۲۸۶ کتاب الھبة باب ما یصح رجوعه)

(۲) **وصیت** : باقی استحقاق کا تعلق وصیت کے ساتھ ہے ، شرعاً وصیت کے نفاذ کیلئے چند شرائط ہیں :۔

(۱) وصیت کا نفاذ مال کے صرف ایک تہائی یعنی ۱/۳ میں ہوتا ہے۔
(۲) دوسرے یہ کہ موصی لہ یعنی جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہو وہ اس کے مال کا وارث نہ ہو اس لیے کہ وارث کے لیے وصیت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

لہٰذا اسی بنا پر باقی تین اشخاص اپنے ورثا یعنی اولاد کے لیے وصیت کے زمرے میں آتے ہیں اس لیے نافذ العمل نہیں بلکہ اس میں جملہ ورثاء کا حق وراثت ہے، شرعاً ان ذیل اقرار ناموں پر عمل کرنا جائز نہیں۔ تاہم وصیت کے مطابق مسمی مظفر داد اپنے سوتیلے بھائی بہنوں کا ان کے حصہ شرعی میں کفیل ہوگا، اقرار نامہ کی کفالت مال متعین کی ہے جو ناکارہ اور غیر صحیح ہے۔

لما فی الهداية: ولا تجوز بما زاد على الثلث لقوله عليه السلام وحديث سعد بن ابی وقاص الثلث والثلث كثير۔ اھ ايضاً ولا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام ان الله تعالى اعطى كل ذى حق حقه لا وصية لوارث۔ الخ۔
(الهداية ج ۴ ص ۶۵۲، ۶۵۱ كتاب الوصايا)
(واللہ اعلم وعلمہ اتم)

کتاب
الفرائض

تعلموا الفرائض
وعلموها الناس

کتاب الفرائض

(میراث کے احکام ومسائل)

قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنے بھائی کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے قتل کردیا اور مرحوم کے عصبہ میں سے اس قاتل بھائی کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو کیا قاتل کو مقتول بھائی کی میراث میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ قصداً عمداً یا خطاً ہر حالت میں قتل سبب حرمان ارث ہے اس لیے صورت مذکورہ میں مقتول کی جائیداد اس کے دوسرے ورثاء کو دی جائے گی قاتل بھائی کے وجود کا اعتبار نہیں بلکہ بوجہ مانع یہ کالعدم رہے گا۔

قال العلامة سجاوندیؒ: اما نع من الارث اربعة..... والقتل الذی یتعلق به وجوب القصاص او الکفارة۔ (السراجی ص۶ فصل فی الموانع) لہ

دادا کی موجودگی میں چچا کی میراث سے محرومی کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں دادا اور چچا کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو مرنے والے کی میراث شرعاً کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:۔ بشرط صدق وثبوت اگر ورثاء کی تعداد درست ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث تمام جائیداد دادا کو بطور عصوبت دی جائے گی اور چچا چونکہ عصبہ بعید ہے اسلئے وہ دادا کی موجودگی میں میراث سے محروم رہے گا۔ نقشہ ملاحظہ ہو:۔

مسئلہ

دادا	چچا
کل ترکہ کا حقدار	محجوب

لہ وفی الہندیة: القاتل بغیر حق لا یرث من المقتول شیئاً عندنا سواء قتله عمداً او خطأً وکذلک کل قاتل هو فی معنی الخاطئ... وقتل الصبی والمجنون والمعتوه والمبرسم والموسوس لا یوجب حرمان المیراث لان الحرمان یثبت جزاء لقتل محظور الخ

(الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۴ الباب الخامس فی الموانع)

قال العلامة السجاوندیؒ: فالاب له احوال ثلث ... والتعصیب المحض وذلک عند عدم الولد وولد الابن وان سفل ... والجد الصحیح کالاب عند عدم الاب

(السراجی ص۸ باب معرفة الفروض) ۔ [1]

اختلاف دین مانع ارث ہے

سوال: اگر کوئی مسلمان عیسائی عورت سے نکاح کرے تو موت کی صورت میں میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: عیسائی عورت سے اگرچہ نکاح جائز ہے لیکن یہ میاں بیوی عقائد میں اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے کیونکہ اختلاف دین مانع ارث ہے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: المانع من الارث اربعة ... واختلاف الدینین ای الاسلام والکفر۔ (السراجی ص۵ فصل فی الموانع) ۔ [2]

خاوند اور بہن میں جائیداد کی تقسیم کا حکم

سوال: ایک عورت نے مرنے کے بعد خاوند اور ایک بہن وارث چھوڑے ہیں جبکہ عصبات کوئی نہیں، مہربانی کر کے شریعت کی روشنی میں دونوں کا حصہ متعین فرما دیں؟

الجواب: اگر مرحومہ کے ورثاء میں خاوند اور ایک حقیقی بہن کے علاوہ اور کوئی زندہ نہ ہو تو کل جائیداد کا نصف خاوند کو اور باقی نصف بہن کو دیا جائے گا، نقشہ ملاحظہ ہو۔

میت	مسئلہ ۲	المرحومہ
زوج (خاوند)		بہن
۱		۱

قال العلامة السجاوندی رحمہ اللہ: واما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد

---

[1] وفی الہندیة: فالاقرب العصبات ... ثم الاب ثم الجد اب الاب ... وهم ای العصبة کل من لیس له سهم مقدر ... واذا انفرد اخذ جمیع المال۔

(الفتاوی الہندیة ج۶ ص۴۵۱ الباب الثالث فی العصبات)

[2] وفی الہندیة: واختلاف الدین ایضاً یمنع الارث والمراد به الاختلاف بین الاسلام والکفر۔ (الفتاوی الہندیة ج۶ ص۴۵۴ باب الموانع)

وللأب ... (السراجی ص.. باب معرفۃ الفروض ومستحقیھا)

وتارۃ ایضاً ... واما للاخوات لاب وام فاحوال خمس النصف للواحدۃ ...

(السراجی ص.. فصل فی النساء) [1]

بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث سے محرومی

سوال:- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کا ایک بیٹا زندہ ہے لیکن دوسرا بیٹا جو کہ اس کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا تھا اب اس کے بیٹے زندہ ہیں تو کیا دادا کی میراث میں سے مرحوم کے ایک بیٹے کی موجودگی میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد کا کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ بیٹا قریبی عصبہ ہے اور پوتا اس سے بعید ہے اور قریبی وارث کی موجودگی میں بعید کے ورثاء حقِ وراثت سے محروم رہتے ہیں اس لیے تمام جائیداد بیٹے کا حق ہے پوتے کو کچھ نہیں ملے گا، تاہم اگر بیٹا دل کی خوشی سے اسے کچھ دے دے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ: اولٰھم بالمیراث جزء المیت ای البنون ثم بنوھم۔

(السراجی ص.. باب العصبات) [2]

حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی میراث سے محروم رہے گا

سوال:- ایک شخص کی وفات کے بعد اس کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی، ایک بہن اور ایک علاتی بھائی رہ گئے ہیں شریعت مطہرہ کی

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ: (۱) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ۔ (سورۃ النساء: ۱۲) - (۲) إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ۔ (سورۃ النساء: ۱۷۶)

[2] قال العلامۃ السرخسیؒ: واولاد الابن یقومون مقام اولاد الصلب عند عدم اولاد الصلب فی جمیع ما ذکرنا لقولہ تعالیٰ: یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ، واسم الاولاد یتناول اولاد الابن مجازاً ...... فان اجتمع اولاد الصلب واولاد الابن فان کان فی اولاد الصلب ذکر فلا شیٔ لاولاد الابن ذکوراً او اناثاً او مختلطین لان الذکر من اولاد الصلب مستحق جمیع المال باعتبار حقیقۃ الاسم۔ (المبسوط للسرخسی ج۲۹ ص۱۴۰ کتاب الفرائض)

روشنی میں مرحوم کی جائیداد ان ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:- بشرطِ صحتِ سوال اگر مرحوم کے ورثاء میں دو حقیقی بھائی ایک بہن اور ایک علاتی بھائی ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض نہ ہو تو بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث مرحوم کی تمام جائیداد کے پانچ حصے کرکے ہر ایک حقیقی بھائی کو دو دو حصے (۴۰٪ فی کس) اور ایک حصہ (۲۰٪) حقیقی بہن کو دیا جائے گا اور اعیانی بھائیوں کی موجودگی میں علاتی بھائی حقِ وراثت سے محروم رہیں گے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: واما الاخوات لاب وام ..... ومع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین یصرن به عصبة لاستوائهم فی القرابة الی المیت۔

(السراجی ص۱۳ فصل فی النساء)

وایضاً لقوله علیه السلام ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات کالاخ لاب وام فانه مقدم علی الاخ لاب (السراجی ص۱۲ باب العصبات)

بیٹے، بیٹی میں میراث کی تقسیم اور نواسی کا اس سے محروم ہونا

سوال:- ایک عورت نے مرنے کے بعد ایک بیٹا، ایک بیٹی اور ایک نواسی وارث چھوڑے ہیں شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ان ورثاء میں مرحومہ کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:- حسبِ بیانِ سائل صورتِ مسئولہ میں مرحومہ کا ترکہ بعد از ادائے حقوقِ متقدمہ علی الارث تین حصے کرکے ایک حصہ بیٹی کو اور دو حصے بیٹے کو ملیں گے اور نواسی چونکہ ذوی الارحام میں سے ہے لہٰذا عصبات کی موجودگی میں یہ میراث سے محروم رہے گی۔ نقشہ ملاحظہ ہو:-

مرحومہ

نواسی	بیٹی	بیٹا
محروم	۱	۲

لہ وفی الهندیة: اختان لابوین واخت لاب فالمال للاختین فرضاً وردا ولا شیء للاخت لاب فان کان معها اخوها عصبها فلهما الباقی وهو الثلث للذکر مثل حظ الانثیین۔

(الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۲ الباب الرابع فی الحجب)

قال العلامة السجاوندیؒ: اما البنات الصلب فاحوال ثلث ...... ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وهو یعصبهن۔ (السراجی ص۸ فصل فی النساء) ـ١

صرف والد کا بیٹے کی تمام جائیداد کا وارث ہونا

سوال: اگر ایک آدمی کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں صرف اس کا والد باقی ہو تو از روئے شریعت مقدسہ مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب: بشرط صحت سوال مرحوم کا تمام ترکہ بعد از ادائے ما وجب تقدیمہ علی الارث اس کے والد کو بطور عصوبت ملے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما الاب فله احوال ثلث ...... والعصوبة المحضة وذلک عند عدم الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۸ باب معرفة الفروض)

وایضاً: والعصبة کل من یاخذ ما ابقته اصحاب الفرائض وعند الانفراد یحرز جمیع المال۔ (مقدمة السراجی ص۳) ـ٢

عینی بھائی کی موجودگی میں علاتی بہن کی میراث سے محرومی

سوال: ایک عورت نے مرنے کے بعد ایک اعیانی بھائی اور ایک علاتی بہن وارث چھوڑے جبکہ ان کے علاوہ دیگر ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے تو مرحومہ کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: صورت مسئولہ کے مطابق اگر واقعی مرحومہ کے ورثاء میں ایک اعیانی بھائی اور ایک علاتی بہن کے علاوہ کوئی دوسرا قریبی عصبہ یا ذوی الفروض زندہ نہ ہو تو بعد از ادائے حقوق متقدمہ علی الارث مرحومہ کی تمام جائیداد کا مستحق اس کا اعیانی بھائی

---

١ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ (سورة النساء آیت ۱۱)

٢ وفی الهندیة: فاقرب العصبات ...... ثم الاب ... وهم ای العصبة کل من لیس له سهم مقدر ویاخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض واذا انفرد اخذ جمیع المال۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۱ الباب الثالث فی العصبات)

ہے اور اخیافی بھائی کی موجودگی میں علاتی بہن کو کچھ نہیں ملتا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: ثم جزء ابیه ای الاخوة [illegible] (سراجی ص ۱۱ باب العصبات)
ويحجب ويسقط بنو العلات ايضا بالاخ لاب وام [illegible] (بحوالہ فتاویٰ حقانیہ)

نافرمان بیٹے کا باپ کی میراث میں استحقاق

سوال:- ایک شخص اپنے باپ کا نافرمان ہونے کے ساتھ اُسے گالی گلوچ بھی دیتا ہے تو کیا یہ شخص باپ کے مرنے کے بعد میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے لیکن یہ میراث سے محرومی کا سبب نہیں بن سکتا کیونکہ وراثت کا تعلق ورثاء کی عرف مشغلی ہوتی ہے، اس لیے نافرمان بیٹا فرمانبردار بیٹے کی طرح میراث لے سکتا ہے۔

قال العلامة محمد علاء الدین افندیؒ: الا [illegible] لا يرث [illegible]
(تکملة رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۹ مطلب واقعة الفتوی، کتاب الدعوی)

وراثت کے لیے محض رشتہ دار ہونا کافی نہیں

سوال:- ہمارے علاقے میں ایک عورت فوت ہوگئی ہے جس کے ورثاء میں کوئی بھی عصبہ ذوی الفروض یا ذوی الارحام موجود نہیں صرف خاوند کے بھتیجے ہیں، تو کیا مرحومہ کی میراث میں سے اس کے خاوند کے بھتیجوں کو حصہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی بھی عورت کے خاوند کے بھتیجے خاوند کے تو عصبہ ہیں لیکن اس کی بیوی سے اس کا کوئی خاص رشتہ نہیں جو سبب وراثت بن جائے صرف خاوند کی قرابت کی وجہ سے بیوی کی میراث میں ان کو حق نہیں دیا جا سکتا اور نہ یہ کسی حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں بلکہ ایسی حالت میں تو ان کے درمیان اجنبیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں نکاح بھی جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس عورت کے شرعی ورثاء

قال الله تعالیٰ: وان كانوا اخوة رجالا ونساء فللذكر مثل حظ الانثيين (سورة النساء: ۱۷۶)
قال الحنفیة: [illegible] اعيان بنی الام يتوارثون دون بنی العلات۔
(السراجی ص ۱۲ باب العصبات)

نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ترکہ بیت المال میں جائے گا۔

قال العلامة السید شریف الجرجانی ثم بیت المال اذا لم یوجد احد من المذکورین توضع الترکة فی بیت المال۔ (السراجیة ص ۱) [1]

نکاح فاسد سے پیدا ہونے والی اولاد کا وراثت سے محروم ہونا

سوال: ایک شخص نے زوجۂ غیر سے نکاح کیا اور اس نکاح سے اس کی اولاد بھی پیدا ہوئی، تو کیا یہ اولاد ماں کے اس دوسرے خاوند سے میراث لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زوجۂ غیر کے ساتھ نکاح کرنا نکاح فاسد ہے اور نکاح فاسد کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہو وہ اگرچہ ثابت النسب ہوگی لیکن باپ کی میراث میں حقدار نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ویثبت النسب فی ما الارث فلا یثبت۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ باب ثبوت النسب) [2]

رواجی قبضہ کا اعتبار نہیں

سوال: ایک شخص کے مرنے کے بعد جائز ورثاء میں دو بیوگان کے علاوہ اس کے بھی بھائی تھے لیکن انگریزی قانون و رواج کے مطابق مرحوم کی دونوں بیویاں اس کی جائیداد پر قابض تھیں، اب اس کی ایک بیوی فوت ہو چکی ہے تو یہ ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں صرف رواجی قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، دونوں بیویاں مرحوم کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں وہ کل جائیداد کے صرف ۱/۴ حصہ کی حقدار ہوں گی جبکہ بقیہ جائیداد مرحوم کے ان ورثاء میں تقسیم ہوگی جو اس کی

---

[1] لما فی الهندیة: فیبدأ باصحاب الفروض النسبية بقدر حقوقهم ثم ... ذوی الارحام ثم مولی الموالاة .... ثم الموصی له بجمیع المال ثم بیت المال۔ (الفتاوی الهندیة ج ۶ ص ۴۴۷ کتاب الفرائض، الباب الاول)

[2] قال العلامة الرافعی رحمہ اللہ: وعبارة ابی السعود لا توارث بین الزوجین فی الفاسد۔ (التحریرات ج ۱ ص ۲۷۸ باب ثبوت النسب)

موت کے وقت زندہ تھے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۶ فصل فی اصحاب الفروض) [1]

مجرم کا پھانسی گھاٹ میں ہونا مرض الموت کے حکم میں نہیں

سوال:- اگر کوئی شخص قتل کے الزام میں قید خانہ میں محبوس ہو تو کیا اس کا اقرار اور جائیداد وغیرہ میں تصرفات مرض الموت کے حکم میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:- جس شخص کو قتل کے الزام میں عدالت کی طرف سے سزائے موت پھانسی کا حکم ہو چکا ہو یا قتل کے جرم میں حوالات یا قید خانہ میں محبوس ہو، اس کی یہ حالت مرض الموت کے مانند نہیں سمجھی جائے گی، اس کے تمام معاملات مثل صحت کے جاری و نافذ ہوں گے البتہ جس وقت قید سے نکال کر مقتل (پھانسی دیئے جانے کی جگہ) کی طرف روانہ کر دیا جائے تو قید خانہ سے نکالنے کے بعد پھانسی ہونے تک جتنی دیر لگے گی وہ مرض الموت کے مانند ہوگی، اس حالت میں اگر اس نے کوئی تصرف مثلاً اقرار وغیرہ کیا ہو تو وہ مرض الموت کے تصرفات کی طرح ناقابل قبول ہے۔ اور اگر اس روز پھانسی کی سزا کسی وجہ سے ملتوی ہو جائے یا اس کا حکم بالکل منسوخ ہو جائے تو قید خانہ سے نکل کر پھانسی گھاٹ تک آنے کی حالت مرض الموت کے مانند نہ رہے گی یعنی مثل صحت کے سمجھی جائے گی اور اس حالت میں جو تصرفات کئے تھے وہ جاری اور درست سمجھے جائیں گے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو کان محبوسا ارجوسا فی حد او قصاص او واقفا فی صف القتال فهو فی حکم الصحیح ۔۔۔ وقد ذکر محمدؒ فی الاصل مسائل تدل علی ان المعتبر خوف الهلاک علی فرق الغلبة لاکونه صاحب فراش فانه قال: اذا اخرج الرجل للقصاص او للرجم فهو فی حکم المریض۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۵۸ کتاب الطلاق، باب طلاق المریض) [2]

---

[1] لقوله تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ۔ (سورة النساء ع۱۲)

[2] وفی الهندیة: ولو حبس لیرجم ثم نقل الی الحبس او رجع المبارز بعد المبارزة الی الصف صار فی حکم الصحیح کالمریض اذا برأ من مرضه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۶۳ الباب الخامس فی طلاق المریض)

طویل بیماری مرض الموت شمار ہوگی

سوال:۔ از روئے شرع مرض الموت کے تعریفات محدود ہیں جس میں بسا اوقات میت کے تصرفات موقوف سمجھے جاتے ہیں لیکن بعض بیماریاں سالوں تک ممتد رہتی ہیں کیا ایسی ممتد بیماری کو مرض الموت کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الموت میں یہ ضروری نہیں کہ یہ چند دنوں تک محدود ہو بلکہ کبھی مرض الموت کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے، تاہم جو بیماری عمومی حیثیت اختیار کر جائے جیسا کہ آجکل ثوران الدم (بلڈ پریشر) ذیابیطس (شوگر) یا امراض قلب میں مبتلا ہونے کو مرض الموت میں شمار کرنا مشکل ہے کیونکہ یہ بیماریاں اگرچہ فوری طور پر موت کا سبب بن سکتی ہیں لیکن مدتوں تک محیط ہونے سے بھی خالی نہیں۔[1]

قال العلامة ابن البزازی رحمه الله: ولو طال المرض وصاحبه لا يخاف عليه الموت كالفالج ان صار مدنفاً او يابس الشق لا يكون حكم المرض الا اذا تغير حاله عن ذلك ومات من ذلك التغير فاعتبر في حال التغير من الثلث.
(الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۴۲۳ كتاب الوصايا)

شرعی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں میراث کا حکم

سوال:۔ اگر کسی میت کے اقسام ثلاثہ (ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام) ورثاء میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو اور شرعی بیت المال بھی نہ ہو تو اس کے ترکہ کا کیا کیا جائے گا، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے؟

الجواب:۔ جب شرعی بیت المال موجود نہ ہو تو مشہور صورت کے مطابق میراث

---

[1] قال العلامة ابن نجيم: والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول اذا تطاول ذلك ولم يخف منه الموت فهبته من كل المال لانه اذا تقادم العهد صار من طبعه كالعمى والعرج وهذا لان المانع من التصرف مرض الموت ومرض الموت لا يكون سبباً للموت غالباً وانما يكون سبباً للموت اذا كان بحيث يزداد حالاً فحالاً الى ان يكون آخره الموت۔ (البحر الرائق ج۸ ص۴۲۸ قبيل باب العتق في المرض وانواع الوصية بالعتق)

کو ایک امین اور امانت دار شخص کے ہاتھ میں دے دیا جائے تاکہ وہ ایسے فقراء جن کا کوئی سرپرست وغیرہ نہ ہو پھر اس طرح خرچ کرے کہ ان فقراء کا نفقہ، تداوی، کفن دفن وغیرہ اس ترکہ سے پورا کرے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: واما الرابع وھو الضوائع مثل مالا یکون لہ اناثا وارث ثوبا، فمصرفہ المشھور ھو اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لھم فیعطی منہ نفقتھم وادویتھم وکفنھم وعقل جنایتھم۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۸ مطلب فی بیان بیوت المال ومصارفہا، قبیل باب العشر)

حین حیات میں جائیداد کی تقسیم کا شرعی طریقہ

سوال:- ایک شخص کی ایک بیوی، دو بیٹے، تین بیٹیاں، ایک پوتی اور دو پوتے ہیں جن کا والد فوت ہو چکا ہے، اب یہ شخص زندگی میں ہی اپنی جائیداد ان میں تقسیم کرنا چاہتا ہے تو شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس کی صورت کس طرح ہونی چاہیئے؟ کیا پوتوں اور پوتیوں کو بیٹوں اور بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے گا؟ اور اگر کوئی ان کو محروم رکھے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- زندگی میں اولاد کے درمیان جائیداد کی تقسیم درحقیقت ہبہ ہے جس میں مالک کو کلی اختیار ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح چاہے تقسیم کرے اور اولاد کا اس پر باقاعدہ قبضہ کر لینے کے بعد وہی تقسیم نافذ ہے، تاہم کسی وارث کو بلا وجہ میراث سے محروم کرنا سراسر زیادتی ہے۔ البتہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ زندگی میں ہی اولاد میں جائیداد تقسیم کرنے والے کو ایسا طریقہ اپنانا چاہیئے کہ اگر اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد ورثاء میں تقسیم کرنے کی نوبت آئے تو اسی طرح تقسیم ہوتی۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں بھی اس شخص کو چاہیئے کہ وہ کل جائیداد کے ۵۶ حصے کر کے ثمن کل جائیداد کا ۱۲٫۵٪ بیوی کو اور ہر ایک بیٹے کو ۲۵٪، ۱۲٫۵٪ حصہ اور بیٹی کو ۷/۵۶ حصے کے حساب سے تقسیم کرے۔ اور جہاں تک پوتوں اور پوتیوں کا تعلق ہے تو بہتر یہ ہے کہ دادا اپنی زندگی میں ہی ان کو کچھ دے تاکہ اس کے مرنے کے بعد قانونی تنازعات پیدا نہ ہو جائیں لیکن اگر دادا پوتوں اور پوتیوں کو کچھ نہ دینا چاہے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن البزاز رحمہ اللہ: اذا قضی فی ھبۃ الابن و البنت التثلیث کالمیراث۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۲۳۷ کتاب الھبۃ، الجنس الثالث)

نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۵۶

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۷	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

بذریعہ اعلان عاق نامہ بیٹے کو میراث سے محروم کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے سے ناراض ہو اور اسی ناراضگی کی وجہ سے اخبار وغیرہ میں بذریعہ اشتہار اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے اُسے عاق کرنے کا اعلان کر دے تو کیا باپ کی وفات کے بعد عاق شدہ بیٹا میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وراثت ایک اضطراری حق ہے کوئی شخص اپنی طرف سے اس حق کو زائل یا ختم نہیں کر سکتا، اس لیے باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا بھی میراث کا حقدار ہے تاہم اگر یہ شخص اپنی زندگی ہی میں اپنی جملہ جائیداد و منقولہ سرمایہ اپنے ورثاء میں تقسیم کر دے اور ان کو باقاعدہ مالک بنا دے تو اس صورت میں باپ کے مرنے کے بعد عاق شدہ بیٹا حق ارث کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

قال العلامۃ محمد علاؤ الدین آفندیؒ: الارث جبری لا یسقط بالاسقاط۔ (تکملۃ رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۵ مطلب واقعۃ الفتوی۔ کتاب الدعوی)ؒ

ۓ وذکر الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃؓ قالت: اشتریت بریرۃؓ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتریہا فان الولاء لمن اعتق۔ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۹۹۹ کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق الخ)

ومثلہٗ فی مسند الفتاوی ج ۳ ص ۲۶۳ کتاب الفرائض۔

کفار کے ہاں قیدی شخص کی میراث کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا ایک بھائی کشمیر میں جہاد کے دوران انڈین فوج کے ہاتھوں قید ہو گیا ہے، اب دوسرے بھائی والد صاحب کے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو کیا قیدی بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی رہائی کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔

الجواب:۔ جب کوئی مسلمان کفار کے ہاتھوں قید ہو جائے تو وہ تا وقت موت یا ارتداد عام مسلمانوں کی طرح میراث کا حقدار ہے، لہٰذا آپ کا وہ بھائی جو دشمن کی قید میں ہے باپ کی میراث میں برابر کا حقدار ہے اس کی رہائی یا موت کی مصدقہ اطلاع تک اس کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔

قال السید شریف الجرجانیؒ: حکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث ما لم یفارق دینه فیرث ویورث منه لان المسلم من اهل دار الاسلام اینما کان۔ (الشریفیة ص۱۴۲ فصل فی الاسیر) ؎

شیعہ سنی کے مابین میراث کا حکم

سوال:۔ کیا کوئی شیعہ کسی سنی کے مال میں شرعاً میراث کا حقدار بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیعہ (روافض) کے مختلف گروہ ہیں، جو شیعہ کفریہ عقائد مثلاً الوہیت حضرت علیؓ اور قذف سیدہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کے قائل ہوں تو اختلاف دین کی وجہ سے شیعہ سنی کا وارث نہیں ہو سکتا، البتہ جو شیعہ غالی نہ ہوں تو صرف بدعت مانع ارث نہیں۔

قال العلامة السجاوندی رحمه الله: والمانع من الارث اربعة.....

؎ وفی الهندیة: وحکم الاسیر کحکم سائر المسلمین فی المیراث ما لم یفارق دینه فان فارق دینه فحکمه حکم المرتد فان لم یعلم ردته ولا حیاته ولا موته فحکمه حکم المفقود۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۶ الباب الثامن فی المفقود والاسیر)

ومثله فی السراجی ص۵۸ فصل فی الاسیر۔

والقتل الذی یتعلق بہ وجوب القصاص او الکفارۃ ..... واختلاف الدینین ای اسلامًا وکفرًا۔ (السراجی ص۳ فصل فی الموانع) سلہ

مرتد کسی مسلمان کی میراث کا حقدار نہیں

سوال:۔ میرا بھائی امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گیا وہاں وہ عیسائی بن گیا، تو کیا والد صاحب کی وفات کے بعد اس کو میراث میں حصہ دیا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ وہ اپنے حصہ میراث کا مطالبہ کرتا ہے۔

الجواب:۔ ارتداد مانع ارث ہے۔ اسی بنا پر مرتد ہونے کی وجہ سے آپ کا بھائی بھی باپ کے مال وراثت کا حقدار نہیں رہا۔

قال العلامۃ سید شریف جرجانیؒ: واما المرتد فلا یرث من احد لا من مسلم ولا من مرتد مثلہ لانہ جانٍ بارتدادہ فلا یثبت حق الصلۃ الشرعیۃ التی ھی الارث بل یحرم عقوبۃ بما تقابل بہ من حق۔ (الشریفیۃ ص۱۴۱ فصل فی المرتد)۔ سلہ

مرتدہ عورت کے ترکہ کا حکم

سوال:۔ ایک مسلمان عورت مدرسہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئی تو وہاں وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو گئی، اور اب اس کا انتقال ہو گیا ہے تو شرعاً کون اس کے ترکہ کا حقدار ہے؟

الجواب:۔ ارتداد اگرچہ مانع ارث ہے مگر عورت اس سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں اس مرتدہ عورت کی موت کے بعد اس کا ترکہ اس کے ورثاء میں

سلہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: اختلاف الدینین اسلامًا وکفرًا۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: ای من جہۃ الاسلام والکفر اما اختلافہما من جہۃ الیہودیۃ والنصرانیۃ فلا یکون مانعًا وھذا التقیید لا بد منہ ..... واما عدم توریث الکافر من المسلم فبالاجماع۔

(الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۴ ص۳۴۹ کتاب الفرائض)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج۴ ص۳۵۵ کتاب الفرائض۔

سلہ وفی الہندیۃ: المرتد لا یرث من مسلم ولا من مرتد مثلہ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۶ ص۴۵۵ الباب السادس فی میراث اہل الکفر)

ومثلہ فی السراجی ص۴۲ فصل فی المرتد۔

بطریقِ شرعی تقسیم ہوگا۔

قال العلامۃ السید شریف الجرجانیؒ: وکسب المرتد جمیعاً ای سواء اکتسبہ فی اسلامہا او فی ردتہ قبل اللحوق بدار الحرب لورثتہ المسلمین بلا خلاف بین اصحابنا۔ (السراجیۃ ص ۱۴ فصل فی المرتد) ؎۱

ہیجڑے کی میراث کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک ہیجڑا جس کی داڑھی بھی ہے اگر اس کا باپ، ماں یا کوئی اور رشتہ دار مرجائے تو میراث میں اس کا کتنا حصہ ہوگا؟

الجواب:۔ اگر ہیجڑا پر مردوں کے آثار موجود ہوں تو اسے مردوں جتنا حصہ ملے گا اور اگر عورتوں کے آثار زیادہ ہوں تو عورتوں جتنے حصے کا حقدار ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس ہیجڑے کی داڑھی آچکی ہے جو کہ مردوں کی علامت ہے اس لیے اس کا حصۂ میراث مردوں جتنا ہوگا۔

قال العلامۃ السید شریف الجرجانیؒ: فلا بد أن یزول الاشکال بظہور علامۃ لانہ ان جامع بذکرہ او نبتت لہ لحیتہ او احتلم کما احتلم الرجل فہو رجل۔
(السراجیۃ ص ۱۲۵ فصل فی الخنثی) ؎۲

مرنے والے کا قرض نکل آنے پر تقسیمِ ترکہ کالعدم ہوجاتی ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا طاہر جمال تقریباً ۳ سال ملائشیا میں رہا جب وہ گاؤں واپس آیا

؎۱ وفی الہندیۃ: والمرتدۃ اذا ماتت قسم مالہا بین ورثتہا علی فرائض اللہ تعالیٰ سواء کان کسب الاسلام او کسب الردۃ کلا الکسبین یصیر میراثاً عنہا۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص ۴۵۵ الباب السادس فی میراث اہل الکفر)
ومثلہ فی السراجی ص ۴۲ فصل فی المرتد۔

؎۲ وفی الہندیۃ: فاذا بلغ الخنثی وخرجت لحیتہ او وصل الی النساء فہو رجل۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص ۴۵۶ الباب التاسع فی میراث الخنثی)
ومثلہ فی السراجی ص ۴۵ فصل فی الخنثی۔

تو یہاں ہم نے قرضہ لے کر اس کی شادی کی، کچھ عرصہ بعد وہ سخت بیمار ہو گیا تو اس کا علاج بھی قرضہ لے کر کرایا اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو گیا، بعد از وفات بینک میں اس کے ۱۴ لاکھ روپے موجود تھے جو کہ بذریعہ عدالت ورثاء میں تقسیم کئے گئے، اس کے بعد اس کے ذمے کافی قرضہ نکل آیا۔ تو کیا اس قرضہ کی ادائیگی کے لیے ورثاء سے رجوع کیا جا سکتا ہے یا نہیں یا اس قرضہ کو ادا کرنے کا میں ہی ذمہ دار ہوں؟

الجواب:۔ کسی کی وفات کے بعد اس کے کل مال سے اولاً چار حقوق منہا کئے جائیں گے، اور پھر بقیہ مال ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

وفی الهندیة: التركة تتعلق بها حقوق اربعة جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدأ اولاً بجهازه وكفنه وما يحتاج اليه في دفنه بالمعروف۔ (الفتاوى الهندية ج۶ ص۴۴۷ كتاب الفرائض)

قال الشيخ السيد شريف الجرجاني: ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله اى يبدأ بقضاء دينه من جميع ماله الباقي بعد التجهيز والتكفين وهذا هو الاتفاق في الاربعة۔ (الشريفية ص۳ كتاب الفرائض)

اور اگر لاعلمی یا دھوکہ دہی کی وجہ سے مرنے والے کا کل ترکہ اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جائے تو یہ تقسیم صحیح نہیں بلکہ از سر نو قرضہ وغیرہ منہا کر کے بقیہ میراث کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

كما في مجلة الاحكام: اذا ظهر دين على الميت بعد قسمة التركة تفسخ القسمة۔

قال العلامة سليم رستم باز تحت مادة سواء كان الدين محيطاً بالتركة اولا اما الاول فظاهر لانه يمنع الملك فيمنع التصرف واما الثاني فتعلق حق الغرماء بالتركة شائعاً ولان القسمة مؤخرة عن قضاء الدين لحق الميت۔

(شرح المجلة ص۶۴۱ الفصل الرابع في فسخ القسمة واقالتها)

لہٰذا بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں بھی مرحوم بیٹے کے ذمہ قرض کی ادائیگی اس کے باپ کے ذمے نہیں بلکہ تقسیم وراثت کالعدم متصور ہو کر جملہ ترکہ سے قرضہ منہا کیا جائے گا اور بقیہ مال ورثاء میں تقسیم ہو گا، اس لیے مرحوم کے باپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ دیگر ورثاء سے قرض کی ادائیگی کرے چاہے ورثاء میں اس کی بیوہ ہو یا ماں باپ ہوں۔

سوتیلا باپ میراث سے محروم ہے

سوال:۔ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا ہے اس کے ورثاء میں ایک بیوہ دو بیٹے اور ایک سوتیلا باپ موجود ہیں، مرحوم کی میراث ان میں کس طرح تقسیم ہوگی؟

الجواب:۔ حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد باقیماندہ مال مرحوم کی بیوہ اور دو بیٹوں میں تقسیم ہوگا جبکہ سوتیلا باپ حق میراث سے محروم ہوگا اس لیے کہ دونوں کے درمیان موجب ارث کوئی رشتہ داری نہیں۔

۸ × ۲ = ۱۶

بیوہ	بیٹا	بیٹا
۲/۱۶	۷/۱۶	۷/۱۶

قال العلامة السجاوندیؒ: العصبات النسبية..... وهم اربعة اصناف جزء الميت واصله وجزء ابيه وجزء جده۔ (السراجی ص۱۱ باب العصبات)[1]

سوتیلے بیٹے کی میراث کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی بیوہ عورت سے شادی کی جبکہ بوقت نکاح اس عورت کا مرحوم شوہر سے ایک بیٹا بھی تھا جس نے اس آدمی کے گھر میں پرورش پائی اور وہ بھی اس کو اپنا بیٹا سمجھتا رہا اب یہ آدمی فوت ہو گیا ہے تو کیا یہ لڑکا اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا یا نہیں یاد رہے کہ اس لڑکے کے یہ بھائی اس کی ماں یعنی اس عورت کے دوسرے شوہر سے ہیں؟

الجواب:۔ چونکہ مرحوم اور اس کے سوتیلے بیٹے کے درمیان کوئی موجب میراث رشتہ نہیں اسلئے مرحوم کا ترکہ اس کے حقیقی بیٹوں کا ہے اور یہ لڑکا میراث سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الموصلیؒ: ويستحق الارث برحم ونكاح وولاء۔

(الاختيار لتعليل المختار جزء۵ ص۸۶ كتاب الفرائض)[2]

---

[1] قال العلامة الموصلیؒ: ويستحق الارث برحم ونكاح وولاء..... ثم اصله وهو الاب ثم جزء ابيه ثم بنوهم الخ۔ (الاختيار لتعليل المختار جزء۵ ص۸۶ كتاب الفرائض)
ومثله فی الهندية جزء۶ ص۴۴۷ كتاب الفرائض، الباب الاول۔

[2] وفی الهندية: ويستحق الارث باحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجية والولاء۔ (الفتاوى الهندية ج۶ ص۴۴۷ كتاب الفرائض الباب الاول)

دو بیویوں کی اولاد میں میراث کی تقسیم کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی بیوی سے میں ہوں علاوہ میری دو بہنیں بھی ہیں، اور دوسری بیوی سے تین بیٹے ہیں جبکہ میری والدہ کا والد صاحب سے پہلے انتقال ہو گیا ہے، اب کیا والد صاحب کا ترکہ ان کی سب اولاد میں برابر تقسیم ہوگا یا ہم حقیقی بہن بھائی کو کم اور دوسروں کو زیادہ ملے گا؟

الجواب: میراث کی تقسیم میت کے ساتھ رشتے کی بناء پر ہوتی ہے بصورتِ مسئولہ میں چونکہ مرحوم کے ساتھ ان کی دونوں بیویوں کی اولاد کا حق برابر ہے اس لیے آپ سب میں حصۂ شرعی کے مطابق میراث تقسیم ہوگی یعنی ماں کے حصے کے علاوہ مال کے دو حصے ایک بھائی اور دو بہنوں کو ملیں گے اور تین حصے دوسرے تین بھائیوں کو ملیں گے۔

۸ × ۱۰ = ۸۰

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۱/۸	۱۴/۸۰	۱۴/۸۰	۱۴/۸۰	۱۴/۸۰	۷/۸۰	۷/۸۰

قال العلامۃ السجاوندیؒ: العصبات النسبیۃ وھم اربعۃ اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ الاقرب فالاقرب یرجحون بقرب الدرجۃ اولھم بالمیراث جزء المیت ای البنون۔ (السراجی ص۱۹ باب العصبات)[1]

مہر میں شوہر کا حصہ اِرث

سوال: ایک عورت کو شادی کے بعد کسی وجہ سے اس کے انتقال تک اس کا حق مہر نہیں ملا جبکہ اس عورت کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے صرف ایک باپ، دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، تو اب مہر کس کا حق ہے؟

الجواب: حق مہر بھی مرحومہ کے ترکہ میں شامل ہے اس لیے مرحومہ کے دیگر اموال

---

[1] قال العلامۃ الموصلی رحمہ اللہ: عصبۃ بنفسہ وھو کل ذکر لا یدخل فی نسبتہ الی المیت انثی واقربھم جزء المیت وھو بنوہ۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۹۲ فصل فی العصبات)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۶ ص۴۵۱ الباب الثالث فی العصبات۔

کی طرح اس کے مہر کی رقم بھی شوہر اور باپ کے درمیان تقسیم ہوگی یعنی آدھا مہر شوہر کو اور آدھا باپ کو ملے گا بھائی محروم رہیں گے۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والربع مع الولد الخ۔ (السراجی ص۶ باب معرفة الفروض الخ)

کسی وارث کو وراثت سے محروم کرنا

سوال: کیا کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کرنا جائز ہے؟ اگر نہیں تو محروم کرنے والے کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا تاہم جو فیصلہ وہ کرچکا ہے یعنی اپنی زندگی میں اپنے جملہ اموال منقولہ وغیر منقولہ کو دیگر ورثاء میں تقسیم کردے تو نافذ ہوگا اور اس کی موت کے بعد محروم ہونے والا وارث حق میراث کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: ولو وهب جمیع ماله لابنه جاز في القضاء وهو آثم نص عليه محمد هكذا في العيون۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۴ ص۴۰۰ کتاب الهبة قبیل الفصل الثانی)۔[2]

بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنا گناہ ہے

سوال: بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ نہیں دیا جاتا، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

---

[1] قال العلامة الموصلیؒ: ثم تقضي دیونه ---- والربع في فرضها وفرض الزوج والنصف في فرض الزوج۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۸۹،۹۲ کتاب الفرائض)

ومثله في الهندیة ج۶ ص۴۴۸ کتاب الفرائض، الباب الاول۔

[2] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: رجل وهب في صحته کل المال للولد جاز في القضاء ویکون آثما فیما صنع۔ (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۳ ص۲۷۹ فصل في الهبة الولد لولده)

ومثله في الهندیة ج۴ ص۳۹۱ الباب السادس في الهبة للصغیر۔

الجواب :- باپ کے مرنے کے بعد جس طرح بیٹے اس کی میراث میں وارث کے مستحق ہیں اسی طرح بیٹیاں بھی شرعاً حقدار ہیں اور یہ حق ان کو اسلام نے دیا ہے اس لیے انہیں اس شرعی حق سے محروم کرنا ناجائز و حرام ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو آثم نص عن محمد هكذا في العيون۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۴۰۰ كتاب الهبة جنس الفصل الأول) ؎۱

ولد الزنا اور ولد الملاعنة کی میراث کا حکم

سوال :- جس بچے کے نسب کی باپ لعان کے ذریعے نفی کردے اور پھر میاں بیوی کے مابین رشتۂ ازدواج بھی ختم ہو جائے، اب سوال یہ ہے کہ جب یہ مر جائے تو اس کی میراث باپ کو ملے گی یا ماں اور اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگی؟

الجواب :- جس بچے کا نسب بذریعہ لعان باپ سے منقطع ہو جائے تو وہ ولد الزنا کی طرح ہے، اب چونکہ اس کا رشتۂ نسب صرف ماں سے ثابت ہے اس لیے اس کی میراث بھی ماں اور اس کے رشتہ دار لیں گے اور باپ حق میراث سے محروم رہے گا۔

قال العلامة الموصليؒ: ويعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة مولى أمه لأنه لا أب له، والنبي صلى الله عليه وسلم ألحق ولد الملاعنة بأمه فصار كشخص لا قرابة له من جهة الأب فيرثه قرابة أمه ويرثهم۔ (الاختيار لتعليل المختار ج۴ ص۱۰۳ فصل في العصبات) ؎۲

؎۱ قال العلامة قاضي خان رحمه الله: رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثماً فيما صنع۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۳ ص۲۷۹ فصل في هبة الوالد لولده)

ومثله في الهندية ج۴ ص۳۹۱ الباب السادس في الهبة للصغير۔

؎۲ قال العلامة الحصكفيؒ: ويعصبة ولد الزنا وولد الملاعنة مولى الأم... وهي ترث ولدها... وولد الملاعنة يرث من توأمه ميراث أخ لأم۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۵ ص۴۹۵ كتاب الفرائض)

ومثله في امداد الفتاوى ج۴ ص۳۶۷ كتاب الفرائض۔

دو رشتہ والے کی میراث کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی فوت ہوگیا ہے اور اس کے ورثاء میں ایک بیوہ مسماۃ گل بیٹہ، دوسرا وارث مسمی جمعہ گل جو کہ باپ کے رشتے سے چچازاد بھائی اور ماں کے رشتے سے سوتیلا بھائی ہے۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسمی جمعہ گل کو مرحوم کی میراث میں کتنا حصہ ملے گا؟

الجواب:۔ مرحوم کے ترکہ میں مسمی جمعہ گل کو دو حصے ملیں گے، ایک اخیافی بھائی ہونے کے ناطے سے اور دوسرا عصوبت کی وجہ سے، اس لیے تقسیم میراث میں مرحوم کی بیوہ کو ۱/۴ حصہ ملے گا اور باقی مال جمعہ گل کا ہوگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو۔

۴

بیوہ	جمعہ گل
۱/۴	۳/۴

پنشن کی رقم میں میراث کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوگیا ہے جو کہ فوج میں ملازم تھا۔ اس نے اپنی پنشن بیوی کے نام پر اس عنوان سے کی تھی کہ میری وفات کے بعد میری پنشن میری بیوی کو دی جائے، اب اس کی وفات کے بعد اس کے دوسرے ورثاء پنشن میں وراثت کا دعویٰ کرتے ہیں، تو کیا مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر ورثاء کا بھی پنشن میں حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پنشن کا وظیفہ مال مملوکہ نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے ایک عطیہ ہوتا ہے بنا بریں وجہ یہ وظیفہ تقسیم میراث سے مستثنیٰ ہوگا، سرکار جس کو چاہے اور جتنا چاہے دے سکتی ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ مرحوم نے کاغذات اس کی بیوہ کے نام کیے اور سرکار بھی اس پر راضی ہے اس لیے یہ پنشن صرف بیوہ کا حق ہے۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: چونکہ میراث مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور یہ وظیفہ محض تبرع و احسان سرکار کا ہے بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا لہٰذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی، سرکار کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کردے۔ الخ (امداد الفتاویٰ جلد ۴ ص ۳۴۳ کتاب الفرائض)

میت کی جملہ مملوکہ اشیاء میں ارث جاری ہونے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا میراث صرف میت کی جائیداد میں جاری ہوگی یا گھر اور اس کے سازو سامان، نقدی میں بھی جاری ہوگی؟

الجواب:۔ کسی کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہو اس کے مرنے کے بعد وہ سب ترکہ شمار ہوتا ہے مرحوم کی جائیداد ہو یا نقدی، گھر ہو یا اس کا سازو سامان، ان سب اشیاء میں ارث جاری ہوگی اور ورثاء میں تقسیم ہوگی۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشیدؒ: قال علماؤنا رحمہم اللہ تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة۔

قال المحشي تحت لفظ التركة: والمراد من التركة ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير بعينه وان كان حق الغير متعلقا بعينه كالرهن والعبد الجاني والمشترى قبل القبض قال صاحبه يقدم على التجهيز كما في حال حياته الخ۔[1]

(السراجية شرح السراجي ص۴ كتاب الفرائض)

مفقود الخبر کے ترکہ کی تقسیم کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کئی سالوں سے لاپتہ ہو اور ممکن ذرائع سے تلاش کے باوجود اس کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو سکے تو اس کی جائیداد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس کے ورثاء میں تقسیم کی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں مفقود الخبر ۹۰ سال تک زندہ اور اپنی جائیداد کا مالک ہوتا ہے اس لئے جب تک مفقود الخبر کی عمر ۹۰ سال نہ ہو جائے اور مسلمان حاکم اس کی موت کا فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک اس کی جائیداد کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جب مسلمان حاکم یا قاضی کی طرف سے اس کی موت کی تصدیق و فیصلہ ہو جائے تو اس وقت موجود ورثاء میں اس کی جملہ جائیداد بطور میراث تقسیم ہوگی اور فوت شدہ ورثاء

---

[1] قال العلامة الزيلعيؒ: والمراد من التركة ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير بعينه الخ۔ (تبيين الحقائق ج۶ ص۲۲۹ كتاب الفرائض)

ومثله في الهندية ج۶ ص۴۴۷ كتاب الفرائض۔

محروم ہوں گے۔

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید: المفقود حیٌّ فی ماله حتی لا یرث منه احدٌ ومیتٌ فی مال غیره حتی لا یرث من احدٍ ویوقف ماله حتی یصح موته او تمضی علیه مدةٌ۔ واختلفت الروایات فی تلک المدة وبعد اسطر قال بعضهم تسعون سنة وعلیه الفتوی۔ (السراجی ص۵۵ فصل فی المفقود)[۱]

عصبہ کی موجودگی میں ترکہ میں نواسیوں کے حصہ کا حکم

سوال:- ایک عورت فوت ہو گئی ہے اس کے ورثاء میں دو نواسیاں (بیٹی کی بیٹیاں)، دو بھائی اور شوہر زندہ ہیں، اب نواسیوں کو نانی کی میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟ جبکہ ان کی والدہ نانی سے قبل ہی فوت ہو گئی ہے؟

الجواب:- نواسیوں کا شمار ذوالارحام میں ہوتا ہے، عصبہ کی عدم موجودگی میں ان کو نانا یا نانی کی میراث میں حصہ ملے گا، صورت مسئولہ میں چونکہ مرحومہ کے دو بھائی ہیں جو اس کے عصبہ بنتے ہیں اس لیے اس کا ترکہ اس کے شوہر اور بھائیوں میں بقدر حصص شرعی تقسیم ہوگا اور نواسیاں محروم ہوں گی۔

وفی الهندیة: وانما یرث ذوو الارحام اذا لم یکن احد من اصحاب الفرائض ممن یرد علیه ولم یکن عصبة۔ (الفتاوی الهندیة ج۶ ص۴۵۸ الباب العاشر فی ذوی الارحام)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: قال مشائخنا رحمهم الله: مسألة المفقود علی حرفین واحد ان المفقود یعتبر حیاً فی ماله ومیتٌ فی مال غیره حتی یقضی من یوم انه لا یعیش اکثر من تلک المدة فلا تموت اقرانه وبعد ذلک یعتبر میتاً فی ماله۔
(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۳۰۰ الباب الثانی فی المفقود والاسیر)

[۲] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمه الله: ولا شیء لذوی الارحام مع العصبة ومع صاحب الفرائض الخ۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۹۴ جنس آخر فی ذوی الارحام وما المصنف فی الرابع الخ)
ومثله فی السراجی باب ذوی الارحام ص۳۵

اعیانی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا میراث سے محروم ہونا

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں ایک شخص فوت ہوگیا ہے جس کے ورثاء میں تین بیٹیاں، ایک اعیانی بہن اور بھائی، ایک علاتی بھائی زندہ ہیں، تو کیا اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں سوتیلے یعنی باپ شریک بھائی کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اعیانی بہن بھائی کی موجودگی میں علاتی (اور اخیافی) بہن بھائی کی میراث سے محروم ہوں گے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحوم کا ترکہ اس کی تین بیٹیوں اور اعیانی بہن بھائی میں تقسیم ہوگا اور سوتیلا بھائی محروم ہوگا، نقشہ درج ذیل ہے:۔

میت ۳×۳ = ۹

بنت	بنت	بنت	اخ لاب وام	اخ لاب	اخت لاب وام
۲/۹	۲/۹	۲/۹	۲/۹	محروم	۱/۹

قال الشیخ سراج الدین محمد بن عبد الرشید: ای ذی القرابتین اولیٰ من ذی قرابۃ واحدۃ ذکراً کان او انثیٰ لقوله علیه السلام ان اعیان بنی الام یتوارثون دون بنی العلات کالاخ لاب وام اولیٰ من الاخ لاب وکذا الاخت لاب وام اذا صارت عصبة مع البنت

(سراجی ص ۲۲ باب العصبات)

میراث میں مطلقہ کے حصے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، عدت گزر جانے کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب اس کی مطلقہ بیوی حقِ میراث کا دعویٰ کرتی ہے، تو کیا اس کو سابقہ خاوند کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ عورت عدت گزر جانے کے بعد خاوند کے لیے اجنبی بن جاتی ہے، اس لیے مطلقہ کو عدت گزر جانے کے بعد میراث میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ میت کے ورثاء کا حق ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مطلقہ کا دعویٰ ارث صحیح نہیں ہے۔

وفی الہندیۃ: ولو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهی فی العدۃ فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات

لم ترث . (فتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) ۔ ۱ھ

بیوی کا کفن شوہر کے ذمہ ہے

سوال :۔ اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کے ورثہ میں شوہر، بھائی اور باپ زندہ ہے تو کیا اس عورت کا کفن اس کے مہر سے بنایا جائے گا یا اس کا جملہ خرچہ شوہر برداشت کرے گا؟

الجواب :۔ چونکہ کفن عورت کا لباس ہے اور لباس شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے لہذا جب عورت فوت ہو جائے تو اس کے کفن کا خرچہ شوہر برداشت کرے گا اس کے حق مہر سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنها علیه عند الثانی وان ترکت مالاً خانیة ورجحه فی البحر بانه الظاهر لانه ککسوتها ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۸۱۸ باب صلوٰة الجنائز) ۔ ۲ھ

اپنا حصہ میراث کسی دوسرے حصہ دار پر فروخت کرنا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے والد صاحب کچھ ماہ قبل انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے کافی جائیداد ترکہ میں چھوڑی ہے، میں ایک غریب آدمی ہوں کیا میں اپنا حصہ میراث اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک بھائی پر فروخت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ جبکہ میرے علاوہ دوسرے ورثاء ابھی جائیداد تقسیم نہیں کرنا چاہتے؟

الجواب :۔ آپ چونکہ اپنے والد صاحب کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے ترکہ میں

ۃ قال العلامة قاضی خان رحمه الله : وان ابانها بغیر سؤالها فتم مات وهی فی العدة ورثته عندنا وان مات بعد انقضاء العدة لم ترث . الخ

(فتاوی قاضیخان ج۲ ص۲۴۲ کتاب الطلاق فصل فی المعتدة التی ترث)

ومثله فی شرح الوقایة ج۲ ص۱۰۹ کتاب الطلاق باب طلاق المریض۔

ۃ وفی الهندیة : ومن لم یکن له مال فالکفن علی من تجب علیه نفقته الا الزوج فی قول محمدؒ وعلی قول ابی یوسفؒ یجب الکفن علی الزوج وان ترکت مالاً وعلیه الفتوی هکذا فی فتاوی قاضیخان ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۶۱ الفصل الثالث فی التکفین) ومثله فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۱۸۹ فصل فی الکفن

حصہ شرعی کے حقدار ہیں اور وہ حصہ آپ کی ملکیت ہے اس لیے آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے حصہ کی جائیداد تقسیم سے قبل یا بعد اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک پر فروخت کر دیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویجوز بیع احدھما نصیبہ من شریکہ وجمیع الصور ومن غیر شریکہ بغیر اذنہ۔

(الھدایة ج۲ ص۶۲۸ کتاب الشرکة)[1]

چار بیویوں کا خاوند کے ترکہ میں حصہ شرعی

سوال:۔ ایک شخص کی چار بیویاں ہیں اور اس کی وفات کے بعد چاروں زندہ ہیں، تو کیا ہر ایک کو خاوند کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا یا سب کا حصہ شرعی آٹھواں ہے جو ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا؟

الجواب:۔ اسلام نے اولاد کی موجودگی میں بیوی کے لیے آٹھواں حصہ مقرر کیا ہے، چاہے کسی کی ایک بیوی ہو یا زیادہ، اور اگر اولاد نہ ہو تو چوتھا حصہ اس کیلئے مقرر ہے اس لیے صورت مسئولہ میں مرحوم کی کل جائیداد کا ۱/۸ حصہ اس کی چاروں بیواؤں میں برابر تقسیم کیا جائے گا اور باقی ترکہ مرحوم کی اولاد اور دوسرے ورثاء کو دیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل۔ (السراجی ص۸/۷ باب معرفة الفروض)[2]

---

[1] قال العلامة ابن الھمام رحمہ اللہ: ان الشرکة اذا کانت بینھما من الابتداء بان اشتریا حنطة او ورثاھا کانت کل حبة مشترکة بینھما فلیبیع کل منھما نصیبہ شائعاً جائز من الشریک والاجنبی۔

(فتح القدیر ج۶ ص۱۶۵ کتاب الشرکة)

[2] وفی الھندیة: وللزوجة الربع عند عدمھما والثمن مع احدھما والزوجات والواحدة یشترکن فی الربع والثمن وعلیہ الاجماع۔

(الفتاوی الھندیة ج۶ ص۴۵۰ الباب الثانی فی ذوی الفروض)

[3] ومثلہ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۵ ص۱۱۵ کتاب الفرائض۔

پہلے شوہر کا میراث میں حصہ نہیں ہے

سوال: کسی مطلقہ عورت نے ایک دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور چند سال اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے بعد فوت ہو گئی۔ اب اس کے ترکہ میں دونوں خاوندوں کا مال ہے، پہلا شوہر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے والے مہر میں مجھے ۱/۴ حصہ مال ملنا چاہیے جبکہ اس عورت کے شوہر ثانی سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں بھی ہیں، کیا شرعاً پہلے خاوند کو عورت کے ترکہ میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: طلاق دے کر عدت گزر جانے کے بعد میاں بیوی کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا اور دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہو جاتے ہیں جبکہ میراث کے لیے رشتہ ارث ضروری ہے۔ صورت مسئولہ میں جہاں تک عورت کے پہلے شوہر کے حق مہر کا تعلق ہے تو وہ عورت کی ملکیت ہے اس میں سابقہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں اس لیے عورت کا جملہ ترکہ اس کے شوہر ثانی، تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم ہوگا۔

مرحومہ ۴ × ۸ = ۳۲

شوہر اول	شوہر ثانی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
محروم	۸/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۶/۳۲	۳/۳۲	۳/۳۲

وفي الهندية: ولو طلقها طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وهي في العدة فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث وهذا اذا طلقها من غير سؤالها فاما اذا طلقها بسؤالها فلا ميراث لها۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۴۶۳ باب الخامس في طلاق المريض)

بھتیجوں کی موجودگی میں بھتیجیاں میراث سے محروم ہوں گی

سوال: ایک شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے ورثاء میں صرف چھ بھتیجے اور چار بھتیجیاں زندہ ہیں۔ اب بھتیجیاں چچا کے ترکہ میں میراث کا مطالبہ کرتی ہیں، تو کیا ان کو شرعاً چچا کے ترکہ میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں مرحوم کے جملہ ترکہ میں صرف اس کے بھتیجے حقدار ہیں اور بھتیجیوں کو چچا کے ترکہ سے کچھ بھی نہیں ملے گا وہ شرعاً محروم ہوں گی، مرحوم کا جملہ ترکہ چھ بھتیجوں میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔

قال العلامة السجاوندیؒ : العصبات النسبیة ... ثم جزء ابیه ای الاخوة ثم بنوھم وان سفلوا ثم جزء جدہ ۔ (السراجی ص۱۳ باب العصبات) ۔ سلہ

نکاح ثانی کرنے سے عورت کا حصہ میراث ختم نہیں ہوتا

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب ۱۹۸۵ء میں فوت ہوگئے ہیں اور انہوں نے نقد رقم کے علاوہ کچھ جائیداد بھی ترکہ میں چھوڑی ہے، والد صاحب کی وفات کے کچھ ماہ بعد ہی والدہ نے دوسرا نکاح کر لیا، اب وہ والد صاحب کے چھوڑے ترکہ میں اپنے حصہ کا مطالبہ کررہی ہیں، تو کیا شرعاً والدہ کا اس ترکہ میں حصہ بنتا ہے یا نہیں جبکہ انہوں نے نکاح ثانی بھی کرلیا ہے؟

الجواب:- میاں بیوی کا رشتہ موجب ارث رشتہ ہے، خاوند کی وفات کے بعد وہ ترکہ میں حصہ شرعی کی حقدار ہے، عدت گذارنے کے بعد دوسرا نکاح کرنے سے میراث میں حصہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے آپ کی والدہ کا اپنے مرحوم خاوند کے ترکہ میں حصہ شرعی کا دعویٰ صحیح ہے جو کہ اس کو دینا چاہیئے۔

لقولہ تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (سورۃ النساء آیت ۱۲) ۔ ۲ہ

۱ہ وفی الھندیة: وباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون اخواتھم وھم اربعة ایضاً العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق الخ
الفتاوی الھندیة ج۶ ص۴۵۱
الباب الثالث فی العصبات

۲ہ قال العلامة السجاوندی رحمه الله: اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والثمن مع الولد وولد الابن وان سفل۔
(السراجی ص۸ باب معرفة الفروض ومستحقیھا)
ومثلہ فی الھندیة ج۶ ص۴۵۰ الباب الثانی فی ذوی الفروض۔

اولاد کی موجودگی میں والدین کا حصہ شرعی متاثر نہیں ہوتا

سوال :- کیا اولاد کی موجودگی میں والدین کو میراث میں حصہ ملے گا یا نہیں ؟ جبکہ والدین کا معقول ذریعہ آمدنی بھی ہے اور اولاد کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ؟

الجواب :- ولدیت کا رشتہ موجب ارث ہے اولاد کا وجود اس کے لیے مانع نہیں اور نہ والدین کے ذرائع آمدنی سے ان کا حصہ میراث متاثر ہوتا ہے اس لیے اولاد کی موجودگی میں بھی والدین کو ۱/۶ حصہ میراث ملے گا۔

لقوله تعالیٰ. وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۱) [1]

حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم میں میراث کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب!

میرا شوہر سیلاب میں ڈوب کر فوت ہو گیا ہے حکومت نے سیلاب میں مرنے والوں کی بیواؤں کو ۵/۰ ہزار روپے امداد کے طور پر دیئے ہیں مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے چار معصوم بچے ہیں اور اس امدادی رقم کے علاوہ میری گزران کا اور کوئی ذریعہ بھی نہیں اب میرا سسر اس ۵ ہزار روپے میں سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے تو کیا شرعاً حکومت کی طرف سے ملنے والی اس امدادی رقم میں میرے سسر کا کوئی حصہ ہے یا نہیں ؟

الجواب :- صورت مسئولہ کے مطابق جو مال حکومت نے مرحوم کی بیوہ کو دیا ہے وہ حکومتی امداد ہے جو مرحوم کی بیوہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے اس لیے کہ یہ مال مرحوم کا ترکہ نہیں ہے جبکہ میراث

---

[1] قال العلامة السجاوندیؒ اما الاب ..... وهو السدس وذلك مع الابن او ابن الابن وان سفل ...... مالام فاحوال ثلث السدس مع الولد او ولد الابن وان سفل (السراجی ص۶،۷ باب معرفة الفروض ومستحقیها)

ومثله فی الهندیة ج۶ ص۴۴۸ کتاب الفرائض الباب الثانی فی ذوی الفروض۔

ترکہ میں جاری ہوتی ہے۔

قال العلامة محمد الطوریؒ: تحت قوله (يبدأ من تركة الميت) اراد من التركة ما تركه الميت خاليا عن تعلق حق الغير بعينه۔
(البحر الرائق ج ۸ ص۴۸۹ کتاب الفرائض) [1]

باپ کی زندگی میں میراث کا دعویٰ کرنا

سوال: ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جملہ جائیداد کو فروخت کرنا چاہتا ہے مگر اس کا ایک بیٹا اسے جائیداد فروخت کرنے سے روک رہا ہے اور اپنے حصہ کا مطالبہ کرتا ہے، تو کیا بیٹا باپ کی زندگی میں اس سے اپنے حصۂ میراث کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: باپ اپنی مملوکہ جائیداد میں خود مختار ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے، کوئی بیٹا اس کو شرعاً منع نہیں کر سکتا، اور نہ ہی باپ کی زندگی میں اس کی جائیداد میں اپنے حصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري رحمه الله: ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو آثم نص عن محمدٌ۔ (خلاصة الفتاوى ج۴ ص۴۰۰ كتاب الهبة، قبيل الفصل الثاني) [2]

---

[1] قال العلامة الدكتور وهبة الزحيلي: الموروث هو التركة ويسمى أيضا ميراثا وارثا وهو ما يتركه المورث من الأموال أو الحقوق التي يمكن تركها عنه لحق القصاص وحبس المبيع لاستيفاء الثمن وحبس المرهون لاستيفاء الدين۔ (الفقه الاسلامي وادلته جلد ۸ ص۲۴۹ الباب السادس الميراث)

[2] قال العلامة قاضي خانؒ: رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج۳ ص۲۷۹ فصل في الهبة للوالد لولده)

ومثله في الهندية ج۴ ص۳۹۱ الباب السادس في الهبة للصغير۔

منافع بھی ترکہ میں شامل ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! میرے والد صاحب کسی کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے جس میں والد صاحب کے چار لاکھ روپے تھے، مشترکہ کاروبار بڑے اچھے طریقے سے چل رہا تھا کہ اچانک والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اب دس سال بعد ہم اس سرمایہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس چار لاکھ روپے کے ساتھ ۲ لاکھ منافع بھی ہو چکا ہے، تو کیا اب ہم تقسیم چار لاکھ کی کریں گے یا منافع کی رقم بھی شامل کرنی ہوگی؟

الجواب: منافع چونکہ شرعاً اصل زر کا تابع ہوتا ہے اس لیے منافع اور اصل رقم کو ملا کر تقسیم کیا جائے گا، یعنی آپ لوگ کل ۶ لاکھ روپے آپس میں تقسیم کریں گے۔

قال العلامة محمد الطوریؒ: تحت قوله (يبدأ من تركة الميت الخ) المراد من التركة ما تركه الميت خالياً من تعلق حق الغير بعينه الخ

(البحر الرائق ج ۸ ص ۴۸۹ كتاب الفرائض) [۱]

قبر کے لیے جگہ کی قیمت میت کے ترکہ سے دی جائے گی

سوال: اکثر شہری علاقوں میں قبر کے لیے جگہ قیمتاً ملتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبر کی قیمت کس مال سے ادا کی جائے گی یعنی میت کے ترکہ سے واجب الادا ہوگی یا ورثاء اپنے مال سے دیں گے؟

الجواب: میت کے کفن دفن یعنی تجہیز و تکفین پر آنے والے اخراجات میت کے جملہ ترکہ سے ادا کیے جائیں گے۔ لہٰذا جہاں کہیں قبر کی جگہ قیمتاً ملتی ہو تو اس کی قیمت میت کے ترکہ سے ادا کی جائے گی۔

وفی الهندية: التركة تتعلق بها حقوق اربعة جهاز الميت ودفنه والدين والوصية والميراث فيبدأ اولاً بجهازه وكفنه وما

---

[۱] قال العلامة وهبة الزحيلي: الموروث هو التركة ويسمى ايضاً ميراثاً وهو ما يتركه المورث من المال او الحقوق التي يمكن ارثها عنه كحق القصاص وحبس المبيع لاستيفاء الثمن وحبس المرهون لاستيفاء الرهن۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۸ ص ۲۴۹ الباب السادس الميراث)

یحتاج الیہ فی دفنہ بالمعروف ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص۴۴۷ الباب الاول، کتاب الفرائض) [1]

قبر کھودنے والوں کی مزدوری کا حکم

سوال :۔ بعض علاقوں میں قبر کھودنے کی مزدوری لی جاتی ہے، تو کیا قبر کھودنے والوں کی مزدوری میت کے ترکہ سے ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ میت کی تجہیز و تکفین پر جتنا بھی خرچہ آئے وہ میت کے ترکہ سے ہی ادا کیا جائے گا، تاہم اگر ورثاء اپنی طرف سے دینا چاہیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ السجاوندیؒ: قال علماؤنا رحمہم اللہ تعالیٰ تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاول یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر الخ (السراجی ص۳،۲ کتاب الفرائض) [2]

شوہر بیوی کے مال میں حصۂ میراث سے محروم نہیں ہوتا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ہماری بہن کو اسکے شوہر نے شادی کے ایک سال بعد اپنے گھر سے نکال دیا لیکن طلاق نہیں دی، چار پانچ سال کے بعد وہ ہمارے ہاں ہی فوت ہوگئی، اب اس کا شوہر ہماری بہن کے مال میں حصۂ میراث کا مطالبہ کر رہا ہے، تو کیا شرعاً مرحومہ کے مال میں اس کا

---

[1] قال العلامۃ السجاوندیؒ: قال علماؤنا رحمہم اللہ تعالیٰ تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاول یبدأ بتکفینہ وتجہیزہ من غیر تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع ما بقی من مالہ الخ۔ (السراجی ص۳،۲)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض الاول فی اصحاب الفرائض۔

[2] وفی الہندیۃ: التركۃ تتعلق بہا حقوق اربعۃ جہاز المیت ودفنہ والدین والوصیۃ والمیراث فیبدأ اولاً بجہازہ وکفنہ وما یحتاج الیہ فی دفنہ بالمعروف۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۶ ص۴۴۷ کتاب الفرائض الباب الاول)

ومثلہ فی البحرالرائق ج ۸ ص۴۸۹ کتاب الفرائض۔

حصہ بنتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میراث کے حصص اضطراری ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں اور بدون موانع شرعی کے ساقط نہیں ہوتے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق جب شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو شوہر ہونے کے ناطے سے وہ بیوی کے ترکہ میں نصف یا ربع کا شرعاً حقدار ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ۔ (سورۃ النساء ۱۲) ۔ [1]

بہن کے مال میں بہن اور بھائیوں کا حصہ

سوال: محترم جناب مفتی صاحب! ہماری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں صرف شوہر، ماں، ہم چھ بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں، کیا مرحومہ کے ترکہ میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب: جب کوئی عورت فوت ہوجائے اور اس کی نہ کوئی اولاد ہو اور نہ باپ تو اس کے مال میں بہن و بھائی سب حصہ شرعی کے حقدار ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں مرحومہ کا ترکہ اس کی ماں، شوہر، بہن اور بھائیوں میں مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مرحومہ ۶ ۱۳×۶ = ۷۸

ماں	شوہر	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
۱۳/۷۸	۳۹/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۴/۷۸	۲/۷۸

وفی الهندية: فالعصبة ثلاثة انواع عصبة بنفسه وهو كل ذكر لا يدخل

---

[1] قال العلامة السجاوندی رحمه الله: اما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد وولد الابن وان سفل والربع مع الولد وولد الابن وان سفل۔
(السراجی ص۶ باب معرفة الفروض ومستحقيها)
ومثله فی البزازیة علی هامش الهندية ج۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض، الاول فی اصحاب الفرائض۔

فی نسبتہ الی المیت انثیٰ وھم اربعۃ اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۶ ص۴۵۱ کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات) لہ

ظالم باپ کا بیٹے کے ترکہ میں حصہ میراث کا حکم

سوال :- ایک شخص بہت بڑا ظالم ہے اور اس نے اپنے بیٹے پر بہت ظلم کئے ہیں، اب اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، تو کیا ایسے ظالم باپ کو بھی بیٹے کی میراث میں حصہ ملے گا ؟

الجواب :- میراث کے حصص شرعاً مقرر شدہ ہیں ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا جائز نہیں اور نہ بدون موانع شرعی کے یہ حصص ساقط ہو سکتے ہیں، اس لئے صورتِ مسئولہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کے مال میں حصۂ شرعی کا حقدار ہے، ظلم کی وجہ سے اس کا حق ساقط نہیں ہو سکتا۔

لقولہ تعالیٰ : وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۔

(سورۃ النساء پ۴ آیت ۱۱) لہ

لہ قال العلامۃ السجاوندیؒ : اما العصبۃ بنفسہ فکل ذکر لا تدخل فی نسبتہ الی المیت انثیٰ وھو اربعۃ اصناف جزء المیت واصلہ وجزء ابیہ وجزء جدہ ۔ (السراجی ص۱۴ باب العصبات)

لہ لما فی الھندیۃ : اما الرجال فالاول الاب فلہ ثلاثۃ احوال الفرض المحض وھو السدس مع الابن وابن الابن وان سفل والتعصیب المحض وذلک لا بعد فقدہ فلہ جمیع المال بالعصوبۃ وکذا اذا اجتمع مع ذی فرض لیس بولد ولا ولد الابن کزوج وام وجدۃ فیأخذ والفرض فرضہ فالباقی للاب بالعصوبۃ الخ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۶ ص۴۴۸ کتاب الفرائض، الباب الاول)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۶ ص۴۵۴ کتاب الفرائض، الاول فی اصحاب الفرائض ۔

نافرمان بیوی کا شوہر کی میراث میں حصہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی نافرمان ہے اور بلاوجہ ہر وقت شوہر سے جھگڑتی رہتی ہے، اور اگر اسی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو کیا اس عورت کو شوہر کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ میراث میں حصص کا تعین منجانب اللہ مقرر ہے جو کہ بدون موانع شرعی کے کسی بھی صورت میں ساقط نہیں ہوتا، چاہے وارث فرمانبردار ہو یا نافرمان، اس لیے مذکورہ صورت میں بھی نافرمان بیوی کو شوہر کے مال میں چوتھایا آٹھواں حصہ ملے گا۔

لقوله تعالیٰ: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۲)[۱]

حربی ذمی کا وارث نہیں ہو سکتا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم پاکستان میں وفات پا جائے اور وہ یہاں کا شہری ہو اور اس کا باپ ہندوستان میں رہتا ہو تو کیا یہ باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصہ شرعی کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اختلاف دارین (دار الحرب اور دار الاسلام) بھی مانع ارث ہے، اس لیے صورت مسئولہ کے مطابق باپ اپنے بیٹے کی میراث میں حصے کا حقدار نہیں ہوگا اور مرنے والے کا مجموعی مال دار الاسلام (پاکستان) میں رہنے والے اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

قال العلامۃ محمد الطوریؒ: ولا خلاف بین اصحابنا ان الکافر الحربی لا یرث الذمی سواء کان الحربی مستامنا فی دارنا او فی الحرب واھل الذمۃ یرث بعضھم بعضا۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۵۰۱ کتاب الفرائض)

---

[۱] قال العلامۃ ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ: ونصیب الزوجۃ الربع مع عدم الولد وولد الابن والثمن معہم اثنتین کانت او واحدۃ او اکثر یشترکن فی ذلک۔ (البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۶ ص ۴۵۳ کتاب الفرائض، الاول فی اصحاب الفرائض)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۶ ص ۴۴۸ کتاب الفرائض الباب الاول۔

بہن کا اپنے بھائی کے ترکہ میں میراث کا حکم

سوال:- کیا بہن اپنے بھائی کے ترکہ میں سے میراث کی حقدار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کن حالات میں؟ اور کیا اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- عورت اپنے باپ کے ترکہ میں میراث کی حقدار ہوتی ہے مگر اپنے بھائی کے ذاتی مال وجائیداد میں حقدار نہیں ہوتی خصوصاً جب باپ یا لڑکا زندہ ہو ورنہ وفات کی صورت میں شرعی ضابطے کے مطابق کبھی حقدار ہوگی اور کبھی نہیں۔

وفی الھندیۃ: الثالثۃ الاخوات لاب وام للواحدۃ النصف وللثنتین فصاعداً الثلثان ومع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین ولھن الباقی مع البنت او بنات الابن۔ الرابعۃ الاخوات لاب وھن کالاخوات لاب وام عند عدمھن ولھن السدس مع الاخت لاب وام تکملۃ للثلثین ولا یرثن مع الاختین لاب وام الا ان یکون معھن اخ فیعصبھن۔ الخامسۃ الاخوات لام للواحدۃ السدس وللثنتین فصاعداً الثلث۔ ویسقط الاخوۃ والاخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق وبالجد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۶ ص۴۵۰ کتاب الفرائض الباب الثانی فی ذوی الفروض)[1]

---

[1] قال العلامۃ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ: فیبدأ بذوی الفروض وھم اثنا عشر من النسب ثلاثۃ من الرجال وھم الاب والجد والاخ لام وسبعۃ من النساء وھن البنت وبنت الابن والاخت الشقیقۃ والاخت لاب والاخت لام والجدۃ واثنان من السبب وھما الزوجان۔
(الدر المختار مع رد المحتار ج۵ ص۵۴۳ کتاب الفرائض)
ومثلہ فی البحر الرائق علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۴۵۳ کتاب الفرائض الفصل الاول فی اصحاب الفرائض۔

مطبوعات مؤتمر المصنفین (۱۹)

قادیانیت

اور

ملتِ اسلامیہ کا موقف

سنہ ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران قومی اسمبلی پاکستان میں
ملتِ اسلامیہ کا وہ بیان تھا جس پر قومی اسمبلی نے
باتفاق دستوری ترمیمات قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا

پیشکش

مؤتمر المصنفین

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

مطبوعات مؤتمر المصنفین ۳

دارالعلوم حقانیہ سے جامعۃ الازہر تک

پیش لفظ حضرت مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تالیف مولانا مفتی غلام الرحمٰن

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشاور پاکستان